مختصر

تاریخِ اسلام

(کامل تین جلد)

مع نقشہ جات

[جس میں انتہائی اختصار سے اسلامی تاریخ کے
تمام اہم واقعات پیش کیے گئے ہیں۔]

از

مولانا غلام رسول مہر

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ اسلام کے متعلق ضخیم اور قیمتی کتابیں تو ایک سے زیادہ مل جائیں گی۔ لیکن ایسی کتاب شاید ہی مل سکے جس میں انتہائی اختصار سے تمام واقعات ایسے انداز میں پیش کیے گئے ہوں کہ اسے ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد اسلامی تاریخ کے تمام اہم واقعات سامنے آجائیں۔ پیشِ نظر کتاب کا مقصد و مدّعا یہی ہے۔ اس کی بعض خصوصیّات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

۱۔ اس میں اسلام سے پیشتر کی تمام تہذیبوں کا سرسری خاکہ مرتّب کر لیا گیا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے۔ انسان نے اپنی عقل و دانش اور تجربے سے کام لے کر کیا کچھ کیا، دینِ حق کی رہنمائی میں انسانیت بلندی کے کس درجے پر پہنچی اور اس کے سامنے ترقی کی کون کون سی راہیں کھلیں۔

۲۔ اس میں تاریخ اسلام کے تمام اہم واقعات ایسے انداز میں لکھے گئے ہیں کہ اختصار کے باوجود ان کی اہمیّت پیشِ نظر رہے۔

۳۔ تاریخ اسلام کے سلسلے میں ایسے مقاموں اور علاقوں کا بھی ذکر آیا ہے جن کے نام پہلے کچھ اور تھے۔ اب بدل کر اور ہو گئے ہیں۔ اس قسم کے تمام تغیرّات کی تشریح حواشی میں کر دی گئی ہے تاکہ ان مقامات کو مروّجہ اٹلسوں میں

بہ آسانی دیکھا جا سکے؛

۴۔ تمام اہم مقاموں کا جغرافیائی محل ساتھ ساتھ واضح کر دیا گیا ہے؛

۵۔ کتاب میں ہر حکمران خاندان کے صرف ممتاز اصحاب کا ذکر ذرا تفصیل سے آسکتا تھا۔ عام افراد کا ذکر چھوڑے بغیر چارہ نہ تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ہر خاندان کا شجرہ دے دیا گیا ہے۔ جس میں تمام حکمرانوں کے نام بالترتیب آ گئے ہیں۔ یہ شجرے کتاب کے مطالعے میں بہت معاون ثابت ہوں گے؛

۶۔ ضروری نقشے بھی شامل کر دیے گئے ہیں؛

۷۔ تحریر کا اسلوب ایسا رکھا گیا ہے کہ معمولی اُردو خواں بھی کتاب کے مطالعے سے پورا فائدا اٹھا سکے۔ تمام اہم واقعات کے پس منظر اور نتائج ساتھ ساتھ دے دیے گئے ہیں؛

غرض کتاب کو مفید، دلچسپ اور عام فہم بنانے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہیں رکھا گیا۔ اُمید ہے کہ اس کا مطالعہ مفصّل تاریخ اسلام کے مقدّمے کے طور پر سُود مند ہوگا؛

غلام رسول مہر

پہلا حصّہ

(ابتدا سے خلافتِ راشدہ تک)

فہرست مضامین

پہلا باب

مقدمہ

انسانی زندگی کا آغاز

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہماری زمین کو وجود میں آئے کتنی مدت گزری اور اس کی پشت پر انسانوں کا بسیرا کب سے ہوا؟ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ انسان کے ذہن نے آہستہ آہستہ نشو و نما پائی اور درجہ بہ درجہ تہذیب و تمدن کی منزلیں طے کیں۔ اس کی زندگی کا آغاز خانہ بدوشی اور بدویت سے ہوا۔ ضرورتیں اور تجربے اسے آبادی اور آبادکاری کی طرف لائے۔ ابتدا میں اس کا لباس کیا ہوگا؟ درختوں کے پتے یا جانوروں کی کھالیں۔ وہ کیا کھاتا ہوگا؟ جنگلوں کی جڑی بوٹیاں یا پھل، جانوروں اور پرندوں کا گوشت۔ وہ شروع میں یقیناً جنگلی جانوروں کی طرح رہتا ہوگا۔ سردی یا برسات سے تنگ ہوتا تو پہاڑ کے کسی غار میں چلا جاتا یا کسی گڑھے میں سر چھپا لیتا۔ دھوپ لگتی تو درخت کے سایے میں جا بیٹھتا۔

اجتماعی زندگی کی پہلی کڑی ماں کی محبت تھی، دوسری کڑی باپ کی شفقت و نگہبانی۔ یہ دونوں چیزیں فطری ہیں اور محض انسانوں ہی میں نہیں بلکہ تمام جانوروں میں بھی پائی جاتی ہیں، خواہ وہ پالتو جانور ہوں یا جنگلوں میں رہنے والے درندے، فضا میں اُڑنے والے پرندے ہوں یا زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے۔ ان دو کڑیوں کے بعد تیسری کڑی کنبے کی تھی۔ پھر یہ سلسلہ وسیع ہوتا گیا۔ کئی کنبوں کے مل جانے سے قبیلہ بنا۔ اس کے بعد بلدیت (شہریت) وطنیت

اور ارضیت (انسانیت) کے رشتے سامنے آئے۔ ذرا غور کرو تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ تمام تعلقات اسی رشتے کے برگ و بار ہیں جو امومت یعنی ماں کی مامتا سے شروع ہوتا ہے۔

ترقی کے اسباب انسان نے ترقی کی یہ ساری منزلیں آہستہ آہستہ طے کیں۔ آج بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ بعض گروہ بہت آگے نکل گئے ہیں، بعض بیچ میں بیٹھے ہیں، بعض کی حالت جنگلی درندوں اور حیوانوں سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہے۔ مثلاً افریقہ کے بعض وحشی قبیلے یا آسٹریلیا وغیرہ کے قدیم باشندے۔ ترقی کے اسباب و محرکات کو جانچا جائے تو دو باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں، ایک یہ کہ گرد و پیش کے حالات اور ضروریات نے انسان کو اس راہ پر لگایا کہ وہ اجتماع کے دائرے کو ترقی دے اور اسے زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خدا نے اپنی رحمت سے وقتاً فوقتاً ایسے انسان مختلف قوموں اور گروہوں میں پیدا کیے، جن کی رہنمائی نے ترقی کی سیدھی راہوں کا پتہ بتا دیا اور اپنے اپنے وقتوں میں انسانوں کو ان راہوں پر چلایا۔ انھیں ہم اپنی اصطلاح میں ہادی، پیغمبر، انبیاء اور رسول کہتے ہیں، ان سب پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خدا کا سلام ہو۔ عالمِ انسانیت کی پوری تاریخ سامنے رکھیے، تو صاف واضح ہو جائے گا کہ اس میں ترقی کی جتنی چھلانگیں لگیں، ان سب کی ہمّت و استعداد لوگوں میں انبیاء کرام کی پاک تعلیمات ہی سے پیدا ہوئی، اگرچہ تجربات سے بھی تھوڑا بہت فائدہ پہنچتا رہا ہے۔ انھیں تعلیمات کی برکت سے انسانوں کو نیکی کا سبق ملا اور برائی سے بچنے کی عقل آئی۔ نیکی کیا ہے؟ یہ کہ انسانوں کے آپس کے معاملات ایسے طریقے پر انجام پائیں کہ اس دُنیا کی زندگی سب کے لیے خوشی

اور راحت کی بہشت زار بن جائے۔ بُرائی کسے کہتے ہیں؟ اس فکر یا عمل کو جس کی وجہ سے انسانوں کے باہمی تعلقات بگڑیں، ان کی اجتماعی زندگی میں خلل پیدا ہو جائے، اتحاد و اتفاق کی کڑیاں ٹوٹ جائیں، تفرقے کا دَور دورہ ہو جائے، انسان ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں اور زندگی کا امن و سکون برباد ہو کر رہ جائے۔

مختلف انسانوں نے عقل و تجربات سے بھی بعض اچھی چیزیں پیدا کیں، لیکن انبیاء کرام نے خدا سے ہدایت پاکر تعلیم اور عمل کے جو نمونے اپنے ہم جنسوں کے سامنے پیش کئے، وہ نیکی اور خیر کی روشنی کے ایسے مینار ہیں جن کی وجہ سے بُرائی اور حق ناشناسی کا ہر اندھیرا کافور ہوتا رہا۔ انسانوں کے لیے نفع اور سود مندوں کی راہیں کھلتی رہیں نقصان اور خسارے کے دروازے بند ہوتے گئے۔

خدا کی رحمت

جس پاک خدا نے انسانوں کی جسمانی راحت کے لیے ہر قسم کی نعمتیں اس دنیا کے چپّے چپّے میں پھیلا دیں ناممکن تھا کہ وہ انسانوں کی روحانی اور باطنی تربیت کا بہتر سے بہتر سامان نہ کرتا۔ دیکھو، برسات کھیتوں کے لیے سیرابی کا بندوبست کرتی ہے، دریاؤں اور ندیوں میں اتنا پانی بہم پہنچا دیتی ہے کہ ان سے فصلوں کی آبیاری کا انتظام خوش اسلوبی سے ہوتا رہے۔ سردیوں میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف جما دیتی ہے، جو گرمیوں میں سورج کی تپش سے پگھل پگھل کر پانی بنتی رہتی ہے، تاکہ دریا خشک نہ ہونے پائیں۔ اسی طرح خدا نے انسانوں کی روحوں اور دلوں کے لیے بھی بارانِ رحمت کا انتظام کر دیا۔ یہ انبیاء کرام تھے، جو خدا کی رحمت کے خاص کرشمے تھے۔ وہ وقتاً فوقتاً ہدایت کا پیغام لے کر دنیا میں آتے رہے اور انسانوں کو سیدھی راہ پر لگاتے رہے۔ آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بھیجے جو مکمل ہدایت لے کر آئے اور فیضان رحمت کے ایسے چشمے جاری کر دیے کہ پھر کسی نئی تعلیم اور نئی ہدایت کی ضرورت نہ رہی۔ آنحضرت صلعم پورے عالم انسانیت کی ہدایت کے لیے تشریف لائے۔ ایسی تعلیم لائے جو ہر زمانے اور ہر مقام کے لیے بہترین اور مکمل ترین تھی۔ انسانی ترقی کے سارے اصول اس پاک تعلیم سے پیدا ہوئے۔

پُرانی تہذیبیں اور تاریخ اسلام

اسلام سے پیشتر کی پرانی تہذیبوں کو غالباً اسی وجہ سے تاریخ اسلام کا مقدمہ بنایا گیا کہ معلوم ہو جائے انسان نے اپنی عقل اور اپنے تجربات کی روشنی میں کیا کچھ حاصل کیا اور انبیاء کرام کی رہنمائی نے اسے کس منزل پر پہنچایا۔ سب سے آخر میں یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیم لے کر اس دُنیا میں تشریف لائے اور آپ نے عالم انسانیت کو جو سبق پڑھائے اور جن راہوں پر لگایا، وہ کن وجوہ سے بہترین ہیں اور کیوں یہ دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ ان پر چلے بغیر انسانوں کے لیے سچی خوشی، حقیقی راحت اور کامل امن کی منزلِ مقصود پر پہنچنا غیر ممکن ہے۔

یہ باتیں ہم نے اختصار سے پیش کر دی ہیں اور اس سلسلے میں لمبی بحثیں نہیں چھیڑیں۔ چھٹی جماعت کے طلبہ کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ ان باتوں کو ذہن میں بٹھا لیں۔ پھر آیندہ ابواب کا مطالعہ کریں امید ہے کہ اس طرح ان پر روشن ہوتا جائے گا کہ انسان نے عقل و تجربات سے کیا کچھ حاصل کیا۔ خدا کے بھیجے ہوئے پاک نبیوں کی تعلیم نے انھیں کہاں پہنچایا اور خدا کے سب سے آخری نبی اور آخری کتاب نے کس منزل کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

یاد رکھو کہ اس تعلیم پر عمل کا نمونہ بھی پیش ہو چکا ہے، اور اس امر

کا ثبوت بھی مل چکا ہے کہ صحیح اسلامی تعلیم واقعی دُنیا کو امن و راحت کی بہشت بنا سکتی ہے۔ اگر بعد کے سارے مسلمان اس راہ پر ٹھیک ٹھیک نہ چل سکے تو یہ ان کا اپنا قصور اور اپنی کوتاہی ہے اور اس کوتاہی سے جو نتیجے برآمد ہوئے وہ سب کے سامنے ہیں۔

دوسرا باب

قدیم مصر

تہذیب کا پہلا گہوارہ

قدیم زمانے کے متعلق تاریخی کتابیں تو نہیں ملتیں، جن سے ہمیں صحیح حالات معلوم ہو سکیں۔ کچھ تحریریں یا کتبے دستیاب ہوئے ہیں، جنھیں بڑی محنت سے پڑھ کر بعض حالات کا کھوج لگایا گیا۔ پھر پرانے آثار کی کھدائی شروع ہوئی۔ اس کھدائی میں جو چیزیں ملیں، اُن سے یہ معلوم ہوا کہ پرانے لوگ تہذیب و تمدّن میں کس درجے پر پہنچ چکے تھے۔ معلومات کے اس ذخیرے کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں نے پہلے پہل ان مقامات پر مل جل کر رہنا سہنا شروع کیا، جہاں پانی کے ایسے خزانے موجود تھے کہ کسی خاص تدبیر اور کوشش کے بغیر ہی کھیتوں کی سیرابی اور فصلوں کی شادابی کا بندوبست ہو سکتا تھا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مصر آتا ہے، جہاں اب سے کم و بیش سات ہزار سال پیشتر اجتماعی زندگی شروع ہو چکی تھی۔ وہیں انسانی تہذیب کا چراغ پہلے پہل روشن ہوا اور مختلف علوم و فنون کی بنیاد پڑی۔

مصر کی اہمیّت

حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے :- سام، حام اور یافث ۔ سام سے سامی نسل چلی یعنی عرب، یہودی وغیرہ ۔ یافث ترکوں اور دوسری عجمی قوموں کا بزرگ تھا ۔ حام کی نسل براعظم افریقہ میں پھیلی ۔ حام کے دوسرے فرزند کا نام "مصر" تھا جسے عبرانی میں "مصرائم" کہتے تھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصر یا مصرائم نے اپنی اولاد کے لیے وہی خطّہ سنبھالا تھا، جسے ہم مصر کہتے ہیں ۔

مصر کی جائے وقوع بڑی اہم ہے ۔ اسے بھی عرب کی طرح یورپ، ایشیا اور افریقہ سے یکساں قریبی تعلق ہے ۔ اس کے مشرق میں بحیرۂ قلزم اور شمال میں بحیرۂ روم ہے ۔ یہ سمندر زیادہ چوڑے نہیں ہیں ۔ اور ان میں جا بجا چھوٹے بڑے جزیرے ہیں ۔ یہی سمندر تھے جہاں پہلے پہل جہاز رانی شروع ہوئی اور بحری تجارت نے فروغ پایا ۔ مصر کو دونوں سمندروں سے فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل تھا ۔ جب تک نہر سوئز نہیں بنی تھی اور راس امید کا بحری راستہ نہیں معلوم ہوا تھا مصر ہی یورپ اور ایشیا کے درمیان بحری تجارت کا ذریعہ تھا ۔ نہر سوئز کی تعمیر سے پہلے مصر سے ایشیا آنے جانے کے لیے خشکی کا راستہ بھی موجود تھا ۔ اس راستے سے صدیوں تک یورپ کا مال ایشیا اور ایشیا کا مال یورپ پہنچتا رہا ۔

دریائے نیل

مصر کی آبادی اور شادابی کا واحد ذریعہ دریائے نیل ہے، جو جنوب کی طرف سے آتا ہے اور پورے ملک کے بیچ میں سے گزرتا ہوا بحیرۂ روم میں گرتا ہے ۔ اسے مصر کی زندگی میں شاہ رگ کی حیثیت حاصل ہے ۔ نیل نہ ہوتا تو مصر بھی لیبیا کے بڑے حصّے کی طرح ایک بے آباد صحرا ہوتا

نیل کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ اس کا پانی ایک خاص

موقع پر (عموماً ۸-جون کو) چڑھنا شروع ہوتا ہے اور اس حد پر پہنچ جاتا ہے کہ آس پاس کی زمینیں خوب سیراب ہو جائیں۔ پھر گھٹتے گھٹتے ستمبر کے مہینے میں عام سطح پر آجاتا ہے۔ چڑھاؤ کے زمانے میں نیل ارد گرد کی زمینوں کو صرف سیراب ہی نہیں کرتا بلکہ ان پر سیاہی مائل مٹی کی ایک تہہ بھی چھوڑ جاتا ہے جو اعلیٰ درجے کی کھاد کا کام دیتی ہے اس وجہ سے فصلیں خوب ہوتی ہیں۔ انسان کو پہلے پہل کھانے پینے اور پہننے کے سامان فراہم کرنے کی ضرورت پڑی۔ اس ضرورت نے اسے کھیتی باڑی سکھائی۔ کھیتی باڑی کے لیے جیسے قدرتی سامان نیل کے کناروں پر موجود تھے، ویسے اور کہیں نہ تھے، اس وجہ سے اجتماعی زندگی کی ابتدا نیل کے کناروں پر ہوئی اور اسی جگہ تہذیب کا پہلا سانچا تیار ہوا۔

بادشاہیاں

انسان مل جل کر رہنے لگے تو انھیں اجتماعی زندگی کے کاروبار کو چلانے کے لیے حکومت کا انتظام کرنا پڑا اور بادشاہیوں کی بنیاد پڑی۔ مصر میں ابتدا سے لے کر اسکندر یونانی کے زمانے تک یکے بعد دیگرے اکتیس خاندانوں نے بادشاہت کی۔ مورخ ان خاندانوں کو تین طبقوں میں بانٹتے ہیں جن کی سرسری کیفیت یہ ہے:

طبقہ	خاندانوں کی تعداد	مدت حکومت
پہلا طبقہ	گیارہ خاندان	۲۱۰۵ برس
دوسرا طبقہ	چھ خاندان	۱۳۶۱ "
تیسرا طبقہ	چودہ خاندان	۱۳۷۱ "

تینوں طبقوں کی مدت حکومت چار ہزار آٹھ سو سینتس برس بنتی ہے۔ یہ بڑی لمبی مدت ہے۔ اس میں سیکڑوں بادشاہ گزرے۔

وہ مطلق العنان تھے۔ مصریوں کے نزدیک سورج کو سب سے بڑی طاقت کا مالک سمجھا جاتا تھا اور اس کا نام پرانی مصری زبان میں "رع" تھا۔ بادشاہ کو وہ لوگ زمین پر سورج کا اوتار مانتے تھے۔ اسے بھی "رع" کہتے تھے۔ یہی لفظ عربی میں "فرعون" بن گیا۔

حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ

یہاں مصر کی تاریخ لکھنا منظور نہیں بلکہ اس کی پرانی تہذیب کا صرف سرسری خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں اس لیے تمام بادشاہوں کے حالات بیان نہیں کر سکتے۔ لیکن چند باتیں سامنے رکھ لینی چاہییں۔

۱۔ ہر عہد میں پورا مصر ایک بادشاہ کے ماتحت متحد نہیں رہا۔ کئی موقعے ایسے آئے کہ جنوبی مصر (مصر بالا) اور شمالی مصر (مصر زیریں) کی الگ الگ بادشاہتیں رہیں۔ بعض موقعوں پر پورے ملک میں پانچ پانچ بادشاہتوں کا سراغ بھی ملتا ہے۔ ایسے موقعے بھی آئے کہ نہ صرف پورا ملک ایک بادشاہ کے ماتحت آگیا بلکہ اس نے حبشہ، شام اور بعض دوسرے علاقوں پر بھی کامیاب حملے کیے۔

۲۔ ایک موقع پر شام کے بعض من چلے سرداروں نے حملہ کر کے مصر کو فتح کر لیا تھا اور وہ پانچ چھ سو برس تک وہاں حکمران رہے۔ ان بادشاہوں کو "ہک سوس" کہتے ہیں جو "شیخ" کا بگاڑ معلوم ہوتا ہے، انھیں چرواہے بادشاہ بھی کہا جاتا ہے۔ عرب انھیں عمالقہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ انھیں بادشاہوں میں سے کسی ایک کے زمانے میں حضرت ابراہیم مصر پہنچے۔ بادشاہ نے اس پاک نبی کی عزت سے

اپنے پاس ٹھہرایا اور اپنی بیٹی ہاجرہ کی شادی ان سے کر دی۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام مصر پہنچے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت زمین کے خزانوں کے مختار بن گئے۔ حضرت یوسف کی مختاری کے زمانے میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا گھرانا مصر میں آباد ہوا۔

۳۔ مصریوں کو عمالقہ سے سخت نفرت تھی۔ جب ان کی سلطنت کمزور ہوگئی تو مصریوں نے قوت فراہم کر کے انھیں ملک سے نکال دیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد پر بے پناہ ظلم توڑنے لگے۔ ان لوگوں کو بنی اسرائیل اس لیے کہا گیا کہ حضرت یعقوبؑ کا ایک نام اسرائیل بھی تھا۔ مصری نہ انھیں ملک سے نکلنے دیتے تھے اور نہ ظلم و ستم سے ہاتھ روکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اولادِ یعقوبؑ یعنی بنی اسرائیل کو خوفناک مصیبتوں کے اس طوفان سے نجات دلائی۔

۴۔ اسکندر یونانی نے مصر کو فتح کر کے وہاں یونانی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ یونانیوں کے جانشین رومی تھے۔ ہجرت کے اٹھارھویں سال (۶۳۹ء) عربوں نے رومیوں کو شکست دے کر مصر پر قبضہ جمالیا۔ اس وقت سے مصر عربی اور اسلامی علوم و فنون کا مرکز بنا اور آج تک اس کا یہ امتیاز قائم ہے۔

مصری تہذیب کا خاکہ

چار ہزار آٹھ سو سینتیس برس کی مدت میں مصری تہذیب بڑے اونچے پیمانے پر پہنچی۔ اس کا سرسری اندازہ ان آثار سے ہو سکتا ہے جو ہزاروں برس گزر جانے کے باوجود اب تک دریائے نیل کے کناروں پر اپنے بانیوں کی عظمت و برتری کا افسانہ سنا رہے ہیں۔ تہذیب

کا سرسری خاکہ یہ ہے:

۱- علوم میں سے ریاضی، طب اور نجوم نے خاصی ترقی کی حضرت موسےٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا بہت زور تھا۔ مہینوں اور سالوں کا حساب کر کے مصریوں نے کیلنڈر بھی تیار کر لیا تھا جو ہمارے زمانے کے کیلنڈر کے عین مطابق تھا۔

۲- کھیتی باڑی خوب ہوتی تھی۔ عام طور پر گیہوں، جَو، سَن اور کپاس بوتے تھے۔ سَن اور کپاس کے کپڑے بناتے تھے۔ درختوں کے ریشے بھی کپڑا بُننے میں استعمال کرتے تھے۔ بادشاہوں کے لیے زرتار پارچے تیار ہوتے تھے۔ کپڑے رنگنے کا بھید بھی مصریوں کو معلوم ہو چکا تھا۔

۳- دھاتوں میں سے لوہے، تانبے اور سونے کا استعمال وہ لوگ سیکھ گئے تھے۔ ہتھیاروں میں سے تیر کمان، برچھے، خنجر، تلوار، گرز، کلھاڑی، ڈھال، خود اور زرہ کے نمونے پرانے آثار میں کثرت سے ملتے ہیں۔ تیر تین تین ہاتھ لمبے ہوتے تھے۔

۴- پھلوں میں کھجور خودرو تھی۔ انگور کی خوب کاشت ہوتی تھی۔ اس سے وہ شراب بناتے تھے۔ شہد کا استعمال عام تھا۔ گنّے کی کاشت بھی مصر ہی میں ہوئی اور رس سے گُڑ، چینی وغیرہ بنانے کا طریقہ بھی مصریوں کو معلوم ہو گیا تھا۔ اس کی ایک روشن شہادت یہ ہے کہ ہماری زبان میں نبات کو اب تک "مصری" کہتے ہیں۔

۵- مصر میں پیشوں کی بنا پر ذاتیں بن گئی تھیں اور کسی ایک ذات یا پیشے کا آدمی نہ دوسرا پیشہ اختیار کر سکتا تھا اور نہ دوسری ذات میں شامل ہو سکتا تھا۔ غلامی کا عام رواج تھا اور



اهرام مصر

غلاموں پر بڑی سختیاں ہوتی تھیں۔ عمالقہ کی حکومت ختم ہوجانے کے بعد بنی اسرائیل کے ساتھ بھی مصریوں نے غلاموں کا سا برتاؤ شروع کر دیا تھا۔

مذہبی حالت

۶۔ مصریوں کے مذہبی عقیدے بہت پست تھے۔ وہ سورج، چاند اور دوسرے قدرتی مظاہر کی پرستش کرتے تھے۔ خدائے واحد کا ان کے دماغ میں کوئی تصوّر نہ تھا۔

۷۔ گائے بیل، گدھے اور گھوڑے بڑے شوق سے پالتے تھے۔ اونٹوں سے بار برداری کا کام لیتے تھے۔ بیل کو مقدس مانتے تھے۔ غالباً اس لیے کہ کھیتی باڑی میں یہ جانور بہت کارآمد تھا۔ مصریوں ہی کی صحبت میں بنی اسرائیل بھی بیل کو مقدس ماننے لگے تھے۔ یہاں تک کہ جب حضرت موسےٰ علیہ السلام کوہِ طور پر گئے تو بنی اسرائیل نے گوسالے کی پوجا شروع کر دی۔

۸۔ لکڑی کا فرنیچر بہت عمدہ بناتے تھے مثلاً کرسیاں، پلنگ، صندوق وغیرہ ان پر نقش و نگار بہت خوبصورت کرتے تھے کئی ایسے تابوت ملے ہیں جن کے نقش و نگار دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔

۹۔ لاشوں کو محفوظ کرنے کا بڑا اچھا طریقہ مصریوں نے نکال لیا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جسم کو اصل حالت میں محفوظ رکھنا چاہیے تاکہ روح اس میں واپس آسکے۔ سیکڑوں لاشیں ملی ہیں جو ہزاروں برس گزر جانے پر بھی بالکل محفوظ ہیں۔ صرف ان کے چہروں کا رنگ ذرا بدل گیا ہے۔

تعمیرات

مصریوں نے تعمیرات میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ ان کے

بہت سے مندر اب تک موجود ہیں ۔ اہرام جیسی عمارتیں دنیا بھر میں کہیں نہیں ہیں یہ بادشاہوں کے مقبرے ہیں ۔ ان میں سے سب سے بڑے مقبرے میں جو مسالہ صرف ہوا ، اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس مسالے سے بائیس ہزار مکان تیار ہو سکتے ہیں ۔ جن میں سے ہر مکان بیس فٹ چوڑا اور تیس فٹ لمبا ہوگا اور اس کی دیواریں تیس تیس فٹ اونچی ہوں گی ۔ اس مقبرے کی تعمیر میں بیس برس تک ایک لاکھ مزدور کام کرتے رہے ۔ اس کے کئی پتھر بیس بیس فٹ لمبے ، پانچ پانچ فٹ موٹے اور پانچ پانچ فٹ چوڑے ہیں ۔ ان کا وزن چودہ چودہ پندرہ پندرہ سو من سے کم نہ ہوگا اور کم و بیش پانچ سو میل کے فاصلے سے تراش کر لائے گئے ۔ مصریوں کو بھاری چیزیں اٹھانے کا گر بھی معلوم ہوگا ۔ صرف ہاتھوں کی قوت سے نہ یہ پتھر لائے جا سکتے تھے اور نہ بلندی پر چڑھائے جا سکتے تھے ۔

عجائبات کی چیزوں میں سے ایک ابوالہول (SPHINX) ہے ۔ یہ ایک بہت بڑا بت ہے ، جس کا دھڑ شیر کا ہے اور سر انسان کا ۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تمام اعضا بالکل متناسب ہیں ۔ اتنے بڑے بت میں تناسب کو اعلیٰ پیمانے پر رکھنا بت تراشی کا بہت بڑا کمال ہے ۔

ہیرو غلافی

مصریوں کا ایک قابلِ ذکر کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے خیالات کو تحریر میں لانے کا ایک طریقہ نکال لیا تھا ۔ وہ تصویروں اور نقشوں سے کام لیتے تھے ۔ اس طریقے کو ہیرو غلافی کہتے ہیں یعنی "مقدس تحریر" ۔ شاید اس لیے کہ ابتدا میں یہ طرزِ تحریر ان کے پروہتوں نے ایجاد کیا ۔ مصریوں کے سارے کتبے اسی رسم الخط میں ہیں ۔ سنہ ۱۸۲۲ تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ کیا لکھا ہے ۔ پھر ایک شخص نے اس خط کو پڑھنے کی کلید دریافت کر لی ۔ اب ساری تحریریں آسانی



ابو الهول (مصر)

سے پڑھی جاتی ہیں:

تیسرا باب
بابل و نینوے

تہذیب کا دوسرا مرکز ہم بتا چکے ہیں کہ دریائے نیل کے کنارے لوگ اس وجہ سے آباد ہوئے کہ وہاں کھیتی باڑی کی زیادہ سے زیادہ سہولتیں تھیں اور ابتدا میں انسانوں کی سب سے بڑی ضرورت یہی تھی کہ انھیں روٹی ملے اور تن پوشی کا بندوبست ہوتا رہے۔ یہ تمام سہولتیں عراق میں بھی موجود تھیں جسے دجلہ اور فرات کے پانی سیراب کرتے ہیں۔ لہٰذا عراق انسانی تہذیب کا دوسرا مرکز بنا۔ اور یہاں کے پرانے شہروں میں سے بابل و نینوے نے عالمگیر شہرت حاصل کی۔

مسلسل لڑائیاں دوآبۂ دجلہ و فرات کے اردگرد مختلف صحرائی اور پہاڑی قبیلے آباد تھے۔ ان سب کے دل میں دوآبے کی زرخیز زمینیں کشش پیدا کرتی رہیں۔ اس وجہ سے دوآبہ میں برابر جنگ و پیکار کا سلسلہ قائم رہا۔ ابتدا میں شمالی سمت سے سمیری آئے اور پورے دوآبے پر قابض ہوگئے۔ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے طریقے پر عبادت کرتے آئے تھے۔ میدانی علاقے میں پہنچے تو انھوں نے عبادت کے لیے اونچے اونچے مینار بنائے، جن کی چوٹیوں پر وہ چکر والی سیڑھیوں سے چڑھتے تھے۔ بابل میں پہلے پہل غالباً انھیں نے مینار بنایا تھا جس کا ذکر انجیل میں بھی آیا ہے۔ یہ لوگ حضرت مسیح

علیہ السلام سے چار ہزار برس پہلے دو آبہ دجلہ و فرات میں پہنچے ہوں گے۔ پھر صحرائے عرب سے ایک قبیلہ اٹھا اور سمیریوں کو شکست دے کر پورے علاقے پر قابض ہو گیا۔ ان کے بعد ایک اور عرب قبیلے نے عروج حاصل کیا اور اپنی بادشاہت قائم کرلی۔ اس آخری قبیلے کا مشہور بادشاہ حمورابی تھا، جس نے بابل میں عالی شان محل تعمیر کیے اور سلطنت کے انتظام کے لیے قوانین کا ایک مجموعہ تیار کیا۔ یہ قدیم ترین مجموعۂ قوانین ہے جس کا سراغ اس وقت تک مل سکا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن باتوں کو ہم جرم سمجھتے ہیں حمورابی کے زمانے میں بھی ان میں سے کئی کو جرم سمجھا جاتا تھا اور ان پر سزائیں دی جاتی تھیں*۔

حطی اور اشوری

حمورابی کی پیدا کی ہوئی سلطنت میں کمزوری کے آثار نمودار ہوئے تو شمال مغرب سے حطی قبیلہ آکر دو آبہ پر قابض ہو گیا۔ پھر ایک اور صحرائی قبیلے کو عروج حاصل ہوا، جسے اشور کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے بابل کی عظمت کو ختم کر دیا اور دجلہ کے کنارے نیا شہر آباد کیا، جس کا نام پہلے اشوری بادشاہ نینس[1] کے نام پر نینوے رکھا گیا۔ نینوے سے پچیس میل جنوب میں اشور نام ایک شہر بھی دجلہ کے کنارے موجود تھا۔ یہ شاید اس قبیلے کا پہلا شہر تھا۔ اشوری سلطنت حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً سوا ہزار برس پہلے قائم ہوئی تھی اور پانسو برس قائم رہی۔

بابل کا دوبارہ عروج

پھر سامی قبیلوں میں سے ایک اور قبیلہ اٹھا اور اس نے اشوری سلطنت کو تباہ کر کے بابل کے لیے دوبارہ عروج کا دروازہ کھولا۔ اس خاندان کا سب سے مشہور بادشاہ بنوکدنزار (بخت نصر) تھا جس نے فلسطین کو فتح کیا۔

---

[1] NINUS

* حمورابی کا ضابطہ پتھر کی سل پر کندہ لیا ہوا نکلا ہے اس میں ۲۸۲ ضابطے ہیں۔ یہ سل آجکل پیرس میں ہے۔

یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور یہودیوں کو قید کر کے بابل لے آیا۔ کہتے ہیں کہ بخت نصّر آخری زمانے میں پاگل ہو گیا تھا اور اسی حالت میں اس نے وفات پائی۔ اس کے بعد بابل کی عظمت کا شیرازہ بکھر گیا اور تاریخ کی کتابوں میں اس کا صرف نام باقی رہ گیا۔

بابل کی کیفیت

بابل و نینوے پرانے زمانے کی عظیم الشان سلطنتوں کے مرکز تھے۔ ان کی مختصر سی کیفیت سامنے رکھ لینی چاہیے جس کے بغیر ان کی عظمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

بابل کی ابتدائی آبادی دریائے فرات کے مغربی کنارے پر ہوئی تھی اور اسی جانب اس کا مشہور مندر تھا جس میں بعل کی پرستش ہوتی تھی۔ آہستہ آہستہ شہر کی آبادی بڑھنے لگی۔ بخت نصر نے فرات کے مشرقی کنارے پر بھی آبادی کا انتظام کر دیا۔ اس طرح دریا شہر کے وسط میں آ گیا۔ عظمت کے آخری زمانے میں بابل شہر نے ایک عظیم الشان مربعے کی شکل اختیار کر لی تھی جس کا ہر ضلع پندرہ میل لمبا تھا۔ شہر کے ارد گرد بلند اور مضبوط فصیل تھی اور اس کا گھیرا ساٹھ میل کا تھا۔ جہاں بابل آباد ہوا تھا وہاں ارد گرد پتھر نہیں تھے اس لیے عمارتیں اینٹوں سے بنائی گئیں۔ مندر کی شکل ایک مینار کی تھی۔ جس کی آٹھ منزلیں تھیں۔ بنیادی منزل کا ہر ضلع تقریباً دو سو بیس گز تھا۔ گویا مینار کی ہر منزل مربع تھی اور اوپر کی ہر منزل نیچے کی منزل سے چھوٹی ہوتی جاتی تھی۔

فصیل ۸۷ فٹ چوڑی اور تین سو فٹ اونچی تھی۔ اس کے گرد گہری خندق تھی۔ فصیل کی چاروں سمتوں میں ایک سو دروازے تھے جو تانبے کو ڈھال کر نہایت وزنی اور مضبوط بنائے گئے تھے۔ ہر دروازے سے مقابل کے دروازے تک سیدھی سڑک تھی۔

ان سڑکوں کی وجہ سے پورا شہر سیکڑوں مربعوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ دریا پر آمد و رفت کے لیے پُل بنا دے گئے تھے۔

نینوے کی کیفیت

نینوے بابل سے تین سو میل شمال میں دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر آباد تھا۔ اس کی شکل مستطیل کی تھی۔ پندرہ میل لمبائی اور نو میل چوڑائی۔ اس کے تمام مکان ایک دوسرے سے الگ الگ تھے۔ ہر گھر کے اردگرد پارک اور باغ تھے۔ فصیل دو سو فٹ اونچی تھی اور اتنی چوڑی تھی کہ تین گاڑیاں برابر برابر اس پر سے بہ آسانی گزر سکتی تھیں۔ اس میں پندرہ سو بلند برج تھے۔

غرض نینوے بھی بہت عظیم الشان شہر تھا اور یقیناً بڑا بارونق ہوگا لیکن بابل اس سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔

تہذیب

قدیم عراق کے لوگ سب کے سب ستارہ پرست اور بُت پرست تھے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان میں قرآن مجید کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے۔ ریاضی اور نجوم میں وہ خاصی ترقی کر گئے تھے۔ مہینوں اور سالوں کا حساب انھوں نے مصریوں ہی سے لیا تھا۔ کپڑا بننا جانتے تھے۔ دھاتوں کے استعمال میں ماہر ہو گئے تھے۔ مٹی کے تیل سے آگ جلانے کا کام لیتے تھے۔ لیکن بُت پرستی نے ان کی اخلاقی حالت بہت بگاڑ دی تھی۔ مندروں میں ان کی عبادت کے طریقے سخت بداخلاقیوں سے بھرے ہوتے تھے۔ ان کا ذکر کرتے وقت بھی سو مرتبہ تامل ہوتا ہے۔ عورتوں کا درجہ بہت گرا دیا گیا تھا۔ شادیوں کا طریقہ یہ تھا جب لڑکیاں جوان ہوتیں تو انھیں بازار میں لے جاتے۔ جو زیادہ قیمت دیتا وہ خرید لیتا۔ غلامی کا عام رواج تھا۔

ان لوگوں نے بھی ایک رسم الخط ایجاد کیا تھا۔ وہ کچی اینٹیں لیتے۔ ان پر لکھتے پھر پژاووں میں پکا لیتے۔ ایسی بہت سی اینٹیں پرانے آثار سے ملی ہیں۔ یہ گویا دوآبہ دجلہ و فرات میں بسنے والے لوگوں کے کتب خانے تھے۔ ان کے خط کو میخی کہتے تھے۔

چوتھا باب
سرزمینِ کنعان

جائے وقوع کنعان پرانے زمانے میں فلسطین کے اس حصّے کو کہتے تھے جو دریائے اردن کے مغربی کنارے سے لے کر بحیرہ روم کے ساحل تک پھیلا ہوا تھا اور جسے ہم آج کل فلسطین کہتے ہیں۔ اس کے شمال میں شام کا ساحلی علاقہ فونیقیہ کہلاتا تھا۔ ان دو مختصر سے علاقوں نے بھی ترقی تہذیب میں نمایاں حصّہ لیا۔

فونیقی فونیقیہ کے باشندے بڑے من چلے تھے۔ وہ سمندر کے کنارے آباد تھے۔ ان کی توجہ بحری تجارت پر جم گئی۔ ساحلِ شام پر صور اور صیدا ان کی مشہور بندرگاہیں تھیں۔ جہاز تیار کرکے انھوں نے پہلے اپنا مال جزیرہ قبرص میں پہنچایا جو زیادہ دُور نہ تھا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے بڑھتے جزیرہ کریٹ میں گئے۔ پھر افریقہ اور یورپ کے ساحلوں پر جابجا تجارتی کوٹھیاں بناتے اور سسلی (صقلیہ)، کارسیکا، سارڈینیا ہوتے ہوئے ہسپانیہ تک جا پہنچے بلکہ دردانیال سے گزر کر یورپ اور افریقہ کے مغربی ساحلوں پر

بھی تجارت کے مرکز قائم کر لیے۔ ایشیا میں ان کی تجارت یمن کے راستے ہندوستان تک تھی۔ دوسری طرف قفقاز تک ان کے قافلے جاتے تھے۔ یہی لوگ تھے جنھوں نے موجودہ ٹیونس میں قرطاجنہ (کارتیج) شہر آباد کیا، جو طویل مدت تک روما کا رقیب بنا رہا۔ تجارت کے ذریعے سے فونیقیوں کی تہذیب دُور دُور تک پہنچی۔ انھوں نے مصریوں اور اہلِ بابل و نینوے دونوں کے رسم الخط سامنے رکھ کر ایک سہل طریقۂ تحریر ایجاد کیا۔ وہی طریقہ سارے یورپ میں پھیلا۔

کنعان کنعان کی قسمت اس وقت جاگی جب کالڈیا کے بُت پرست بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سچّی خدا پرستی کی بنا پر وطن سے نکال دیا۔ خدا کا یہ پاک نبیؑ خدا کی راہ میں اپنی قوم اور وطن سے مُنہ موڑ کر کنعان پہنچا اور وہاں ڈیرا جمایا۔ وہیں رہتے رہتے حضرت ابراہیم نے ایک خدا کی پرستش کے لیے دو بڑے مرکز قائم کیے۔ ایک مرکز کعبہ تھا جس کے آس پاس بعد میں مکّہ مکرّمہ آباد ہوا اور اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو اس کی نگرانی سونپی۔ دوسرا مرکز کنعان میں تھا جس کی نگرانی حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاقؑ کے حوالے ہوئی۔ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ تھے جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے کی اولاد بنی اسماعیل مشہور ہوئی۔

بنو اسرائیل مصر میں جب حضرت یعقوبؑ کے فرزند حضرت یوسف بھائیوں کے حسد کے باعث غلام بن کر فروخت ہوئے اور مصر پہنچے تو وہاں عمالقہ کی حکومت

تھی ۔ پاک دامنی کے نہایت سخت امتحان کے بعد خدا کا یہ پاک نبی مملکتِ مصر کے زمینی خزانوں کا مالک و مختار بنا تو اس نے اپنے گھرانے کو بھی مصر میں بلا لیا اور شمالی و مشرقی مصر میں آباد کیا، جسے پرانے زمانے میں گوشن کہتے تھے۔

تین چار سو برس گزر جانے کے بعد عمالقہ مصر سے نکالے گئے۔ مصریوں کو اس زمانے میں اجنبیوں خصوصاً شام و کنعان کے باشندوں سے سخت نفرت تھی اس لیے کہ عمالقہ انھیں میں سے تھے۔ جو فوجی قوت کے بل پر مصر کے حاکم بن گئے تھے۔ مصریوں نے بنی اسرائیل پر سخت ظلم شروع کر دیے۔ ان سے سخت مزدوری کے کام لیتے اور حیوانوں کا سا سلوک کرتے۔ ایک موقع پر حکم دے دیا کہ جو بچہ پیدا ہو اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ آخر خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بادشاہ مصر کے پاس بھیجا کہ اسے خدائے پاک کی بندگی سکھائیں اور بنی اسرائیل پر ظلم سے روکیں۔ بادشاہ مصر نے دعوت قبول نہ کی۔ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے۔ بادشاہ نے ان کا پیچھا کیا اور سمندر میں غرق ہو گیا لیکن اس کی لاش تیسرے دن مل گئی اور مصریوں کے طریقے پر مسالے لگا کر دفن کر دیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ خدا نے بادشاہِ مصر سے کہا تھا کہ تیری لاش محفوظ رہے گی تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنے۔ آج سے تیس پینتیس برس پیشتر یہ لاش مل گئی اور آج کل قاہرہ کے عجائب خانے میں رکھی ہوئی ہے۔

بنی اسرائیل کا کنعان آنا

مصر سے نکل کر بنی اسرائیل نے کم و بیش چالیس برس صحرائی علاقے میں گزارے۔ اس زمانے میں ان تمام اخلاقی بیماریوں کا علاج ہوا جو مصر

میں محکومیت کی زندگی بسر کرتے ہوئے پیدا ہو چکی تھیں۔ پھر وہ کنعان پہنچے، حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے۔ ان کے جانشین حضرت یوشع کی سرکردگی میں بنی اسرائیل نے کنعان کو فتح کیا۔ پھر بارہ قبیلوں کو ملک کے الگ الگ حصّوں میں بسا دیا گیا۔ کم و بیش چار سو برس تک ان پر قاضیوں کی حکومت رہی۔ تفرقوں اور باہمی لڑائیوں کے باعث ان کی قوت ضائع ہو گئی۔ ہمسایہ قبیلوں میں سے فلسطینی نام ایک قبیلہ عروج میں آگیا اور اس نے اسرائیل کو اپنا محکوم بنا لیا۔ اسی قبیلے کے نام پر کنعان کا نام فلسطین پڑا۔

آخر بنی اسرائیل نے طالوت کو اپنا بادشاہ بنایا۔ اس طرح ان کی قومی قوت یکجا ہوئی۔ طالوت کے بعد حضرت داوٗد علیہ السلام بادشاہ بنے اور اسرائیلی سلطنت وقت کی نہایت طاقتور سلطنت بن گئی۔ حضرت داوٗد علیہ السلام فوت ہوئے تو ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت ملی۔ ان کے عہد میں اسرائیلیوں نے جو عروج و اقتدار حاصل کیا، اس کی نظیر پُرانے زمانے کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ حضرت داوٗدؑ نے یروشلم کو اپنا پایۂ تخت بنایا تھا۔ یروشلم کے معنی ہیں دارالسلام یا مدینۃ السلام یعنی امن کا گھر یا امن کا شہر۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس شہر میں خدا کی عبادت کے لیے مقدس ہیکل تعمیر کیا۔ اس کی وجہ سے یروشلم قدس شریف یا بیت المقدس کے نام سے مشہور ہوا۔

اسرائیلی سلطنت کی تباہی

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد اسرائیلیوں میں دوبارہ پھوٹ پڑ گئی۔ سلطنت ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ باہر سے اس پر حملے ہونے لگے۔ سب سے بڑا حملہ بخت نصر بادشاہ بابل کا تھا جس نے یروشلم کو تباہ کر دیا۔ مقدس ہیکل کو ڈھا دیا اور اسرائیلیوں کو گرفتار کر کے بابل لے گیا۔

اسرائیلیوں کی تاریخ میں اس زمانے کو اسیری بابل کہتے ہیں۔ طویل مدّت کے بعد سائرس نے بابل کو فتح کیا تو یہودیوں کو اجازت دی کہ وہ وطن واپس چلے جائیں اور ہیکل دوبارہ بنالیں۔ ان کی مقدس کتاب تورات بھی ضائع ہو چکی تھی۔ اسے دوبارہ مرتب کیا گیا۔ تاریخ میں بنی اسرئیل پہلی قوم ہیں، جنھوں نے خدا کے پاک نبیوں کی تعلیم کے مطابق بہ حیثیت قوم ایک خدا کی عبادت کی، اگرچہ بعد میں ان کے اندر سیکڑوں اخلاقی اور اعتقادی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔

پانچواں باب
مشرقی تہذیبیں

وادی سندھ کی تہذیب

قدیم تہذیبوں میں سے وادی سندھ کی تہذیب بھی خاص توجہ کی مستحق ہے۔ اگرچہ اس کے پورے حالات ابھی تک روشنی میں نہیں آئے۔ صرف دو مقاموں پر پرانے آثار ملے ہیں۔ ایک ہڑپا ضلع منٹگمری میں دوسرا "موہن جودڑو" (سندھ) میں۔ ان کے بارے میں تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن ان آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب یہ شہر اپنے عروج پر تھے تو ان کی تہذیب اِردگرد کی تمام تہذیبوں سے بلند و برتر تھی۔ یہ شہر اینٹوں سے بنے تھے۔ لوگ سنگ تراشی جانتے تھے۔ پتھر اور پیتل دونوں کے ہتھیار ملے ہیں۔ سونے چاندی کے زیور اور جواہرات بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ شہر بھی یقیناً دریاؤں کے کناروں پر آباد ہوئے ہوں گے۔ لیکن بعد میں دریاؤں نے رُخ

بدل لیے اور جن خطوں میں شہر آباد تھے وہ بے آب رہ گئے۔ اس لیے شہر اُجڑ گئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شہر زلزلے سے تباہ ہوئے ہوں۔ پھر یہ زمین کے نیچے دبتے گئے۔

موہن جودڑو کی کھدائی سے معلوم ہوا ہے کہ اوپر نیچے تین شہر آباد ہوئے تھے پہلے شہر کی آبادی کم و بیش تین ہزار برس قبل مسیحؑ عمل میں آئی۔ وہ برباد ہوا تو اس کے کھنڈروں پر دوسرا شہر بنا۔ پھر تیسرا شہر، جس کا زمانۂ تعمیر پونے تین ہزار برس قبل مسیح مانا گیا ہے۔ گویا آریاؤں کے پاک ہند میں آنے سے پیشتر بھی یہاں تہذیب کمال پر پہنچ چکی تھی۔ موہن جودڑو کی تہذیب دوآبۂ عراق کی تہذیب سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اغلب ہے دونوں کے درمیان کسی زمانے میں گہرا تعلق رہا ہو۔ یہ تہذیب مصر اور دوآبہ عراق سے بہت زیادہ وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔

چین کی تہذیب

چین کی تہذیب بھی بہت پرانی مانی جاتی ہے۔ اس کا آغاز چین کے مشہور دریا ہونگ ہو (دریائے زرد) کے کناروں پر ہوا۔ اس سلسلے میں بہت سے افسانے بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً پونے تین ہزار برس قبل مسیحؑ ایک بادشاہ تھا جس نے لکھنے کا فن ایجاد کیا، کیلنڈر بنایا، گانا سکھایا، چھ جانور پالے یعنی گھوڑا، الو، بٹیر، مرغ، کتا، سؤر۔ اس کے جانشین نے پانچ غلوں کی کاشت سکھائی یعنی چاول، دو قسم کی جوار، گیہوں اور سویا۔

بادشاہوں کے کئی خاندان یکے بعد دیگرے حکمران رہے۔ ابتدا میں بادشاہوں کے لیے سب سے بڑا کام یہ تھا کہ لوگوں کو دریا کی خوفناک طغیانیوں سے بچانے کا انتظام کریں۔ دریائے ہونگ ہو چین کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے جو نیل کو مصر کے تعلق میں حاصل

ہے یعنی ساری آبادی اور کاشتکاری اس کے پانی پر موقوف ہے۔ لیکن جب اس میں طغیانی آجاتی ہے تو یہ انتہائی مصیبتوں کا باعث بن جاتا ہے۔ بادشاہوں کو عام لوگ خدا کا سایہ سمجھتے تھے۔ ان کے ماتحت امیروں نے زمین کے وسیع خطے سنبھال لیے تھے اور جاگیروں کا ویسا ہی نظام جاری ہو گیا تھا، جیسا زمانۂ متوسط میں یورپ کے اندر جاری تھا۔ یہ امیر موروثی تھے یعنی باپ کے بعد بیٹا امارت سنبھال لیتا۔

چینیوں نے صنعت کو کمال پر پہنچا دیا تھا۔ کاغذ اور چھاپہ سب سے پہلے انھیں نے ایجاد کیا۔ چینی کے برتن بھی انھیں نے بنائے۔ ریشم انھیں نے پیدا کیا۔ چائے کا استعمال بھی پہلے پہل چین ہی میں ہوا۔ چین سے چائے دوسرے ملکوں میں پہنچی۔ بارود کی ایجاد کا سہرا بھی انھیں کے سر ہے

آریائی اقوام

آریا وسط ایشیا میں بحیرۂ قزوین کے مشرقی کناروں کے آس پاس رہتے تھے۔ ان کی زندگی اس وقت بدویت اور خانہ بدوشی کی تھی۔ جانور پالتے تھے اور انھیں پر گزر کرتے تھے۔ یکایک نامعلوم اسباب کی بنا پر ان میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر قافلوں کی شکل میں ہر طرف نکل پڑے۔ کچھ قافلے یورپ کی طرف چلے گئے اور وہاں مختلف ملکوں میں آباد ہو کر انھوں نے تہذیبوں کی بنیاد رکھی۔ کچھ افغانستان ہوتے ہوئے درۂ خیبر اور دوسرے راستوں سے ہندوستان میں داخل ہو گئے۔ کچھ ایران میں جا بسے، کچھ ایشیائے کوچک طرف نکل گئے۔ آریائی نسل کا سرسری سراغ بعض الفاظ سے مل سکتا ہے۔ مثلاً ماں کا لفظ دیکھو:-

پرتگالی، ہسپانوی اور اطالوی	مدرے	MADRF
یونانی	میٹر	METER
لاطینی	ماتر	MATER
ولندیزی	موئیڈر	MOEDER
ڈنمارک اور سویڈن	موڈر	MODER
انگریزی	مدر	MOTHER
روسی	مات	MAT
ایرانی	مادر	
سنسکرت	ماتا	

صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی لفظ ہے جس نے مختلف فضاؤں میں تلفظ کے ہلکے سے تغیر کے ساتھ مختلف شکلیں اختیار کیں۔ یہ لفظ یہی بتا رہا ہے کہ اسے مختلف شکلوں میں بولنے والے سب ایک برادری کے لوگ ہیں یعنی آریا۔

ہندوستانی آریاؤں کا ذکر ہم یہاں نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ ان کے حالات پاکستان و ہند کی تاریخ میں آچکے ہیں۔

ایران میں زرتشت کا ظہور

آریا جب اپنے اصلی وطن سے اٹھ کر مختلف ملکوں میں پھیلے تو وہ قدرت کے مظاہر کی پوجا کرتے تھے۔ پھر ان مظاہر میں سے سورج کو انھوں نے بہت اہمیت دے دی۔ زمین پر آگ کو سورج کا قائم مقام بنا لیا اور اس کی بھی پوجا کرنے لگے۔ یہی عقیدے لے کر وہ ایران پہنچے تھے۔ یہاں انھوں نے نیکی اور بدی کے دو الگ الگ خدا مان لیے تھے۔ پھر خدا کا ایک نیک بندہ زرتشت اٹھا جس نے ان غلط عقیدوں کا رد کیا اور سچے خدا کی پرستش سکھائی۔ اس نے

نے کہا کہ خدا ایک ہے جس کا نام اس نے "اہور موزدہ" رکھا۔ اور کہا وہ یگانہ ہے۔ پاک ہے، حکیم و قدیر ہے۔ وہی ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے، اس جیسا کوئی نہیں۔ زرتشت نے آخرت کی زندگی کا عقیدہ بھی پیدا کیا۔ فکر، قول اور عمل تینوں کو راستی پر زور دیا۔

میڈیا اور ہخامنشی

زرتشت سے پہلے میڈیا[۱] میں ہخامنشی خاندان کی حکومت بن چکی تھی، اس کا بانی کیقباد[۲] تھا پھر اس خاندان میں کیکاؤس[۳] بہت بڑا بادشاہ ہوا۔ جس کا سب سے بڑا جرنیل شاہنامے کا رستم تھا۔ کیکاؤس نے توران کے بادشاہ افراسیاب[۴] سے کئی لڑائیاں کیں۔ لیکن اس کے بیٹے سیاوش[۵] نے افراسیاب کی بیٹی سے شادی کر لی اور شاہنامے کے بیان کے مطابق بعض حاسدوں کی غلط بیانیوں کے باعث سیاوش، افراسیاب کے ہاتھ سے مارا گیا۔ قتل کے بعد اس کے گھر افراسیاب کی بیٹی سے ایک بچہ پیدا ہوا، جس نے جنگلوں میں بہ حالت گمنامی پرورش پائی۔ جوان ہونے پر اسے اپنے نسب کا حال معلوم ہوا تو وہ اپنی قوم کے پاس پہنچا۔ پیشانی پر اقبال بلندی کا ستارہ چمک رہا تھا۔ قوم نے تہ دل سے

---

[۱] میڈیا سے مراد مغربی ایران ہے، اس کے دو حصے تھے۔ ایک آذربائیجان دوسرا عراق عجم۔ ایکتبانہ اس کا پایۂ تخت تھا۔ بعد میں اس شہر کا نام ہمدان مشہور ہوا۔

[۲] یونانی کیقباد کو DEIOCES کہتے ہیں۔

[۳] یونانی CYAXARES

[۴] یونانی ASTYAGES

[۵] یونانی CAMBYSES

اس کا خیر مقدم کیا اور باپ دادا کا تخت و تاج اس کے حوالے کر دیا۔ یہ کیکاؤس کا پوتا اور افراسیاب کا نواسا خسرو تھا جسے یونانی سائرس اور عبرانی خورس کہتے تھے۔ تازہ تحقیقات کے مطابق یہی خسرو یا خورس یا سائرس قرآن مجید کا "ذوالقرنین" تھا، جس کا ذکر سورہ کہف میں آیا ہے۔

خسرو کی بادشاہی

ہخامنشی بادشاہوں کا خاندانی لقب "کے" تھا اس وجہ سے انھیں کیانی بھی کہتے ہیں۔ مثلاً کے قباد، کے کاؤس، کے خسرو۔ خسرو ہی نے بابل کو فتح کیا۔ پھر اس کی تین مہمیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن کے اشارے قرآن مجید میں بھی ملتے ہیں۔ ایک مغربی سمت میں یعنی ایشیائے کوچک کی تسخیر، دوسری مشرقی سمت میں اور اس کی سلطنت کی حدیں ہندوستان تک پہنچ گئیں۔ تیسری مہم شمالی سمت میں ان وحشی قبیلوں کے خلاف تھی جو آئے دن کوہ قاف کے درۂ داریال سے خسرو کی سلطنت پر حملے کرتے اور امن پسند شہریوں کو لوٹتے رہتے تھے۔ درۂ داریال ہی میں خسرو نے وہ سد تعمیر کی تھی جو "سدِ ذوالقرنین" کے نام سے مشہور ہوئی۔ چونکہ بعض مفسروں نے اسکندر یونانی کو بلاتحقیق ذوالقرنین مان لیا تھا اس لیے اس کا نام سدِ اسکندری مشہور ہو گیا۔ پرانی دنیا میں پہلی منظم شاہنشاہی خسرو ہی نے پیدا کی۔ وہ چونکہ دین زرتشت کا پیرو تھا اس لیے بڑا نیک دل اور حق شناس حکمران تھا۔ رعایا اس کے ماتحت امن و خوشحالی کی زندگی بسر کرتی رہی۔ خسرو ہی نے یہودیوں کو فتح بابل کے بعد اسیری کی مصیبتوں سے نجات دلائی اور اجازت دے دی کہ اپنے وطن واپس چلے جائیں اور ہیکل نئے سرے سے تعمیر کر لیں۔

خسرو کے انجام کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ بیمار ہو کر فوت ہوا، بعض کا بیان ہے کہ ایک لڑائی میں مارا گیا بعض کی رائے ہے کہ آخری عمر میں تاج و تخت سے بردار ہو کر ایک غیر معلوم مقام پر جا بیٹھا تھا اور وہیں عبادت کرتے کرتے وفات پائی۔ اس کا مقبرہ اب تک ایران میں موجود ہے۔

خسرو کے جانشین

خسرو کی وفات پر اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ جس نے مصر کو بھی فتح کیا۔ وہ دیوانہ ہو کر مرا۔ پھر ہخامنشی خاندان میں سے گشتاسپ بادشاہ بنا جسے دارا گشتاسپ کہتے ہیں۔ وہ بھی دین زرتشت کا سرگرم حامی اور بڑا بلند پایہ بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کی حدیں مشرق میں دریائے سندھ تک پہنچا دیں۔ اس کے بعد ایرانیوں کی لڑائیاں یونان کے ساتھ شروع ہو گئیں جو کم و بیش دو سو برس تک جاری رہیں اور ایرانی فوجیں کئی مرتبہ یونان پہنچیں۔ انھیں لڑائیوں کے سلسلے میں اسکندر کے باپ فیلقوس نے ایک فوج تیار کر کے ایران پر حملے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ مارا گیا تو اس کا بیٹا اسکندر اسی فوج کو لے کر ایشیا پہنچا اور اس نے ہخامنشی خاندان کے آخری بادشاہ دارا سوم کو دو لڑائیوں میں شکست دے کر ایرانی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ پھر ہندوستان پہنچا۔ واپس جا کر بابل میں فوت ہوا۔

یونانی اور اشکانی

اسکندر کی وفات پر اس کی سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے۔ ایران و شام میں اسکندر کے جرنیل سلیوکس نے مستقل بادشاہی قائم کر لی اور نئے خاندان حکومت کی بنیاد رکھی۔ پھر باختر (بلخ) اور پارتھیا (ایران کا شمالی و مشرقی حصہ) میں دو نئی بادشاہتیں قائم ہو گئیں۔ پارتھیا کے بادشاہوں کو ایران والے اشکانی بادشاہ

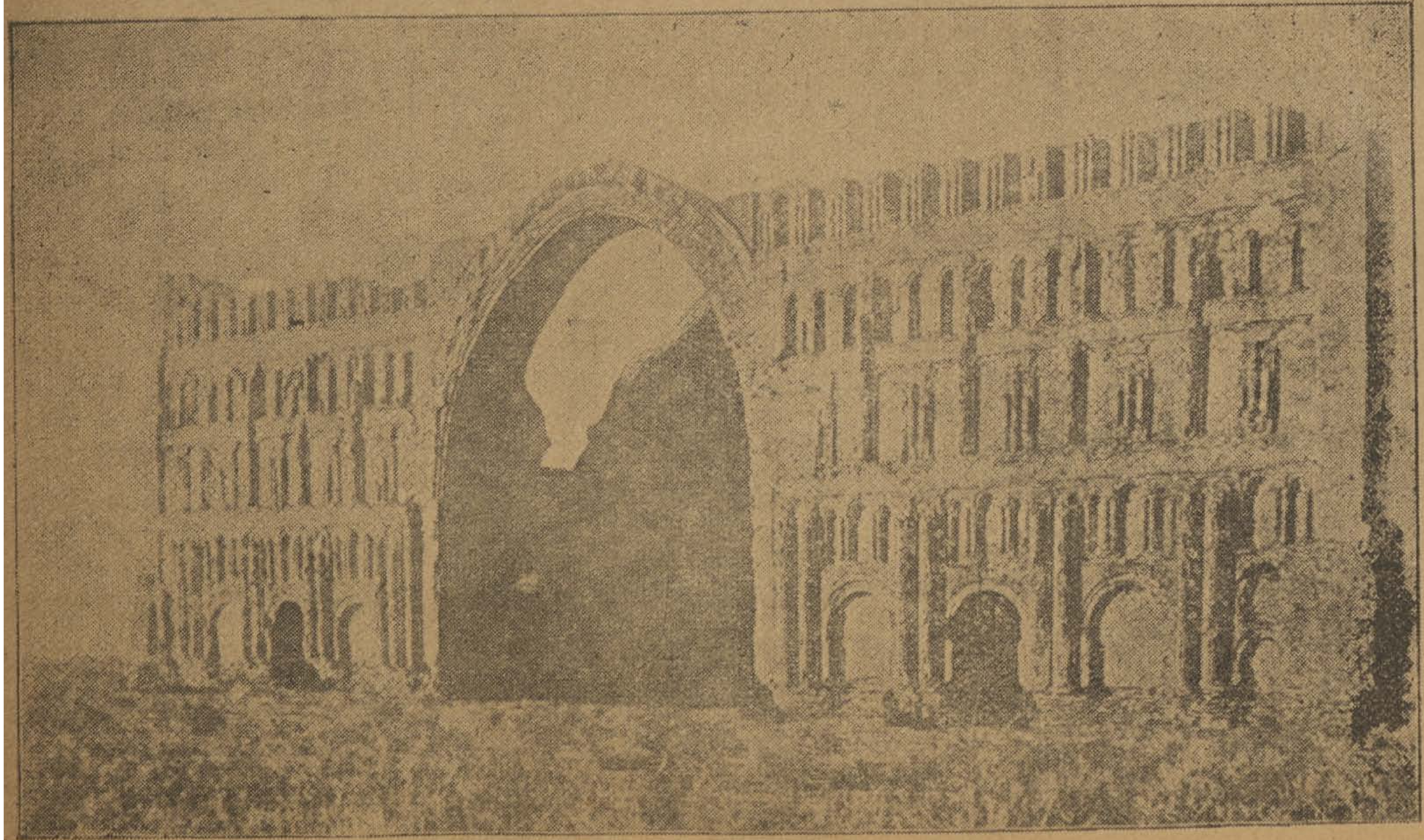
کہتے ہیں۔ یہ ایران کے خاصے بڑے حصّے پر قابض ہو گئے تھے لیکن ایرانی انھیں اجنبی سمجھتے تھے، اس لیئے دل سے ان کے مطیع نہ بنے اور موقع کی تلاش میں بیٹھے رہے۔

ساسانی سلطنت

آخر اردشیر بابکاں[۵] نے قومی جھنڈا بلند کیا اور تمام ایرانی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ ہخامنشی نسل سے ہونے کا دعوے دار تھا۔ اس لیے سب ایرانی دل سے اس کے حامی تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس نے اشکانیوں کے اقتدار کا طلسم توڑ دیا اور ایک نئی قومی سلطنت کی بنیاد رکھ دی جو تاریخ میں ساسانی سلطنت کہلاتی ہے۔ اس خاندان کا مشہور ترین بادشاہ خسرو اوّل تھا جس نے نوشیرواں کے لقب سے شہرت پائی۔ اسی کے عہد میں رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اس دُنیا میں تشریف لائے۔ اسی خاندان سے خسرو دوم یا خسرو پرویز تھا، جس کی ایک ملکہ کا نام شیریں تھا۔ شیریں فرہاد اور خسرو کا نام فارسی اور اُردو ادب میں بار بار آیا ہے۔ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دوسرے بادشاہوں اور فرماں رواؤں کے علاوہ خسرو پرویز کے نام بھی ایک نامہ مبارک بھیجا تھا، جس میں اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ خسرو نے غصّے میں نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا۔ رسولِ خدا صلعم نے یہ سُنا تو فرمایا کہ اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ چنانچہ خسرو کی زندگی ہی میں اس پیشگوئی کا ظہور ہوا۔ اس کی لڑائیاں رومیوں سے شروع ہو گئی تھیں۔ ان میں پہلے خسرو کا پلّہ بھاری رہا اور وہ بڑے علاقے پر قابض ہو گیا۔ پھر شکستیں کھائیں اور حالت اتنی ابتر ہو گئی کہ خود بیٹے نے اسے تخت سے اُتار کر قتل کرا دیا۔

---

۵ یونانی ARTAXERXES



طاق کسرے (عراق)

ساسانیوں کا انجام خسرو کے قتل کے بعد ایرانی سلطنت میں عام ابتری پھیل گئی۔ یکے بعد دیگرے کئی بادشاہ بنے لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد یا تو قتل ہو گئے یا تخت سے اتار دیے گئے۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ یزدگرد تھا جس نے عرب مسلمانوں سے لڑائی چھیڑ لی اور عربوں کو ایران پر حملہ کرنا پڑا۔ قادسیہ اور نہاوند میں معرکے کی لڑائیاں ہوئیں، دونوں لڑائیوں میں ایرانیوں نے فاش شکست کھائی۔ یزدگرد تخت گاہ کو چھوڑ کر پناہ لینے کے لیے ترکستان کی طرف بھاگا۔ وہ ایک مقام پر ایک گمنام آدمی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ساسانی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور ایران ہمیشہ کے لیے اسلام کے جھنڈے تلے آگیا۔

چھٹا باب

یونانی عظمت کا دور

یونانیوں کا عروج ہم بتا چکے ہیں کہ تہذیب کا پہلا مرکز مصر میں بنا، دوسرا عراق میں۔ پھر فلسطین اور شام میں تہذیب کی روشنی پھیلی۔ اس کے ساتھ ساتھ وادی سندھ، بلکہ پورے پنجاب، چین اور ایران میں اس کی کرنیں جلوہ گر ہوئیں۔ شام سے یہ روشنی ایشیائے کوچک اور آس پاس کے جزیروں میں ہوتی ہوئی یونان پہنچ گئی۔ یورپ کی تاریکی میں تہذیب کا پہلا چراغ یونان ہی نے روشن کیا۔ یہ اگرچہ چھوٹا سا خطہ تھا، اتنا چھوٹا کہ بعد کی تاریخ میں اسے کبھی توجہ کے قابل نہ سمجھا گیا، لیکن زمانۂ قدیم میں اس نے

تہذیب اور علوم و فنون میں جو مقام حاصل کیا، پھر جو عالمگیر شہرت پائی اس کی نظیریں دُنیا کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔ طب میں بقراط و جالینوس، الہیات اور فلسفے میں افلاطون و ارسطو، نیکی اور حسنِ اخلاق میں سقراط، قانون میں سولن اور سپہ گری میں اسکندر کو جو ناموری ملی، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یونان کے ان لوگوں کے نام دُنیا کے بچے بچے کی زبان پر ہیں۔

شہری ریاستیں

یونان کی عظمت کا ایک پہلو بڑا ہی عجیب ہے، یہ چھوٹا سا ملک تھا اور متحد نہ تھا بلکہ اس میں کئی الگ الگ شہری ریاستیں بن گئی تھیں۔ وہ بعض اوقات بیرونی دشمنوں کے مقابلے میں باہم مل جاتی تھیں۔ جب کوئی خطرہ نہیں رہتا تھا تو آپس میں لڑنے لگتی تھیں۔ پھر مختلف حصّوں کے باشندوں کی رسمیں، رِیتیں اور رہنے سہنے کے طریقے ایک جیسے نہ تھے۔ ان کمزوریوں اور تفرقوں کے باوجود یونان نے وہ عظمت حاصل کی جو عام حالات میں کسی بڑے اور متحدہ ملک کو بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

ان تمام ریاستوں کے عجیب و غریب نام ہم یہاں درج نہیں کریں گے۔ صرف تین مشہور ریاستوں کا ذکر کر دینا کافی ہے:
اوّل پیلو پونیسس[۵] جو انتہائے جنوب میں تھی۔ کارنتھ اسی میں واقع ہے۔ سپارٹا بھی اسی کا ایک حصّہ تھا۔ دوم ایتھنز (اثینہ) سوم مقدونیہ

یونان کا طرزِ حکومت اور معاشرت

یونانیوں کا طرزِ حکومت عام طور پر جمہوری رہا، اگرچہ بعض اوقات مختلف ریاستوں میں طاقتور لوگوں نے بادشاہی کا رنگ

۵ PELOPONNESUS

بھی پیدا کر لیا تھا معاشرت میں یکسانی نہ تھی۔ بعض لوگوں کو کھیتی باڑی کا شغل پسند تھا اور وہ بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بعض مقامات نے تجارت کے ذریعہ سے خوب دولت جمع کرلی۔ اور وہاں کے لوگ تکلفات کی زندگی بسر کرنے لگے۔ سپارٹا والوں نے جنگ و پیکار میں امتیاز کا درجہ حاصل کرلیا اور طرزِ معاشرت بہت سادہ رکھا۔ ان کی یہ خصوصیت خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ اپنے کسی شہر کے گرد فصیل نہیں بناتے تھے اور نہ حفاظت کا کوئی انتظام پسند کرتے تھے۔ ان کی رائے تھی کہ حفاظت کے انتظامات کر لینے سے شہریوں میں مردانگی کا جوہر باقی نہیں رہے گا۔ زندہ اور غیرت مند قوم کی شان یہ ہے کہ اس کے تمام لوگ صرف اپنی قوت بازو پر بھروسا کریں، دشمن کا حملہ ہو تو بہادری کی شان دکھا کر اسے شکست دیں۔

مذہبی عقیدے اور تیوہار

یونانیوں نے مذہبی عقیدے مصر اور ایشیا سے حاصل کیے یعنی وہ مظاہر قدرت کی پرستش کرتے تھے۔ لیکن انھوں نے تمام مذہبی عقیدوں کو اپنی طبیعت کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ وہ کئی دیوتاؤں کو مانتے تھے۔ ان کے نہایت خوبصورت بت تراشے اور رکھنے کے لیے عالی شان مندر بنائے۔

بعض قومی تیوہار بھی مقرر کر لیے تھے۔ جن میں پورے یونان کے لوگ جمع ہوتے۔ ان میں کھیل اور کرتب بھی دکھائے جاتے۔ اولمپک کھیلوں کا آغاز یونانیوں ہی سے ہوا۔ ان کھیلوں میں جو لوگ امتیاز کا درجہ حاصل کرتے تھے، ان کو بڑی عزت دی جاتی تھی۔ شاعر ان کی مدح میں قصیدے لکھتے اور وہ قومی ہیرو مانے جاتے۔

عام طور پر یونانیوں کا طریق معاشرت سادہ تھا لیکن وہ لوگ شراب بہت پیتے تھے۔ پانی کو پینے کی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ صرف نہانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ہر خاندان کے غلام یا خاندانی نوکر چاکر ہوتے تھے۔

ایرانیوں سے جنگیں

یونانیوں نے تجارت فونیقیہ والوں سے سیکھی تھی۔ پھر انھوں نے آہستہ آہستہ فونیقیہ کی منڈیوں پر قبضہ کر لیا، اس طرح دونوں میں رقابت پیدا ہو گئی۔ جب ایرانی ایشائے کوچک پر قابض ہوئے تو ایشیائے کوچک کے ساحل پر یونانیوں کی جو نوآبادیاں تھیں ان سے بھی خراج مانگا۔ یونانیوں نے خراج دینے سے انکار کر دیا، اس طرح ایرانیوں اور یونانیوں میں لڑائیاں شروع ہوگئیں جو بڑی دیر تک جاری رہیں، یہاں تک کہ اسکندر نے ایرانی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

ایران والے یونان پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کے پاس جہاز نہ تھے۔ فونیقیہ والوں نے جہازوں کا بندوبست کر دیا۔ سنہ ۴۹۲ ق۔م میں ایرانی بادشاہ بھاری فوج لے کر یونان پر حملہ آور ہوا۔ میراتھان[۱] پر یونانیوں نے شکست کھائی۔ لیکن ایرانیوں کو یونانی ساحل پر اترنے کا موقع نہ مل سکا۔ آٹھ برس بعد دوسرا حملہ ہوا۔ اس میں پہلی بڑی لڑائی تھرماپلی کے تنگ درّے میں ہوئی جہاں سپارٹا کے سپہ سالار لیونی داس[۲] نے اپنے چند ساتھیوں کو لے کر پوری ایرانی فوج کو روک دیا۔ ایک یونانی نے غداری کی۔ ایرانی فوج کو اوپر کے پہاڑی راستے سے نکال کر لیونی داس

---

[۱] MARATHON [۲] LEONIDAS

کے پیچھے لے گیا۔ لیونی داس اپنے ساتھیوں سمیت مارا گیا اور ایرانیوں نے آگے بڑھ کر ایتھنز کو جلا دیا۔ یونانی اِدھر اُدھر بھاگ گئے لیکن انھوں نے مقابلہ نہ چھوڑا اور سلامس[5] کی بحری جنگ میں ایرانی بیڑے کے تین چوتھائی جہاز تباہ کر ڈالے۔ پھر اور لڑائیاں ہوئیں۔ آخر ایرانیوں کو میدان چھوڑ کر ناکام واپس جانا پڑا۔

آپس کی لڑائیاں

اس کے بعد سپارٹا اور ایتھنز میں باہم لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ جو بڑی دیر تک جاری رہیں۔ یہاں تک کہ مقدونیہ کی قسمت کا ستارا چمکا۔ وہاں کے بادشاہ فیلقوس کو اس بات پر سخت غصّہ آیا کہ یونان کی دو بڑی ریاستیں اپنی قوت کو بیکار کشمکش میں ضائع کر رہی ہیں۔ اس نے آہستہ آہستہ پورے یونان پر قبضہ جما لیا، پھر سب لوگوں سے کہا کہ میرے لیے فوج اور سرو سامان کا بندوبست کرو تاکہ ایران جاؤں اور وہاں کے لوگوں سے ایتھنز کو جلانے کا بدلہ لوں۔

ممکن ہے فیلقوس کے دل میں واقعی بدلے کی خواہش موجود ہو، لیکن یونانیوں کو متحد رکھنے اور اپنی سلطنت کی بنیادیں مضبوط بنا لینے کی بھی یہ ایک عمدہ تدبیر تھی۔ ایرانیوں کے خلاف یونانیوں کے دل میں نفرت کی آگ موجود تھی۔ فیلقوس نے اس آگ کو ہوا دے کر بھڑکا دیا اور اس طرح خود یونان کا قومی ہیرو بن گیا۔ فوج تیار ہو گئی لیکن ابھی فیلقوس روانہ نہیں ہوا تھا کہ اچانک مارا گیا اور ایران سے بدلہ لینے کا کام اس کے فرزند اور جانشین اسکندر کے حوالے ہوا جو قدیم دنیا کا مشہور ترین سپہ سالار اور فاتح ثابت ہوا۔

[5] SALAMIS

اسکندر کی فتوحات اور وفات

اسکندر نے پہلے ملک کا انتظام درست کیا پھر ایشیا پہنچ گیا۔ ایشیائے کوچک اور شام کے ساحلی علاقوں کو فتح کرتا ہوا مصر گیا۔ وہاں سے ایران کی طرف پلٹا۔ عراق میں نینوا کے قریب اربیلا کے مقام پر ایرانیوں کو خوفناک شکست دی، ایران کا بادشاہ دارا سوم بھاگا اور درباریوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسکندر ایران کے تخت و تاج کا مالک بن گیا۔ اس نے ایتھنز کو جلانے کے بدلے میں ایرانیوں کے پایۂ تخت کو آگ لگادی اور جلا کر خاکستر بنا دیا۔

پھر وہ ترکستان اور بلخ کو فتح کرتا ہوا، ہندوستان میں داخل ہوا۔ پنجاب کا شمالی و مغربی اور وسطی حصہ اس کے قبضے میں آگیا۔ دریائے بیاس پر پہنچ کر اس کی فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ وہ واپس ہوا۔ سندھ، مکران اور ایران ہوتا ہوا بابل پہنچا جسے وہ اپنی وسیع سلطنت کا پایۂ تخت بنانا چاہتا تھا۔ جون ۳۲۳ء ق م میں وہیں بیمار ہوا اور وفات پائی۔ صرف بتیس برس کی عمر تھی۔ وہ ساری دنیا کو یونانی تہذیب کے رنگ میں رنگ دینا چاہتا تھا۔ عمر نے وفا نہ کی۔ اس کی وفات پر سلطنت کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ یونان کی عظمت کا ستارہ بھی ڈوب گیا، اس کی جگہ روما نے لے لی، جس کے حالات آئندہ باب میں پڑھو گے۔

ساتواں باب

رومی سلطنت

روما اور کارتھیج یونان کے عروج کا ستارہ ڈوبنے لگا تو اس کے پڑوس میں ایک نئی قوت بروئے کار آگئی۔ یہ روما کی قوت تھی۔

کہتے ہیں کہ روما کی بنیاد ساتویں صدی قبل مسیح میں رکھی گئی تھی۔ یہ شہر دریائے ٹائبر کے کنارے آباد تھا اور دریا کے راستے سمندر تک پہنچنا آسان تھا۔ اس کا نظامِ حکومت جمہوری تھا۔

جب روما کی تجارت نے فروغ پایا تو اس میں اور فونیقیوں کے مشہور تجارتی شہر کارتھیج (قرطاجنہ) میں رقابت پیدا ہوگئی جو روما کے سامنے ٹیونس میں واقع تھا۔ اس رقابت کی بنا پر دونوں میں لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ ان میں سے دوسری لڑائی زیادہ مشہور ہے جس میں کارتھیج کی فوجوں کا سپہ سالار ہینی بال تھا۔ وہ فوج لے کر ہسپانیہ اور فرانس ہوتا ہوا اٹلی پہنچا اور رومیوں کو خوفناک شکستیں دیں۔ صاف معلوم ہونے لگا کہ روما ہمیشہ کے لیے کارتھیج کا حلقہ بگوش بن جائے گا۔ لیکن ہینی بال کے پاس ضرورت کے مطابق کمک نہ پہنچی۔ اس کا بھائی فوج لے کر آیا لیکن راستے میں مارا گیا۔ ان حالات نے ہینی بال کو اٹلی سے باہر نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ رومی اس کے تعاقب میں افریقہ پہنچ گئے۔ آخری لڑائی میں ہینی بال نے شکست کھائی۔ کارتھیج نے ہتھیار ڈال دیے۔ رومیوں نے یہ شرط پیش کی کہ ہینی بال کو ہمارے حوالے

کر دو۔ ہینی بال نے یہ سُنا تو وطن چھوڑ کر بھاگا اور ۱۹۰ ق۔م میں زہر کھا کر فوت ہوا۔ اسکندر کے بعد قدیم دُنیا کا یہ دوسرا سپہ سالار تھا۔ اس واقعہ سے چالیس برس بعد رومیوں نے تیسری مرتبہ کارتھیج سے لڑائی چھیڑی اور اس شہر کو بالکل تباہ کر ڈالا۔

رومی سلطنت کی بنیاد

کارتھیج کی تباہی کے بعد رومیوں کے مقابلے کا حوصلہ کسی کو نہ رہا۔ وہ اپنے اقتدار کے دائرے کو بڑھانے لگے۔ یونان، ایشیائے کوچک، شام، مصر، ہسپانیہ وغیرہ ان کے قبضے میں آ گئے۔ بحیرہ روم رومی مقبوضات کے بیچ میں ایک جھیل بن گیا۔ رومیوں کا سب سے بڑا جرنیل جولئیس سیزر تھا۔ زیادہ تر فتوحات اسی کے ہاتھوں ہوئیں۔ رومیوں نے خوش ہو کر اسے دس برس کے لیے پوری سلطنت کا مختار بنا دیا۔ جمہوریت کی جگہ بادشاہی کی طرف یہ پہلا قدم تھا۔ جمہوریت پسندوں کی ایک جماعت نے جولئیس سیزر کو قتل کر دیا تاکہ ڈکٹیٹری اور مطلق العنانی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ لیکن اس کا نتیجہ اُلٹا نکلا۔

جولئیس سیزر کی جانشینی کے دعوے دار دو شخص تھے: ایک اینٹونی[۱] جو سیزر کے سکریٹری اور نائب کی حیثیت میں بہت شہرت حاصل کر چکا تھا، دوسرا سیزر کی بہن کا نواسا آکٹیویس[۲] جسے سیزر نے اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان بھی کشمکش پیدا ہو گئی۔ اینٹونی مصر کی مشہور ملکہ کلیوپیٹرا سے مل گیا جو مصر میں آخری یونانی حکمران تھی۔ اس نے آکٹیویس سے جنگ کی اور مارا گیا۔ آکٹیویس تنہا میدان میں رہ گیا۔ رومیوں نے اسے بادشاہ بنا لیا اور آگسٹس سیزر کا لقب دیا۔ اسی آگسٹس کے زمانے میں حضرت مسیح علیہ السلام فلسطین میں پیدا ہوئے۔

[۱] ANTONY [۲] OCTAVIUS

حضرت مسیح علیہ السلام

حضرت مسیح علیہ السلام کا اصل وطن ناصرہ تھا۔ انھیں عام طور پر مسیحؑ ناصری کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے پیرو نصرانی کہلائے۔

اس زمانے میں یہودیوں کے اخلاق بہت بگڑ چکے تھے۔ خدا نے حضرت مسیحؑ کو پیغمبری عطا کی۔ تیس برس کی عمر میں آپ شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ پھر پھر کر نیکی، خدا پرستی اور اصلاح اخلاق کے وعظ فرمانے لگے۔ طبیعت کے بڑے حلیم اور بردبار تھے۔ تعلیم میں بھی حلیمی اور بردباری کا رنگ غالب تھا۔ غریبوں سے بہت محبّت تھی، امیروں اور یہودی عالموں کے طور طریقوں پر نکتہ چینی کرتے۔ ان کی عیّاریوں کو کھول کر بیان فرماتے۔ اسی وجہ سے یہودی عالم اور امیر آپ کے دشمن بن گئے۔ لیکن خدا کے اس پاک نبی کو کسی غرض مند گروہ کی دشمنی کیا ڈرا سکتی تھی۔ آپ اپنے فرض کی بجا آوری میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ یہودیوں نے غلط الزام لگا کر انھیں گرفتار کرا دیا۔ ان کے انجام کے متعلق عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقیدے مختلف ہیں۔

عیسائیت کی اشاعت

حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے بڑی سرگرمی سے عیسائیت کی اشاعت شروع کردی۔ ان حواریوں میں سے پطرسؔ[1] اور پولوسؔ[2] بہت مشہور ہیں۔ انھوں نے دُور دُور تک سفر کیے، جہاں پہنچے، حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم پھیلائی اور عام روایت یہ ہے کہ دونوں یکے بعد دیگرے روما میں شہید کیے گئے۔

ابتدائی زمانے میں عیسائیوں پر ہر جگہ بڑی سختیاں ہوئیں لیکن وہ بڑے صبر و تحمل کے ساتھ ساری سختیاں برداشت کرتے رہے۔

---

[1] PETER
[2] PAUL

یہاں تک کہ روما کے بادشاہ قسطنطین نے عیسائیت قبول کرلی اور اسے سلطنت کا مذہب بنا دیا۔ اس وقت سے روما عیسائیت کا مرکز بن گیا۔

سلطنت کی تقسیم روما اگرچہ صدیوں تک سلطنت کا مرکز رہا تھا لیکن اس کی سیاسی حیثیت اچھی نہ رہی۔ وحشی قبیلوں کی ترکتازیں اس شہر پر شروع ہو گئی تھیں۔ شاہنشاہ قسطنطین کو پایۂ تخت کے لیے کسی دوسرے موزوں مرکز کی تلاش ہوئی۔ باسفورس کے کنارے بازنطیم ایک پرانا یونانی شہر تھا۔ قسطنطین نے اس کا نام قسطنطنیہ رکھا اور اسی کو مرکز بنا لیا۔ وہ فوت ہو تو اس کے دو بیٹوں نے سلطنت آپس میں بانٹ لی۔ ایک کا پایۂ تخت قسطنطنیہ رہا اور دوسرے کا روما۔ قسطنطنیہ کی سلطنت کو مشرقی رومی سلطنت کہتے تھے اور روما کی سلطنت کو مغربی رومی سلطنت۔

رومی سلطنت کا خاتمہ جب اسلام کا ظہور ہوا تو ہرقل مشرقی رومی سلطنت کا شاہنشاہ تھا۔ اسی نے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو شکستیں دے کر پیچھے ہٹایا تھا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کے پاس بھی اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا۔ لیکن شام کے غسانی حکمرانوں نے ہرقل کو ابھار کر مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ کر لیا۔ ہرقل نے پے در پے شکستیں کھائیں۔ شام، فلسطین اور مصر اس کے قبضے سے نکل گئے۔ پھر آہستہ آہستہ مسلمان سارے ایشیائے کوچک پر قابض ہو گئے۔ عثمانی ترکوں کا ظہور ہوا تو وہ ایشیائے کوچک سے یورپ پہنچے۔ ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح عثمانی نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے مشرقی رومی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور قسطنطنیہ پانچ صدیوں تک عثمانی سلطنت کا پایۂ تخت بنا رہا۔

آج کل اس کا نام استنبول ہے۔

تبصرہ اسلام سے پہلے کی تمام مشہور تہذیبوں کا سرسری تذکرہ رومیوں پر ختم ہو گیا۔ اب ان پر ایک نظر ڈال کر دیکھ لینا چاہیے کہ عام حالت کیا تھی؟ اس کے بغیر اندازہ نہیں ہو سکتا کہ اسلام سے پہلے دنیا کہاں بیٹھی تھی اور اسلام نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

مذہبی عقائد کے بارے میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ ہر تہذیب میں مظاہرِ قدرت کی پرستش کی جاتی تھی۔ مختلف مظاہر کے لیے الگ الگ دیوتا مان لیے گئے تھے۔ ان کے بُت بنا کر پوجا کی جاتی تھی۔ انسانی عقل پر وہموں کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جادو گری، جھاڑ پھونک، ٹوٹے ٹوٹکوں کا زور تھا۔ یونان نے علوم میں بہت ترقی کر لی۔ لیکن مذہبی عقائد میں اس کا درجہ بھی بہت پست رہا۔

صرف وہ لوگ اس عام بیماری سے بچے رہے، جنھوں نے خدا کے پاک نبیوں سے ہدایت کی توفیق پائی۔ ان نبیوں نے توحید اور خدا پرستی کی تعلیم دی۔ نیکی اور خیر کا راستہ دکھایا۔ اخلاق کی پاکیزگی پر زور دیا۔

غلامی اور عورتیں غلامی کا عام رواج تھا۔ غلاموں کے ساتھ عموماً نہایت بُرا برتاؤ ہوتا تھا۔ عورتوں کی دو مختلف حالتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ عورتوں کا درجہ اتنا پست رکھا گیا کہ گویا انسانی معاشرت میں ان کا کوئی مستقل حق تھا ہی نہیں۔ مثلاً بابل یا بعض دوسرے ملکوں میں۔ دوسری یہ کہ عورتیں اس درجہ مطلق العنان ہو گئیں کہ بعض نہایت نامناسب حرکتوں پر بھی

مرد انھیں لڑکتے ہوئے گھبراتے تھے۔ اس آخری حالت کا نقشہ ہمیں حضرت یوسفؑ کے عہد کے مصری تمدّن میں ملتا ہے۔ بالکل یہی حالت روما میں پیدا ہو گئی تھی۔ یہ دونوں حالتیں اعتدال سے ہٹی ہوئی تھیں۔ دونوں حق و انصاف اور اجتماعی زندگی کے صحیح اصول کے خلاف تھیں۔

اقتصادی نظام

اقتصادی نظام کی خرابیاں کسی شرح کی محتاج نہیں۔ ہر ملک کی دولت کے وسائل پر بادشاہوں کے بعد ان کے چند امیروں اور جاگیرداروں کا قبضہ تھا۔ عام لوگ کے ساتھ حیوانوں کا برتاؤ ہوتا تھا۔ روما کی سلطنت جب اوجِ کمال پر پہنچ گئی تو وہاں کھیلوں کا شوق پیدا ہوا۔ انسانوں کو درندوں سے لڑایا جاتا اور وہ اپنی جانوں پر کھیل کر شوقینوں کے لیے تھوڑی دیر کے واسطے دل لگی کا سامان فراہم کرتے۔ انسانی ہمدردی اور مساوات کو سب بھلا چکے تھے۔

انسانی زندگی

انسانی زندگی کو کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ لڑائیاں ہوتیں تو فتح مند قومیں مفتوحوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اُتار دیتیں۔ قتل و غارت میں بوڑھوں، عورتوں اور بچّوں کا بھی کچھ خیال نہ کیا جاتا۔ فصلیں جلا دی جاتیں۔ شہروں کو آگ لگا دی جاتی۔ باغ ویران کر دیے جاتے۔ ایرانیوں نے یونانیوں پر فتح پائی تو ایتھنز کو آگ لگا دی۔ اسکندر نے ایرانیوں کو شکست دی تو ان کے مایۂ ناز پایۂ تخت کو شعلوں کی جولاں گاہ بنا دیا۔ روما والوں نے کارتھیج کو فتح کیا تو شہر کو کھنڈر بنا دیا۔ باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ جو بچ رہے وہ غلام بنا کر بیچے گئے۔

نسلی اور قومی دشمنیاں

غرض دنیا میں نسلی اور قومی دشمنیوں

کا ہنگامہ گرم تھا۔ حضرت آدمؑ کی اولاد مختلف ٹکڑوں میں بٹ چکی تھی۔ ان میں باہم لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ اس اندھیرے میں خدا کی رحمت سے ہدایت کا آخری چراغ عرب میں روشن ہوا جس نے تمام انسانوں کو امن، سلامتی، آزادی، اخوت، مساوات اور حق شناسی کا راستہ دکھایا، سچی ہمدردی سکھائی اور اس دنیا کو بہشت کا نمونہ بنا دینے کا پورا سامان فراہم کر دیا۔ یہ اسلام کا پیغام تھا۔

آٹھواں باب

عرب اسلام سے پہلے

محلِ وقوع عرب ایشیا کے جنوب مغرب میں اس مقام پر واقع ہے، جہاں ایشیا اور افریقہ کی حدیں ملتی ہیں اور یورپ خشکی اور تری دونوں کے راستوں سے بہت قریب ہے۔ پرانی دنیا کے تین ہی براعظم تھے۔ ان تینوں میں اگر کوئی ایسا مرکزی مقام تلاش کیا جائے جہاں سے ہر براعظم میں جانا آنا اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا زیادہ سے زیادہ سہل ہو تو عرب کے سوا کسی دوسرے ملک پر نگاہ نہیں جمے گی۔ عرب کو دُنیا کے آخری اور کامل دین یعنی اسلام کا سرچشمہ بنانے کی ایک وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ اسے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

جغرافیائی حالات عرب کا خاصا بڑا حصّہ ریگستان ہے جہاں کوئی آبادی نہیں۔ جا بجا پہاڑ ہیں۔ سب

سے بڑا پہاڑی سلسلہ جبل السراۃ ہے۔ یہ جنوب میں یمن سے شروع ہو کر ایک سیدھی دیوار کی شکل میں شمال تک چلا گیا ہے اور اس نے پورے ملک کو طولاً دو حصّوں میں بانٹ دیا ہے۔ مشرقی حصّہ بہت چوڑا ہے۔ مغربی حصّے کی چوڑائی کم ہے۔

عراق کے دو دریاؤں (دجلہ اور فرات) کے سوا عرب میں بڑا دریا کوئی نہیں۔ کہیں کہیں چشمے ہیں۔ بارش ہو جائے تو نشیبی جگہوں میں پانی بہنے لگتا ہے۔ ملک کی آب و ہوا گرم خشک ہے۔ بارش کم ہوتی ہے۔ جہاں کھیتوں کی سیرابی کا تھوڑا بہت انتظام ہے۔ وہاں گیہوں، جَو، لوبیا وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ سبزیاں بھی بوئی جاتی ہیں۔ حیوانات میں سے اُونٹ، گھوڑا، گدھا، بھیڑ، بکری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

نظامِ زندگی

ملک کی آبادی دو حصّوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک حصّہ جسے "حضری" کہتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو شہروں اور بستیوں میں رہتے ہیں۔ ان کی تعداد کم ہے۔ بڑی آبادی "بدوی" کہلاتی ہے یعنی صحرائی اور خانہ بدوش لوگ۔ وہ ایک جگہ جم کر نہیں رہتے جہاں سبزہ اور پانی پاتے ہیں، خیمے لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جب ایک جگہ جانوروں کے لیے چارہ ختم ہو جاتا تو سامان اٹھا کر دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں۔

بدوی آبادی میں اس نظام نے فروغ پایا جسے ہم قبیلے کا نظام کہتے ہیں یعنی ایک دادا کی اولاد ایک قبیلہ بن گئی۔ ان میں سے جو شخص قابل اور سیانا ہوا اسی نے سرداری کا رتبہ حاصل کر لیا۔ عرب میں سردار کو "شیخ قبیلہ" کہتے ہیں۔ چونکہ کھیتی باڑی کم ہوتی ہے اس لیے لوگوں کا عام پیشہ تجارت ہے۔ بدو تجارت کا مال اپنے اونٹوں پر لاتے لے جاتے ہیں اور مزدوری پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ بھیڑ

بکریاں، گھوڑے اور اُونٹ پال کر فروخت کرتے ہیں۔

باشندے عرب اگرچہ سارے سامی نسل سے ہیں۔ لیکن مورّخوں نے انھیں تین طبقوں میں بانٹ دیا ہے: عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔

عرب بائدہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو بہت پہلے اس مُلک میں آباد تھے۔ بدعملیوں کی وجہ سے ان پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور مِٹ مٹا گئے۔ ان میں سے عاد اور ثمود وغیرہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔

عرب عاربہ کا مطلب ہے خالص عربی لوگ۔ یہ یمن سے نکل کر عرب کے مختلف حصّوں میں پھیلے۔ ان کے بڑے بزرگ کا نام قحطان تھا۔ اس لیے انھیں بنی قحطان یا قحطان کی اولاد بھی کہتے ہیں۔

عرب مستعربہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو کہتے ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ کے اخلاف میں سے عدنان نے بڑی شہرت پائی۔ اس لیے انھیں بنی عدنان بھی کہتے ہیں۔

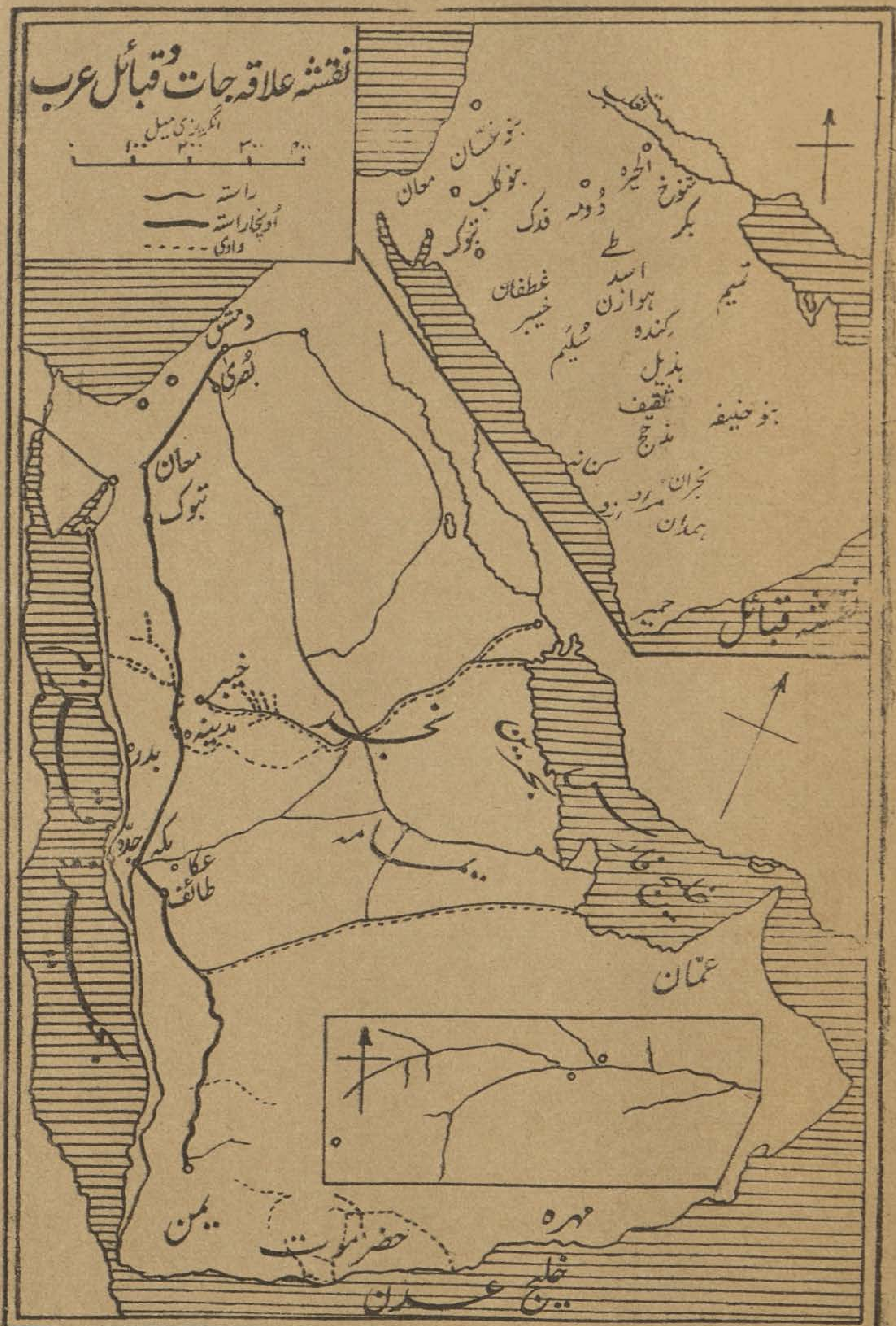
ظہور اسلام کے وقت یہی آخری دو طبقے موجود تھے یعنی عرب عاربہ یا بنی قحطان اور عرب مستعربہ یعنی اولادِ اسماعیلؑ۔

قدیم سلطنتیں اسلام سے پہلے سارا عرب کبھی ایک حکومت کے ماتحت متحد نہیں ہُوا تھا اور بعض حصّوں میں تو حکومتوں کا کوئی نشان ہی نہیں ملتا۔ مختلف حصّوں میں زمانہ قدیم میں جو حکومتیں قائم ہوئیں ان میں سے معین، سبا اور حمیر کی حکومتیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی متمدن تھیں۔ سبا کی حکومت نے کھیتی باڑی کے لیے بند باندھ کر پانی کے تالاب بنا لیے تھے جن سے نہریں نکال کر دُور دُور تک زمینوں

کو سیراب کیا جاتا تھا موجودہ نجد کے علاقے میں کندہ اور عراق میں بنو لخم نے حکومتیں قائم کرلی تھیں۔ بابل میں بھی عرب حکمران رہے۔ حمورابی عرب قبیلے ہی سے تھا۔ جب خسرو نے ایران میں عظیم الشان شاہنشاہی قائم کرلی تو ایران کے آس پاس کی عرب حکومتیں ایرانیوں کے زیر اثر آگئیں۔ شام میں غسانیوں نے بادشاہی قائم کرلی تھی۔ اور بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ ان سب پر آہستہ آہستہ رومی سلطنت کا اثر غالب آگیا۔ یمن ایک مرتبہ اہلِ حبش کے ماتحت آگیا تھا انھیں حبشی گورنروں میں سے ایک ابرہہ بھی تھا جس نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا۔ چونکہ اس کے لشکر کے ساتھ ہاتھی بھی تھے اس لیئے عرب اس لشکر کو اصحاب الفیل کے نام سے یاد کرتے ہیں یعنی ہاتھیوں والے لوگ۔

قدیم مذاہب عرب تجارتی ملک تھا اور اس میں کئی تجارتی شاہراہیں تھیں۔ مختلف ملکوں اور قوموں کے لوگ یہاں آتے جاتے تھے۔ اس وجہ سے دنیا کے اکثر مذاہب وہاں موجود تھے۔ مثلاً ستارہ پرست، بت پرست، یہودی، نصرانی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی برکت سے دین توحید بھی جاری ہوگیا تھا۔ اگرچہ لمبی مدت گزر جانے کے بعد لوگوں پر دوسرے اثرات غالب آگئے تھے اور حضرت ابراہیمؑ کے پاک دین کی شکل بہت بدل گئی تھی۔ تاہم ایک خدا کو پوجنے والے لوگ بھی پائے جاتے تھے۔ جنھیں "حنفا" کہتے تھے۔ یعنی دین حنیف ابراہیمیؑ کے پیرو۔ یہودیوں کی بڑی آبادیاں مدینے اور خیبر میں تھیں۔ نصرانیوں کا بڑا گروہ نجران میں رہتا تھا۔ بت پرستی عربوں میں شام سے آئی تھی۔

کعبہ مکرمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت اسماعیلؑ کو حجاز کی بے آب و گیاہ وادی میں آباد کیا تو وہاں



نقشہ علاقہ جات وقبائل عرب
انگریزی میل
راستہ
اونچا راستہ
وادی
دمشق
بصری
معان
تبوک
خیبر
مدینہ
بدر
جدہ
مکہ
عکاظ
طائف
نجد
یمن
حضر موت
مہرہ
خلیج عدن
عمان
نقشہ قبائل
تغلب
بنو غسان
معان
بنو کلب
تبوک
تنوخ
الحیرہ
بکر
دومہ
فدک
طے
تمیم
اسد
غطفان
ہوازن
خیبر
کندہ
سلیم
ہذیل
ثقیف
بنو حنیفہ
مذحج
کنانہ
نجران
مراد
ہمدان
حمیر

خدائے پاک کی عبادت کے لیے ایک گھر بنایا۔ یہ کعبہ مکرمہ تھا۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں خدا کی عبادت کے لیے پہلا گھر اسی جگہ بنا تھا۔ جسے حضرت ابراہیمؑ نے از سرِ نو آباد کیا اور حضرت اسمٰعیلؑ کو اس گھر کی نگرانی سونپی۔ سال میں ایک مرتبہ ہر حصّے سے لوگ اس گھر کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ اس تقریب کو حج کہتے ہیں۔ اگرچہ عربوں کے اخلاق و عقائد بگڑ چکے تھے ان کے طور طریقے بدل چکے تھے لیکن حج کی تقریب کو سب مقدس مانتے تھے۔ اس موقع پر خاص مدّت کے لیے لڑائی جھگڑے بند کر دیے جاتے تھے تاکہ سب لوگ کعبہ مکرمہ کی زیارت بے خلش کر سکیں۔ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے سارے عرب کا مرکز بنا ہوا تھا۔

قبیلہ قریش حضرت اسماعیلؑ کی شادی بنو جرہم کے قبیلے میں ہوئی تھی۔ ان کے بیٹے سے کعبے کی نگہبانی چھن کر بنو جرہم کے قبضے میں چلی گئی۔ پھر یمن سے قبیلہ خزاعہ اٹھ کر کعبہ کا نگران بن گیا اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد اِدھر اُدھر بکھر گئی۔ قبیلہ خزاعہ ہی کے زمانے میں بُت پرستی کا آغاز ہوا۔

حضرت اسماعیلؑ کے ایک فرزند قبیلہ قیدار کی اولاد میں سے فہر نام ایک شخص نے بڑی شہرت پائی، اس کا لقب قریش تھا اور اس کی ساری اولاد قریش کہلائی۔

قصیّ پانچویں صدی عیسوی میں قریش میں سے قصیّ نام ایک غیر معمولی شخص اٹھا۔ یہ بڑا عقل مند اور منتظم آدمی تھا۔ اس کی شادی قبیلہ خزاعہ کے رئیس کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اس رئیس نے کعبے کی نگہبانی کا منصب اپنی بیٹی یعنی قصیّ کی بیوی کے حوالے کر دیا۔ اور قصیّ نے اپنی بیوی کی طرف سے سارا انتظام اپنے ہاتھ

میں لے لیا۔ خزاعہ نے جب دیکھا کہ کعبے کی نگہبانی کے ساتھ ریاست بھی ہاتھ سے نکل جائے گی تو قصیّ سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سخت جنگ کے بعد فیصلہ ہوا کہ کسی کو ثالث بنا کر جھگڑا ختم کرالیا جائے۔ ثالث نے قصیّ کے حق میں فیصلہ کیا۔ اس طرح صدیوں کے بعد کعبے کی نگہبانی پھر اولادِ اسماعیلؑ کو ملی اور قصیّ نے اپنے تمام بھائی بندوں اور اہلِ قبیلہ کو جگہ جگہ سے بُلا کر کعبے کے آس پاس آباد کیا۔

تنظیم

قصیّ کے زمانے تک کعبے کے آس پاس کوئی مکان نہیں بنا تھا سب لوگ خیموں میں رہتے تھے۔ قصیّ نے عالیشان عمارتیں بنوائیں۔ اپنے لیے ایک محل تیار کرایا جس کا دروازہ کعبے کے صحن میں کھلتا تھا۔ پھر کعبے کی نگہبانی کے مختلف کام قریش کے مختلف خاندانوں کے حوالے کر دیے۔ اس طرح سب کو کعبہ مکرمہ کے ساتھ وابستہ کر دیا اور پورے قریش کے درمیان اتحاد کے رشتے پیدا کر دیے۔ نگہبانی کے بڑے بڑے کام یہ تھے:

(۱) سقایہ، یعنی حاجیوں کو پانی پلانا۔

(۲) رفادہ، یعنی غریب حاجیوں کی مالی امداد۔

(۳) حجابہ، یعنی کعبے کی کلید برداری۔

اس کے بعد قصیّ نے قومی تنظیم کی طرف توجہ کی اور قومی زندگی کے مختلف فرائض ایک ایک قبیلے کے ذمّے لگا دیے۔ مثلاً جنگوں کے موقع پر جھنڈا اٹھانے کا فرض یا فوجوں کی کمان کا فرض یا صلح کی غرض سے سفارت کا کام یا کیمپ وغیرہ کا انتظام۔ مختلف قبیلوں کے سرداروں کو خاص موقعوں پر باہم مشورے کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، اس غرض کے لیے کعبے کے پاس ایک مکان بنا دیا جسے دارالندوہ کہتے تھے۔

نواں باب
بنی ہاشم اور عرب

قریش کے ممتاز خاندان قریش میں کئی ممتاز خاندان تھے۔ مثلاً:

(۱) بنو تمیم : حضرت ابوبکرؓ کا قبیلہ۔

(۲) بنو عدی : حضرت عمرؓ کا قبیلہ۔

(۳) بنو مخزوم : خالدؓ بن ولید کا قبیلہ، ابوجہل بھی اسی قبیلے سے تھا۔

(۴) بنو زہرہ : رسول خدا صلعم کی والدہ مکرمہ کا قبیلہ، اسی قبیلے سے حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے۔

(۵) بنو اسد : ام المومنین حضرت خدیجہؓ اور حواری رسولؐ حضرت زبیرؓ کا قبیلہ۔

(۶) بنو امیہ : حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کا قبیلہ۔

لیکن عزت اور احترام میں بنو ہاشم سب سے بڑھ گئے۔

ہاشم ہاشم عبد مناف کے بیٹے اور قصیٰ کے پوتے تھے۔ کعبے کی نگہبانی میں سے حاجیوں کو پانی پلانے اور نادار حاجیوں کی امداد کرنے کا انتظام جب انھوں نے سنبھالا تو سارے کام اس خوبی، خوش اسلوبی اور دانشمندی کے ساتھ انجام دیے کہ عام لوگ ہاشم کے گن گانے لگے۔ ایک مرتبہ قحط پڑ گیا تو ہاشم نے دل کھول کر غریبوں کی امداد کی۔ روم و شام کے درباروں میں پہنچے تو قریش کے لیے تجارتی رعایتیں حاصل کیں۔ ان رعایتوں کی وجہ سے تجارت

خوب چمک اٹھی قریش سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام جاتے تھے۔ انھیں سفروں کو قرآن مجید میں رحلۃ الشتا (سردیوں کا سفر) اور رحلۃ الصیف (گرمیوں کا سفر) کہا گیا ہے۔

ہاشم ایک مرتبہ تجارت کے سلسلے میں شام گئے ہوئے تھے۔ راستے میں بیمار پڑے اور فلسطین کے شہر غزہ میں وفات پائی۔

عبدالمطلب

ہاشم کی وفات کے وقت ان کے چاروں لڑکے کم عمر تھے۔ اس لیے کعبے کی نگہبانی کے کام اور خاندان کے دوسرے انتظام ان کے بھائی "مطلب" نے سنبھال لیے۔ ہاشم نے ایک شادی یثرب میں کی تھی۔ اس سے ایک بچّہ پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ مطلب اپنے اس بھتیجے کو خود یثرب سے لائے اور محبّت سے پالا۔ مکّہ مکرمہ میں شیبہ "عبدالمطلب" مشہور ہوئے، جس کے لفظی معنی ہیں "مطلب کا غلام" لیکن سمجھنا چاہیے مطلب کا پالا ہوا۔ عبدالمطلب جوان ہوئے تو دانائی، نیکی اور حسن انتظام میں خاندان کا کوئی فرد ان کا ہمسر نہ تھا۔ وہی سارے کاموں کے کفیل بنے۔

زم زم کی تلاش

کعبہ مکرمہ کے ساتھ ایک کنواں زمزم حضرت اسماعیلؑ کے زمانے سے جاری تھا۔ بنوجرہم جب خزاعہ کے مقابلے میں شکست کھا کر نکلے تو جاتے جاتے اپنا مال واسباب اس کنوئیں میں ڈال کر اسے بند کر گئے اور یہ بالکل بے نشان ہو گیا۔ عبدالمطلب کی آرزو تھی کہ چاہ زمزم کا نشان مل جائے تو اسے نئے سرے سے جاری کر دیں۔ خدا کی رحمت سے انھیں نشان مل گیا اور انھوں نے زمزم کو صاف کر کے جاری کر دیا۔ اس سے ان کی نیک نامی اور شہرت کو چار چاند لگ گئے۔

خدا کی راہ میں قربانی کا عہد

عبدالمطلب نے ایک منّت یہ مانی تھی کہ جب ان کے دس لڑکے جوان ہو جائیں گے تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ ان کی یہ آرزو بھی پوری ہو گئی تو قرعہ ڈالا۔ اتفاق سے قرعہ ان کے نہایت پیارے بیٹے عبداللہ کے نام نکلا۔ اسے قربان کر دینے کا ارادہ تھا۔ لیکن قریش کے داناؤں نے مشورہ دیا کہ بچّے کے معاوضے میں دوسری قربانی دے دی جائے۔ چنانچہ عبداللہ کے بدلے میں سَو اونٹ قربان کیے

ابرہہ کا حملہ

عبدالمطلب کے عہد کا ایک بڑا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے حاکم ابرہہ نے مکّہ مکرمہ پر حملہ کیا۔ ابرہہ نے یمن میں ایک شاندار کلیسا تعمیر کیا تھا اور چاہتا تھا کہ عرب کعبہ مکرمہ کو چھوڑ کر اس کے بنائے ہوئے کلیسا کا حج کیا کریں۔ عرب اگرچہ ابراہیمؑ کے دین کو بھلا چکے تھے، لیکن کعبے کی عظمت کے سامنے دُنیا کی ہر چیز ان کی نگاہوں میں ہیچ تھی۔ ابرہہ نے سمجھا کہ کعبے کو (معاذاللہ) ڈھا دینے سے اس کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ بھاری لشکر لے کر آیا جس میں ہاتھی بھی تھے۔ مکّہ سے چند میل پر اُترا، وہیں اس کا سارا لشکر تباہ ہو گیا اور وہ نامُراد واپس گیا۔

ہمسایہ قومیں

عرب کی ہمسایہ قوموں میں سے یہ قابلِ ذکر ہیں: ایران کے ساسانی، شام، ایشیائے کوچک، مصر اور حبشہ کے عیسائی۔ ساسانیوں کا اقبال نوشیرواں کے عہد میں کمال عروج پر پہنچ چکا تھا۔ خسرو پرویز نے تخت پر بیٹھتے ہی رومیوں سے لڑائیاں چھیڑ دیں اور ابتدا میں شاندار فتوحات حاصل کیں۔ پھر شکستیں کھائیں اور اس کی حالت بہت ابتر ہو گئی۔ بیٹے نے اسے تخت سے اُتار کر قتل کرا دیا۔ خود بھی چند مہینے بعد

ختم ہوگیا۔ پھر آہستہ آہستہ ایرانی سلطنت کا شیرازہ بکھرتا گیا۔ تاہم وہ اسلام کے ظہور تک دنیا کی بہت بڑی قوت مانی جاتی تھی۔ ایرانیوں کی مذہبی، اخلاقی اور اقتصادی حالت سخت خراب تھی۔

رومیوں کی حالت ایرانیوں سے مختلف نہ تھی۔ مصر اگرچہ رومی سلطنت کا صوبہ تھا۔ لیکن خود مختار ہو چکا تھا۔ اس کے حاکم کو عرب مقوقس کہتے تھے۔ حبش میں نجاشی بادشاہ تھا جو بڑا نیک دل حکمران تھا۔ اس نے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔

عربوں کی اخلاقی حالت

عرب چونکہ عموماً آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے تھے، اس لیے شروع میں ان کے اندر وہ تمام اوصاف موجود تھے جو آزاد و خود مختار قوموں کا زیور ہوتے ہیں۔ مثلاً انھیں آزادی سے بڑی محبت تھی۔ بلا کے شجاع اور جوانمرد تھے۔ نام و ناموس کی حفاظت میں بے دریغ قربانیاں کرنے پر تُل جاتے تھے۔ فصیح اور زبان آور ایسے تھے کہ اپنے سوا سب کو عجمی یعنی گونگے کہتے تھے۔ سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو کچھ ہاتھ آتا، بے تکلف لٹا دیتے۔ مہمان نوازی میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ جانی دشمن بھی مہمان بن کر آ جاتا تو اسے آنکھوں پر جگہ دیتے۔ عہد کر لیتے تو اسے جان کے ساتھ نباہتے۔ لیکن یہ فضیلتیں آہستہ آہستہ نہایت افسوسناک برائیوں کی شکل اختیار کر گئی تھیں۔ آزادی کی محبت حد سے بڑھی تو وہ خودسری بن گئی۔ شجاعت نے اعتدال سے تجاوز کیا تو انھیں قتل و خونریزی کا عادی بنا دیا۔ بات بات پر تلواریں کھینچ لیتے اور لڑائی چھڑتی تو پشتوں تک نہ رُکتی۔ مال و دولت سے بے پروائی نے انھیں فضول خرچ بنا دیا۔ نسب پر گھمنڈ نے ان میں خود پسندی پیدا کر دی۔ پھر ان میں بہت سے معاشرتی

عیب پیدا ہو گئے۔ مثلاً شراب نوشی، قمار بازی اور بدکاری۔ یہودیوں کی صحبت نے انھیں سود خور بنا دیا۔ بعض لوگ خود پسندی کے جوش میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے لگے کہ یہ بڑی ہوں گی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا۔ قبیلے آپس میں لڑتے رہتے۔ بدامنی عام تھی۔ جان مال یا آبرو کا پاس و لحاظ مٹ چکا تھا۔ یہ حالت تھی جب خدا نے عرب کو رحمت عالم کے وجود پاک سے نوازا، اور جس قوم کو ساری دُنیا ذلیل سمجھتی تھی۔ چند ہی سال میں وہ اس رُتبے پر پہنچ گئی جو نہ اس سے پہلے کسی کو ملا تھا اور نہ بعد میں نصیب ہوا۔

دسواں باب

ظہور قدسی

رسولِ پاکؐ کے والدین

رسولِ پاکؐ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب جب قربانی سے بچے تو جوان ہو چکے تھے۔ باپ نے ان کی شادی قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن مناف کی صاحبزادی آمنہ سے کر دی۔ شادی کے تھوڑے ہی دن بعد عبداللہ کو ایک قافلے کے ساتھ شام جانا پڑا۔ واپسی میں وہ یثرب میں ٹھہر گئے جہاں ان کے والد کی ننھیال تھی۔ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یثرب میں وہ کھجوریں خریدنے کی غرض سے گئے تھے۔ بہرحال وہیں بیمار ہوئے اور وفات پائی۔ اس طرح بی بی آمنہ شادی سے چند ماہ بعد بیوہ ہو گئیں اور وہ وجود مبارک (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدائش سے پہلے ہی باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گیا جو پوری

انسانیت کے لیے ماں باپ سے ہزار درجے بڑھ کر رحمت اور شفقت کا سایہ بننے والا تھا۔ عبداللہ کا ترکہ صرف پانچ اونٹ، چند بکریاں اور ایک خادمہ (ام ایمن) تھی۔

ظہور قدسی

۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو اس پاک وجود نے دُنیا میں قدم رکھا جس کے لیے حضرت ابراہیمؑ ڈھائی ہزار برس پہلے دعا کر چکے تھے۔ وہ نور جلوہ گر ہو گیا جس کے ظہور کی خوشخبری حضرت عیسیٰؑ نے چھ سو برس پہلے سُنائی تھی۔ پیر کا دن تھا۔ صبح صادق کا وقت تھا۔ گویا یہ بھی قدرت کی طرف سے ایک اشارہ تھا کہ مایوسیوں اور نامرادیوں کی رات ختم ہوئی۔ گمراہی کے اندھیرے نے رختِ سفر باندھ لیا۔ ہدایت کا سورج نکلنے کا وقت آ پہنچا۔ اب اخلاق و ایمان کی بستیاں دوبارہ آباد ہوں گی۔ خدا سے ٹوٹے ہوئے رشتے نئے سرے سے جُڑ جائیں گے۔

عبدالمطلب نے پوتے کے پیدا ہونے کی خوشخبری سُنی تو گھر آئے اور بچے کو گود میں اٹھا کر کعبے میں لے گئے۔ "محمدؐ" نام رکھا جس کے معنی ہیں "وہ جس کی بہت تعریف کی گئی ہو"۔ اس نام کا زیادہ رواج نہ تھا۔ لوگوں نے جب پوچھا کہ یہ نام کیوں پسند کیا؟ عبدالمطلب نے جواب دیا، میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ بچہّ دُنیا بھر کی تعریف و ستایش کے لائق بنے۔ سبحان اللہ اس مبارک وجود کے سوا کون ہے جس کی تعریف و ستایش کے غلغلے سے دنیا کے گوشے گوشے میں گونج پیدا ہوئی اور جس کے پاک نام پر ہر آن اور ہر لحظہ فضا میں درود و سلام کی صدائیں لہریں مارتی رہتی ہیں۔

بچپن کا زمانہ

مکہ مکرمہ کے شریف گھرانوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شیر خوارگی کے زمانے میں شہر سے باہر

دیہاتی قبیلوں میں بھیج دیتے تھے۔ دیہات سے دودھ پلانے والی عورتیں آتیں اور بچوں کو لے جاتیں۔ اُن کو معقول معاوضے ملتے۔ رسولِ پاکؐ کو ہوازن قبیلے کی ایک خاتون حضرت حلیمہؓ سعدیہ لے گئیں اور بڑی محبّت سے پالا۔ بعض روایتوں کے مطابق آپؐ پانچ برس کی عمر تک حضرت حلیمہؓ ہی کے پاس رہے۔

جب چھ برس کے ہوئے تو بی بی آمنہ آپؐ کو اور خادمہ کو لے کر اپنے مرحوم شوہر کی قبر دیکھنے کے لیے یثرب گئیں۔ ایک مہینہ وہاں ٹھہریں۔ لوٹیں تو راستے میں ابوا کے مقام پر بیمار ہوئیں اور وہیں فوت ہو گئیں۔

پھر دادا نے آپؐ کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ ہر وقت ساتھ رکھتے دو برس کے بعد وہ بھی اس دُنیا سے رخصت ہو گئے اور آپؐ کے حقیقی چچا (عبداللہ کے ماں جائے بھائی) ابوطالب نے آپؐ کی پرورش اپنے ذمّہ لے لی اور اس محبّت سے پالا کہ عبداللہ بھی زندہ ہوتے تو اس سے زیادہ نہ کر سکتے۔

عہدِ جوانی

جب آپ جوان ہوئے تو چچا کے ساتھ تجارت کے سلسلے میں سفر کیے۔ طبیعت کی نیکی و پاکیزگی اور حسنِ اخلاق کا رنگ شروع ہی سے نرالا تھا۔ اگرچہ سارا وقت ان لوگوں میں گزرتا تھا جو سر سے پاؤں تک برائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ لیکن آپؐ کی زبان پر کبھی کوئی نامناسب بات نہ آئی۔ ہر ایک سے محبّت کرتے، ہر ایک کے ساتھ نرمی اور ملائمت سے پیش آتے۔ ایمانداری اور راست بازی کا یہ عالم تھا کہ مکّے والوں نے آپؐ کو الامین (ایماندار) اور الصادق (سچّا) کے لقب دے دیے تھے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپؐ کا طرزِ عمل کتنا بلند،

پاک اور دلوں میں گھر کر جانے والا تھا۔

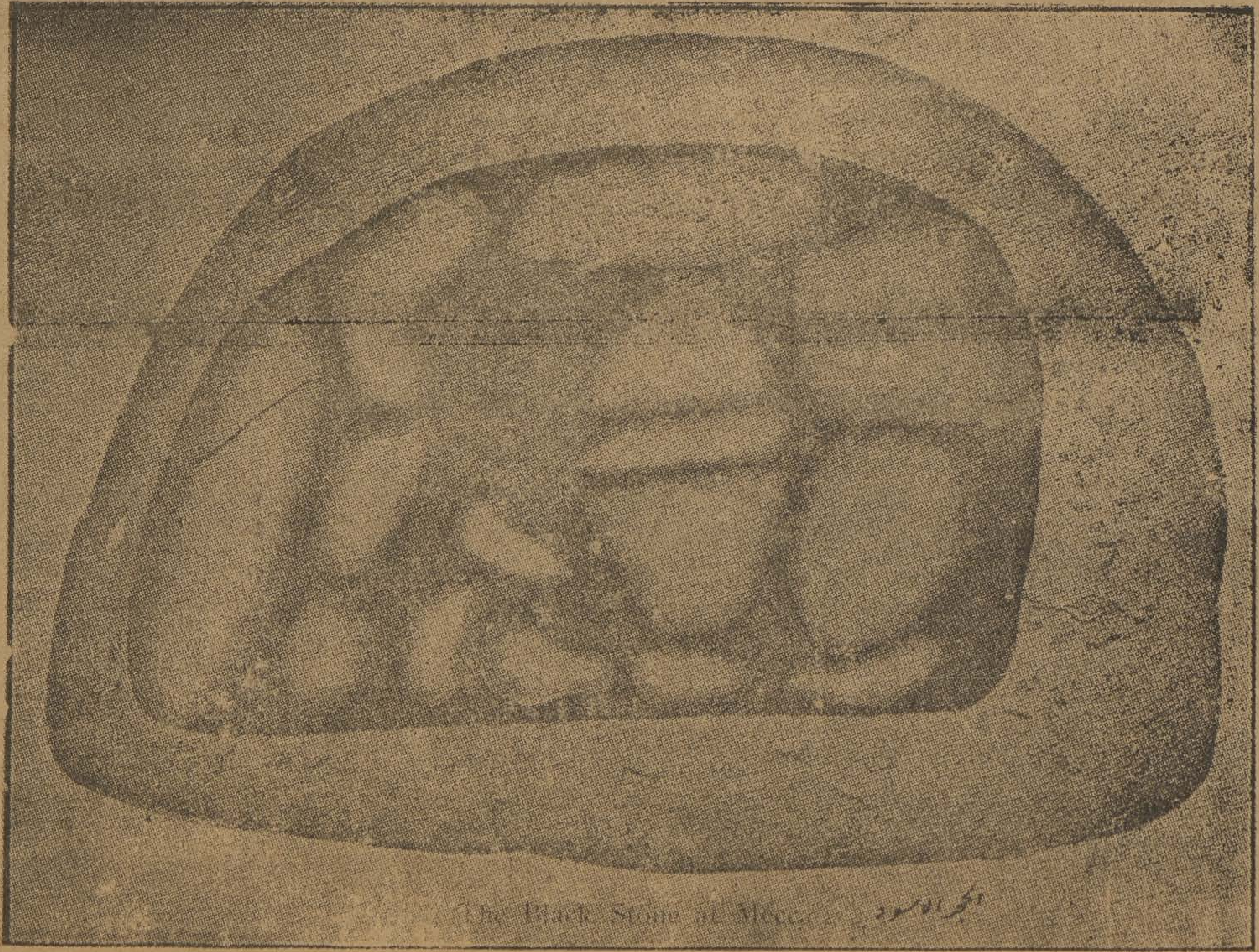
شادی پچیس برس کی عمر ہوئی تو مکّے کی ایک دولت مند خاتون حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو اپنی تجارت کا مختار بنالیا۔ آپؐ نے یہ کام اس خوبی سے انجام دیا کہ حضرت خدیجہؓ کو تجارت میں پہلے سے دُگنا نفع ہوا۔ جب انھیں آپؐ کی بلندیٔ اخلاق، ایمانداری اور سچائی کا ذاتی تجربہ ہوگیا تو خود اپنی ایک سہیلی کے ذریعہ سے نکاح کا پیغام دے دیا۔ اس کے بعد بھی آپؐ تجارت کے سلسلے میں عرب کے مختلف حصّوں میں تشریف لے جاتے رہے۔

مکّہ ہی نہیں پورا عرب مشرکانہ رسموں میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن آپؐ نے نبوت سے پہلے کے دَور میں بھی کبھی کوئی بات ایسی نہ کی جو توحید خالص اور دینِ برحق کے خلاف ہوتی۔ یہ فطرت کی پاکیزگی اور طہارت کا کرشمہ تھا۔

حلف الفضول اور تعمیرِ کعبہ اس زمانے کے دو واقعات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

اوّل حلف الفضول، دوم تعمیرِ کعبہ۔ عرب میں لوٹ مار کا دَور دورہ تھا۔ خصوصاً عاجزوں اور بیکسوں پر بہت ظلم ہوتے تھے۔ بعض نیک دل لوگوں کو خیال آیا کہ ظلم کو روکیں اور مظلوموں کی مدد کریں اس غرض سے انھوں نے باہم ایک عہد نامہ کیا۔ یہ تجویز جن لوگوں کی طرف سے پیش ہوئی تھی، ان کے ناموں میں "فضل" کا لفظ آتا تھا۔ فضل کی جمع فضول ہے۔ اس وجہ سے عہدنامے کا نام حلف الفضول مشہور ہوا۔ رسول پاکؐ بھی اس میں شریک تھے۔

رسول پاکؐ کی عمر مبارک پینتیس برس کی تھی۔ جب مکّے میں سیلاب آیا اور کعبے کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔ قریش نے



حجر اسود

کعبے کو نئے سرے سے تعمیر کیا۔ اس کے ایک کونے میں سیاہ پتھر لگا ہوا تھا جو کعبے کا طواف شروع کرنے کا نشان تھا۔ جب اسے لگانے کا وقت آیا تو مختلف قبیلے جھگڑنے لگے۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ پتھر اس کے ہاتھ سے لگے۔ آخر رسولِ پاک صلعم کو ثالث مانا گیا آپؐ نے ایک چادر بچھائی، پتھر اس پر رکھا۔ پھر سب قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ وہ چادر کو اوپر اٹھائیں۔ جب پتھر اپنی جگہ کے برابر پہنچا تو آپؐ نے اسے اٹھا کر دیوار میں لگا دیا۔ اس طرح نہ صرف جھگڑا مٹ گیا بلکہ سارے قبیلے خوش ہو گئے۔

گیارھواں باب

نبوت اور تبلیغ اسلام

رسالت رسول پاکؐ کی عمر مبارک چالیس کے قریب پہنچی تو ذکر و فکر اور عبادت کی طرف بہت مائل ہو گئے تھے۔ مکے سے ڈھائی تین میل پر راستے سے ہٹا ہوا ایک ٹیلا ہے جو آس پاس کے ٹیلوں سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ اس کا نام جبل حرا ہے۔ اس کی چوٹی پر دو بڑی سلوں کے مل جانے سے ایک خیمہ نما حجرہ بن گیا ہے، جس میں ایک آدمی کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس کا نام غار حرا ہے۔ رسول پاکؐ کو خلوت کے لیے یہ جگہ بہت پسند آئی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کھانے پینے کا کچھ سامان ساتھ لے جاتے اور دو دو تین تین دن اسی غار میں گزار دیتے۔ اسی مقام پر ۹۔ ربیع الاول (۱۲۔ فروری ۶۱۰ء) کو پیر کے دن فرشتۂ غیب ظاہر ہوا اور

یہ خوشخبری سُنائی کہ خدا نے آپؐ کو دنیا کی ہدایت کے لیے اپنا رسول بنایا ہے۔ اس وقت سے جبلِ حرا کا نام "جبلِ نور" پڑ گیا۔ اسی مقام پر ۱۷یا ۱۸ رمضان (مطابق ۱۷یا ۱۸ اگست ۶۱۰ء) کو جمعہ کے دن قرآن پاک کا نزول شروع ہوا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو وضو کرا کے نماز پڑھائی۔

دعوتِ اسلام

ابتدا میں تین برس تک آپؐ خفیہ خفیہ اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ یہ دعوت صرف انھیں خوش نصیبوں تک محدود تھی، جو پہلے ہی آپ سے گہری محبّت اور عقیدت رکھتے تھے۔ خواتین میں سے ام المومنین حضرت خدیجہؓ، مردوں میں سے حضرت ابوبکرؓ، غلاموں میں سے حضرت زیدؓ، جنھیں رسول پاکؐ نے آزاد کر دیا تھا۔ نوعمروں میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو سب سے پہلے حلقہ بگوش اسلام بننے کی سعادت ملی۔ اس زمانے کے باقی مسلمانوں میں سے مندرجہ ذیل حضرات قابلِ ذکر ہیں:- حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت خبابؓ، حضرت عمارؓ، حضرت سعیدؓ بن زید، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت صہیبؓ رومی اور حضرت ارقمؓ جن کا مکان اسلام کی پہلی درسگاہ بنا۔

قریش کا جوشِ مخالفت

تین برس کے بعد علانیہ دعوت شروع ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی قریش جوشِ مخالفت میں آپے سے باہر ہو گئے اور مکّہ معظمہ میں رسول پاک اور مسلمانوں پر مصیبتوں اور ایذا رسانیوں کے وہ سیل امڈے کہ ان کی یاد تازہ ہوتے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے



غار حرا

ہو جاتے ہیں، لیکن اس مخالفت کے باوجود اسلام پھیلتا رہا۔ اس زمانے میں زیادہ تر غلام اور غریب لوگ مسلمان ہوئے۔ قریش نے ان کو خوفناک ظلموں کا تختۂ مشق بنا دیا۔ حضرت عمارؓ کی بیوی کو ابوجہل نے نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ حضرت خباب کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا، حضرت بلالؓ کے گلے میں رسّی باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ کبھی انھیں چلچلاتی دھوپ میں لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتے، لیکن خدا پرستی کا نشہ ایسا نہ تھا جو جسمانی اذیتوں کی ترشی سے اُتر جاتا۔ نبوت کے پانچویں سال رسول پاکؐ نے اپنے ساتھیوں کو حبش چلے جانے کی اجازت دے دی۔ قریش نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا، شاہ حبش کے دربار میں وفد بھیجا اور مسلمانوں کو وہاں سے نکلوانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ شاہِ حبش نے قریش کی بات نہ مانی۔

ابوطالب کے پاس شکایت

قریش رسولِ پاکؐ کو تکلیفیں تو دیتے تھے۔ لیکن آپؐ پر ہاتھ ڈالنے کا کسی کو حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ اس لیے کہ بنو ہاشم کے انتقام سے ڈرتے تھے، جن کے سردار ابوطالب تھے۔ آخر قریشی سردار خود ابوطالب کے پاس شکایت لے کر پہنچے کہ اپنے بھتیجے کو روکیے یا ان کی سرپرستی چھوڑ دیجیے تاکہ ہم خود فیصلہ کر لیں۔ ابوطالب نے رسولؐ پاک کو سمجھانا چاہا۔ آپؐ نے فرمایا: قریش اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند لا کر رکھ دیں تو بھی میں اس فرض سے مُنہ نہ موڑوں گا۔ یہاں تک کہ خدا اسے پورا کر دے یا میری جان اسی راہ میں قربان ہو جائے۔ یہ عزم دیکھ کر ابوطالب بولے: جاؤ اپنا کام کیے جاؤ، میرے ہوتے کوئی تمھارا بال بھی

بیکا نہیں کر سکتا۔
اسی زمانے میں رسول پاکؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مسلمان ہوئے۔ نبوت کے ساتویں برس قریش کے سرداروں نے باہم عہد نامہ کر کے بنو ہاشم کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کر دیا۔ رسول پاکؐ، ابو طالب اور خاندان بنو ہاشم کے لوگ ایک گھاٹی میں تین برس تک محصور رہے۔

سفر طائف

محاصرے سے رہائی کی صورت پیدا ہوئی تو اسی سال رسول پاکؐ کو معراج ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ نے یکے بعد دیگرے وفات پائی۔ یہ دونوں ہستیاں سب سے بڑھ کر رسول پاکؐ کی غمخوار تھیں۔ ان صدموں کا اثر رسول پاکؐ پر اتنا زیادہ ہوا کہ اس سال کو آپؐ غم کا سال (عام الحزن) فرمایا کرتے تھے۔

مکّے والوں کے جوشِ مخالفت کو دیکھ کر آپ کی توجہ طائف کی طرف ہوئی جو مکّے کے مشرق میں حجاز کی دوسری بڑی بستی تھی. آپؐ اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ کو لے کر طائف پہنچے۔ وہاں کے سرداروں نے اوباشوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ ان بدبختوں نے آپؐ پر پتھر برسا برسا کر لہولہان کر دیا۔ آپؐ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ ظلم بھی آپؐ کے صبر و شکر کی چٹان کو ہلا نہ سکا۔ شفقت کا یہ عالم تھا کہ ان ظالموں کے لیے بھی زبانِ مبارک پر کوئی سخت کلمہ نہ آیا۔ ان کے لیے بھی بددعا نہ کی۔ فرمایا تو یہ فرمایا کہ امید ہے خدا ان کی پشت سے اپنے سچّے عبادت گزار پیدا کرے گا۔

رسول پاکؐ کا سفر طائف راہ حق میں استقامت اور مخالفوں کی خوفناک ایذا رسانیوں کے جواب میں صبر و شکر کا اتنا بلند مقام

پیش کرتا ہے کہ پورے عالم انسانیت کی تاریخ میں ایسا کوئی دوسرا واقعہ نہیں ملتا۔

عقبہ کی پہلی بیعت سفر طائف کے بعد آپ حج کے موقع پر منٰے پہنچے تو وہاں ایک گھاٹی (عقبہ) میں یثرب کے چھ آدمی ڈیرا ڈالے پڑے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ رسولؐ پاک نے انھیں خدا کا کلام سنایا، نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم دی۔ ان لوگوں نے واپس جاکر اپنے ہم قوموں تک بھی پیغام پہنچایا۔ اگلے سال، جو نبوت کا بارھواں سال تھا، بارہ آدمی یثرب سے حج کے موقع پر آئے اور پانچ باتوں پر آپؐ کی بیعت کی یعنی ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ چوری اور بدکاری سے بچے رہیں گے، اپنی لڑکیوں کو قتل نہیں کریں گے، کسی پر تہمت نہیں لگائیں گے اور ہر اچھی بات میں رسولؐ پاک کے فرمانبردار رہیں گے۔ اس بیعت کو عقبہ کی پہلی بیعت کہتے ہیں۔ جاتے ہوئے انھوں نے عرض کیا کہ دین کی باتیں سکھانے کے لیے کسی کو ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ رسولؐ پاک نے حضرت مصعبؓ بن عُمیرؓ کو یثرب کا پہلا داعی بنا کر بھیجا۔ ان کی تبلیغ سے سارے یثرب میں اسلام کا چرچا ہو گیا۔

عقبہ کی دوسری بیعت تیسرے سال یثرب سے تہتر آدمی حج کے موقع پر آئے اور درخواست کی کہ آپؐ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں۔ ان لوگوں نے جو بیعت کی، اسے عقبہ کی دوسری بیعت کہتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مکے کو چھوڑ کر یثرب جانے کا فیصلہ ہو گیا۔ اس واقعہ کو اسلام کی اصطلاح میں ہجرت کہتے ہیں۔ اہل

یثرب نے اقرار کیا کہ ہم رسولؐ پاک اور آپؐ کے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل وعیال کی طرح کریں گے اور اس حمایت میں جانیں لڑائیں گے۔ رسولؐ پاک نے فرمایا کہ میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔

بارھواں باب

ہجرت، مواخات اور معاہدے

مدینہ منورہ کی آبادی

جس مقام پر مدینہ منورہ آباد ہوا۔ یہ پہاڑوں کے درمیان ایک مستطیل میدان ہے اس میں پانی کا انتظام بہت اچھا ہے اس وجہ سے کھیتی باڑی بھی خوب ہوتی ہے، باغ بھی بہ کثرت ہیں۔ صرف کھجور ستر قسم کی ہوتی ہے۔ یہاں رسولؐ پاک کی ہجرت کے وقت کئی چھوٹی بڑی بستیاں تھیں۔ جن میں سے یثرب کی بستی بہت مشہور تھی۔ رسولؐ پاک مدینے پہنچے تو آپ نے جس مقام پر قیام فرمایا۔ اس کا نام مدینۃ النبیؐ (نبی کا شہر) پڑا۔ یہی نام کثرت استعمال سے مدینہ رہ گیا۔ ترکوں کے زمانے میں اس کی آبادی اسی ہزار تک پہنچ گئی تھی، بعد میں کم ہوگئی۔

باشندے

اس جگہ قحطانی عربوں کے دو بڑے قبیلے آباد تھے، ایک کا نام اوس تھا، دوسرے کا خزرج۔ ان کے علاوہ یہودیوں کے تین قبیلے وہاں رہتے تھے یعنی بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع۔ عرب کھیتی باڑی کرتے تھے، یہودی تاجر اور

صناع تھے۔ انھوں نے بڑی دولت جمع کرلی تھی۔ مہاجنی بھی کرتے تھے اور اپنی دولت مندی کی وجہ سے عربوں پر چھائے ہوئے تھے۔

ہجرت کا آغاز

رسولِ پاک نے عقبہ کی دوسری بیعت کے بعد اپنے ساتھیوں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ مکے کو چھوڑ کر مدینے چلے جائیں۔ چنانچہ وہ اکا دکا جانے لگے۔ قریش کو یہ خبر ملی تو دشمنی کے باعث روک ٹوک شروع کردی کسی کا سامان روک لیا اور کسی کا روپیہ چھین لیا۔ حضرت ابوسلمہؓ اپنی بیوی اور کمسن بچی کو لے کر نکلے تو ان کے خاندان والوں نے بچے کو چھین لیا۔ بیوی کو ان کے قبیلے والے لے گئے۔ اس طرح شوہر، بیوی اور بچہ تینوں الگ الگ ہو گئے۔ حضرت ابوسلمہؓ مدینے چلے گئے۔ بیوی ام سلمہؓ ایک برس تک بچے اور شوہر کی مفارقت میں روتی رہیں۔ پھر بچہ انھیں ملا اور مدینے جانے کی اجازت پائی۔

رسولِ پاک کی ہجرت

جب رسولِ پاک کے اکثر ساتھی چلے گئے تو قریش نے باہم مشورہ کرکے آپؐ کو شہید کردینے کی سازش کی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا جائے اور سارے قبیلوں کے نمائندے ایک دم تلواریں چلائیں تاکہ سب اس خونِ ناحق میں شریک سمجھے جائیں اور اس طرح کسی ایک سے بدلہ لینا مشکل ہو جائے۔ آپؐ نے روانگی کا فیصلہ فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ آپؐ کے پاس اہلِ مکہ کی امانتیں تھیں۔ وہ سب حضرت علیؓ کے حوالے کیں۔ انھیں اپنے بستر پر سلایا اور فرمایا کہ سب کی امانتیں واپس کرکے آنا۔ خود رات کو نکلے اور حضرت ابوبکر کو لے کر مکے کے جنوب

میں کوہ ثور پر پہنچے۔ وہاں ایک غار تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اندر جاکر اسے خوب صاف کیا۔ تمام سوراخ بند کر دیے۔ پھر آپؐ اندر پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو گئے۔

مدینے جانے کے راستے مکے کے شمال اور مغرب میں تھے۔ ان پر قریش نے پہرے بٹھا رکھے تھے۔ اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ آپؐ جنوب کی طرف نکلیں اور جب جستجو کا شور دب جائے تو چکر کھا کر مدینے کے راستے پر ہولیں۔

سفرِ مدینہ

غار ثور میں آپؐ تین روز ٹھہرے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کھانے پینے کا انتظام کر رکھا تھا اور ان کا آدمی روز روز کی خبریں بھی پہنچا جاتا تھا۔ ایک موقع پر قریش تلاش کرتے کرتے غار ثور کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بڑے پریشان ہوئے لیکن رسول پاک نے فرمایا: پریشانی کی کوئی وجہ نہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

چوتھے دن آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ غار سے نکلے اور وہ راستہ اختیار کیا جس سے بہت کم لوگ آتے جاتے تھے۔ اہل مدینہ کو آپؐ کی روانگی کی خبر مل چکی تھی۔ وہ روزانہ استقبال کے لیے باہر آتے اور مایوس ہو کر واپس جاتے۔ انھیں یہ خبر نہ تھی کہ آپؐ کو حالات کی مجبوری کے باعث تین دن غار ثور میں گزارنے پڑے۔ بہر حال آپؐ ۸۔ ربیع الاول (۲۰۔ ستمبر ۶۲۲ء) کو پیر کے دن قبا پہنچے، جو مدینے سے تین میل جنوب میں تھا۔ چار دن وہاں گزارے اور جمعہ کے دن مدینہ منورہ میں داخلہ ہوا۔

مسجد کی تعمیر اور مواخات

مدینے میں آپؐ حضرت ابوایوبؓ کے گھر مہمان ہوئے۔ سب سے پہلے



غار ثور

مسجد تعمیر فرمائی۔ اس کے ساتھ ازواج کے لیے حجرے بنوائے۔
اس وقت سے مدینے میں دو نئے نام رائج ہوئے۔ جو لوگ باہر سے آئے تھے وہ "مہاجرین" کہلائے، یعنی وطن کو چھوڑ کر آنے والے لوگ۔ جو لوگ مدینے کے تھے۔ ان کا نام انصار مشہور ہوا یعنی باہر سے آنے والے لوگوں کے یار و مددگار۔
مہاجرین خالی ہاتھ مدینے پہنچے تھے۔ رسول پاک نے ان کے گزارے کی تدبیر یہ سوچی کہ ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری میں برادری کا رشتہ قائم کر دیا۔ اسے مواخات کہتے ہیں۔ انصار کی شان ایثار ملاحظہ ہو کہ ہر ایک نے اپنی پوری جایداد کے دو حصے کیے اور ایک حصہ اپنے مہاجر بھائی کے حوالے کر دیا۔ مہاجرین کی خودداری بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سب نے اپنا اپنا کاروبار شروع کر دیا اور صرف اس وقت تک مہمان رہنا گوارا کیا جب تک خود کمانے کے قابل نہ ہوئے۔
انصار کے پاس زمینیں اور باغات تھے۔ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ مہاجرین تجارت کرتے آئے تھے اور انھیں کھیتی باڑی آتی نہ تھی۔ انصار نے یہ تجویز پیش کی کہ کھیتی باڑی ہم کریں گے اور پیداوار اپنے مہاجر بھائیوں کو دیتے جائیں گے۔ برادری کا یہ رشتہ اتنا مضبوط تھا کہ کوئی انصار افوت ہوتا تو اس کے ترکے میں سے مہاجر بھائی کو حصہ دیا جاتا۔ لیکن جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ چیز ابتدا میں ضرورت کے لحاظ سے جاری ہوئی تھی تھوڑی مدت بعد مہاجر اپنی محنت کی بدولت بالکل بے نیاز ہو گئے۔

یہودیوں سے معاہدہ

مواخات نے مہاجرین و انصار کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ یہودی اس سے

الگ تھلگ تھے۔ رسولؐ پاک نے ان کے ساتھ بات چیت کر کے ایک عہد نامہ کر لیا جو "میثاق مدینہ" کہلاتا ہے اور غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے برتاؤ کی بنیادی دستاویز ہے۔ اس میثاق کی بڑی بڑی شرطیں یہ تھیں:

(۱) یہودی اور مسلمان ایک قوم کے حکم میں ہوں گے۔ ایک فریق کو جنگ پیش آئے گی تو دوسرا اس کی مدد کرے گا۔

(۲) دونوں فریق اپنے اپنے دین پر رہیں گے۔ مدینے پر حملہ ہوگا تو دونوں مل کر حملہ آور کا مقابلہ کریں گے۔

(۳) کوئی فریق عہد نامہ کی خلاف ورزی نہ کرے گا اور مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

(۴) اگر دونوں فریقوں کے درمیان کوئی نئی بات پیدا ہوگی یا جھگڑا اٹھے گا تو فیصلہ خدا اور رسولؐ پر چھوڑا جائے گا۔

قبیلوں سے معاہدے

رسولؐ پاک صرف یہ چاہتے تھے کہ ارد گرد امن کی فضا پیدا ہو جائے تاکہ سب کو اسلام کی برکتوں کے اندازے کا موقع ملے اور لوگ خود بخود دینِ حق کی طرف آئیں۔ مدینے میں امن کا انتظام مکمل کر لینے کے بعد آپؐ کی توجہ ارد گرد کے قبائل کی طرف ہوئی اور ہر ایک کے ساتھ عہد ناموں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بعض قبیلوں کے پاس اپنے ساتھیوں کے چھوٹے چھوٹے دستے بھیجے، بعض کے پاس آپؐ خود تشریف لے گئے۔ ہر ایک قبیلے کو یقین دلایا کہ اگر کوئی حملہ کرے گا تو مسلمان مدد دیں گے اور مسلمانوں کو ضرورت پڑے تو ان لوگوں کو مدد کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ان عہد ناموں کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ قبیلوں کی باہمی جنگیں ختم ہونے لگیں۔

قریش کا غیظ و غضب رسولِ پاک اور مسلمان اگرچہ مکے کو چھوڑ کر تین سو میل کے فاصلے پر جا بیٹھے تھے لیکن قریش کی آتش عداوت بہ دستور بھڑکتی رہی۔ مسلمانوں کو مختلف قبیلوں سے عہد نامے کرتے دیکھا تو قریش کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو گیا کہ اس طرح مکے کی شامی شاہراہ تجارت خطرے میں پڑ جائے گی۔ انھوں نے ایک طرف مدینے کے یہودیوں کے ساتھ سازباز کا سلسلہ شروع کر دیا، دوسری طرف مدینے پر حملے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ ایک موقع پر ایک قریشی سردار مدینے کی چراگاہ میں پہنچا اور مویشی پکڑ کر لے گیا۔ پھر قریش نے ایک بھاری تجارتی قافلہ تیار کیا، جس میں سب نے اپنا زیادہ سے زیادہ مال فروخت کے لیے بھیجا اور عہد یہ کیا کہ اس تجارت سے جتنا نفع ہو گا وہ سارے کا سارا مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں لگا دیا جائے گا۔ قریش کی ان مجنونانہ حرکتوں سے جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو کئی برس تک جاری رہا۔ اس میں قریش کی قوت فنا ہو گئی اور خدا کے پاک دین کا جھنڈا سارے عرب پر لہرانے لگا۔

تیرھواں باب

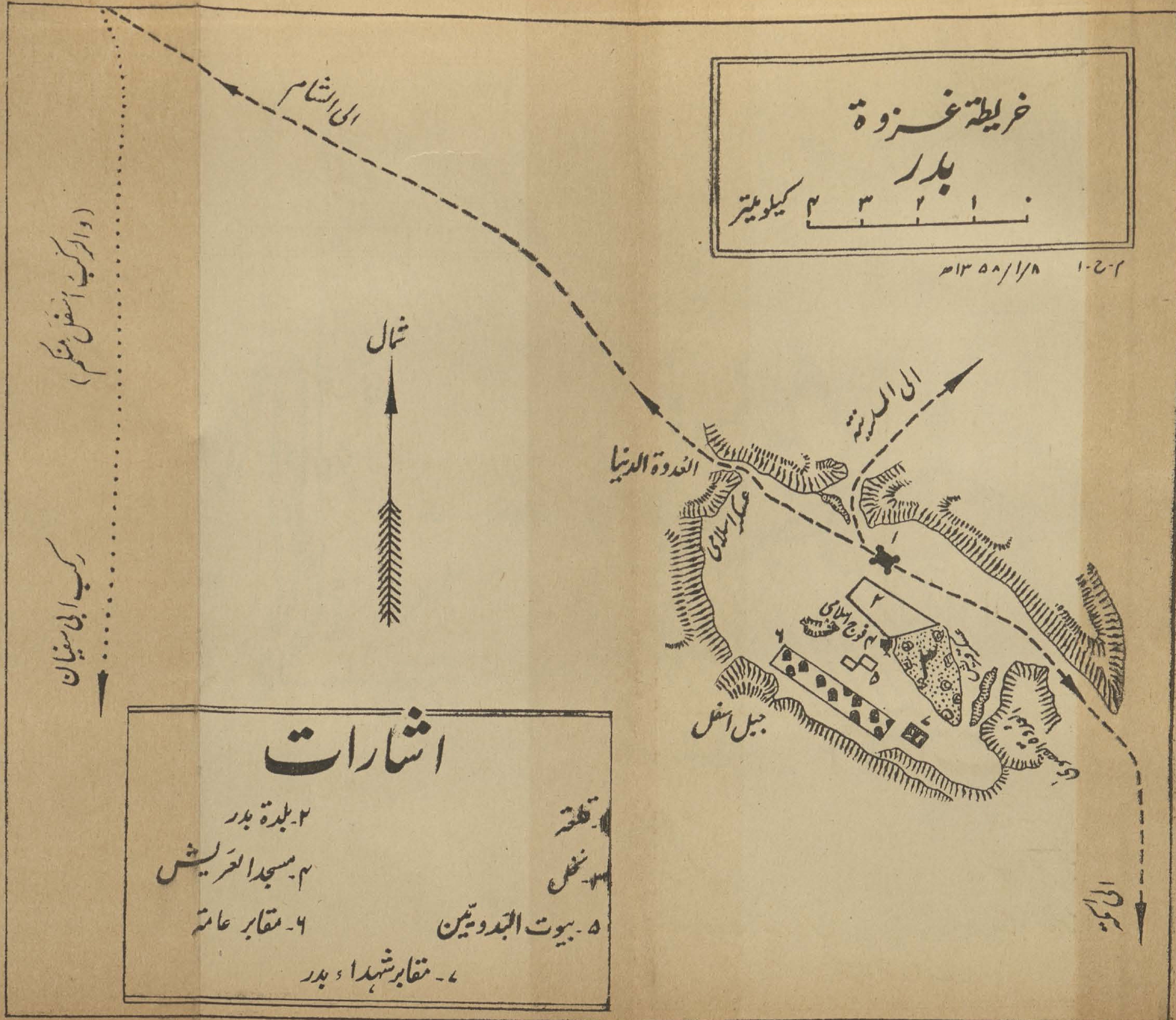
غزوات

غزوۂ بدر مکہ چھوڑ دینے کے بعد اگرچہ بہ ظاہر لڑائی جھگڑے کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہا تھا۔ لیکن قریش کی عداوت نے اطمینان کی صورت پیدا نہ ہونے دی اور غزوات

کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا جن میں بدر، احد، خندق (احزاب) خیبر، موتہ اور حنین کے غزوے اور فتح مکہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ہم ان کے حالات یہاں اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔

غزوۂ بدر ہجرت کے دوسرے سال ۱۹۔ رمضان (مطابق ۱۶۔ مارچ ۶۲۴ء) کو پیش آیا۔ اس کا سبب، جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں یہ ہوا کہ قریش مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے ارادے سے روپیہ فراہم کرنے کے لیے ایک بڑا تجارتی قافلہ شام بھیجا تھا مسلمان اس راستے پر پھرتے رہتے تھے اور آس پاس کے کئی قبیلوں سے انھوں نے عہد و پیمان کر لیے تھے۔ قافلہ جب واپس ہوا تو اس کے سردار ابوسفیان کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ مسلمان اس پر حملہ کردیں گے۔ اس نے ایک تیز سوار مکے بھیجا جس نے شور مچایا کہ قافلہ لٹنے والا ہے، فوراً مدد کو پہنچو۔ قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ مقابلے کے لیے نکل پڑے۔ ادھر مدینے سے رسولِ پاک نکلے۔ قافلہ بچ کر نکل گیا، لیکن قریش واپس نہ ہوئے۔ مدینے سے اسّی میل پر بدر ایک مشہور تجارتی منڈی تھی۔ وہاں ایک ہزار قریش کا مقابلہ تین سو تیرہ مسلمانوں سے ہو گیا۔ وقت کے عام طریقے کے مطابق پہلے ایک ایک آدمی لڑا، پھر عام لڑائی شروع ہوگئی۔ قریش کے ستر آدمی مارے گئے جن میں ابوجہل اور دوسرے بڑے بڑے سردار شامل تھے اور وہ شکست کھا گئے۔ مسلمانوں کے کل چودہ آدمی شہید ہوئے۔

جنگ بدر حق و باطل کے درمیان پہلی فیصلہ کن لڑائی تھی جس نے مسلمانوں کی معنوی قوت کی دھاک سب پر بٹھا دی


خريطة غزوة
بدر
١ ٢ ٣ ٤ كيلوميتر
١٣٥٨/١/٨ ھ ١-ح-٢
الى الشام
(والركب اسفل منكم)
ركب ابي سفيان
شمال
العدوة الدنيا
الى المدينة
عسكر اسلامي
جبل اسفل
اشارات
قلعة
٢-بلدة بدر
نخل
٤-مسجد العريش
٥-بيوت البدويين
٦-مقابر عامة
٧-مقابر شهداء بدر
الى مكة



خريطة
احد والخندق
كيلومتر
بركة الزبير
جبل ثور
جبل احد
وادي قناة
جبل رماة
قصر سعيد بن العاص
شمال
خندق
مسجد ذباب
مسجد نبوي
بساتين
وادي بطحان
مسجد قبا
مسجد الشمس
بساتين العوالي
جبل عير

غزوہ احد

اگلے سال قریش پوری تیاری کر کے بدر کا بدلہ لینے کے لیے مدینے پر چڑھ آئے۔ مدینے کے شمال میں تین میل پر احد پہاڑ کے دامن میں ۳ شوال ۳ھ (۲۶۔ مارچ ۶۲۵ء) کو جنگ ہوئی۔ قریش کے تین ہزار جنگجو تھے، مسلمانوں کی تعداد سات سو سے زیادہ نہ تھی۔ رسول پاکؐ نے تیراندازوں کو میدان کے بیچ میں ایک چھوٹے سے ٹیلے پر بٹھا کر تاکید کر دی تھی کہ خواہ کوئی صورت پیش آئے تم جگہ نہ چھوڑنا۔ ابتدائی حملے ہی میں قریش پیچھے ہٹ گئے۔ یہ دیکھ کر مسلمان تیراندازوں نے جگہ چھوڑ دی۔ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر قریش کے سواروں نے جبل احد کا چکر کاٹا اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اس طرح اسلامی لشکر کو سخت نقصان پہنچا۔ حضرت حمزہؓ، حضرت مصعبؓ بن عمیر اور کئی بڑے بڑے صحابی شہید ہو گئے۔ خود رسول پاک بھی چشم زخم سے محفوظ نہ رہے اور آپ کے دندان مبارک کو بھی صدمہ پہنچا۔ اس جنگ میں صحابہ کرام نے قربانی کے جو شاندار نمونے پیش کیے وہ انسانیت کی تاریخ ایثار کا روشن ترین باب ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوا، لیکن قریش احد ہی سے پلٹ گئے، آگے نہ بڑھے۔

جنگ خندق

ذی قعدہ ۵ھ (مارچ ۶۲۷ء) میں قریش نے مختلف قبیلوں کو ساتھ ملا کر مدینے پر دھاوا بولا۔ حملہ آور لشکر دس ہزار سے کم نہ تھا۔ اتنا بڑا لشکر حجاز کی سرزمین پر پہلے جمع نہیں ہوا تھا۔ رسول پاک نے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو یہ رائے قرار پائی کہ شہر میں بیٹھ کر مقابلہ کیا جائے۔ مدینے کے اردگرد تین طرف کھجوروں کے گھنے باغ تھے، شمالی سمت کھلی تھی اس طرف پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھودی گئی۔

اس صلح میں بہ ظاہر مسلمانوں کا پہلو دبا ہوا تھا۔ لیکن قرآن پاک نے اسے "فتح مبین" کہا اور حقیقت میں یہ فتح مبین ثابت ہوئی اس لیے کہ مسلمانوں کو امن کی حالت میں اسلام پھیلانے کا موقع ملا اور دو برس بعد مکہ فتح ہو گیا۔

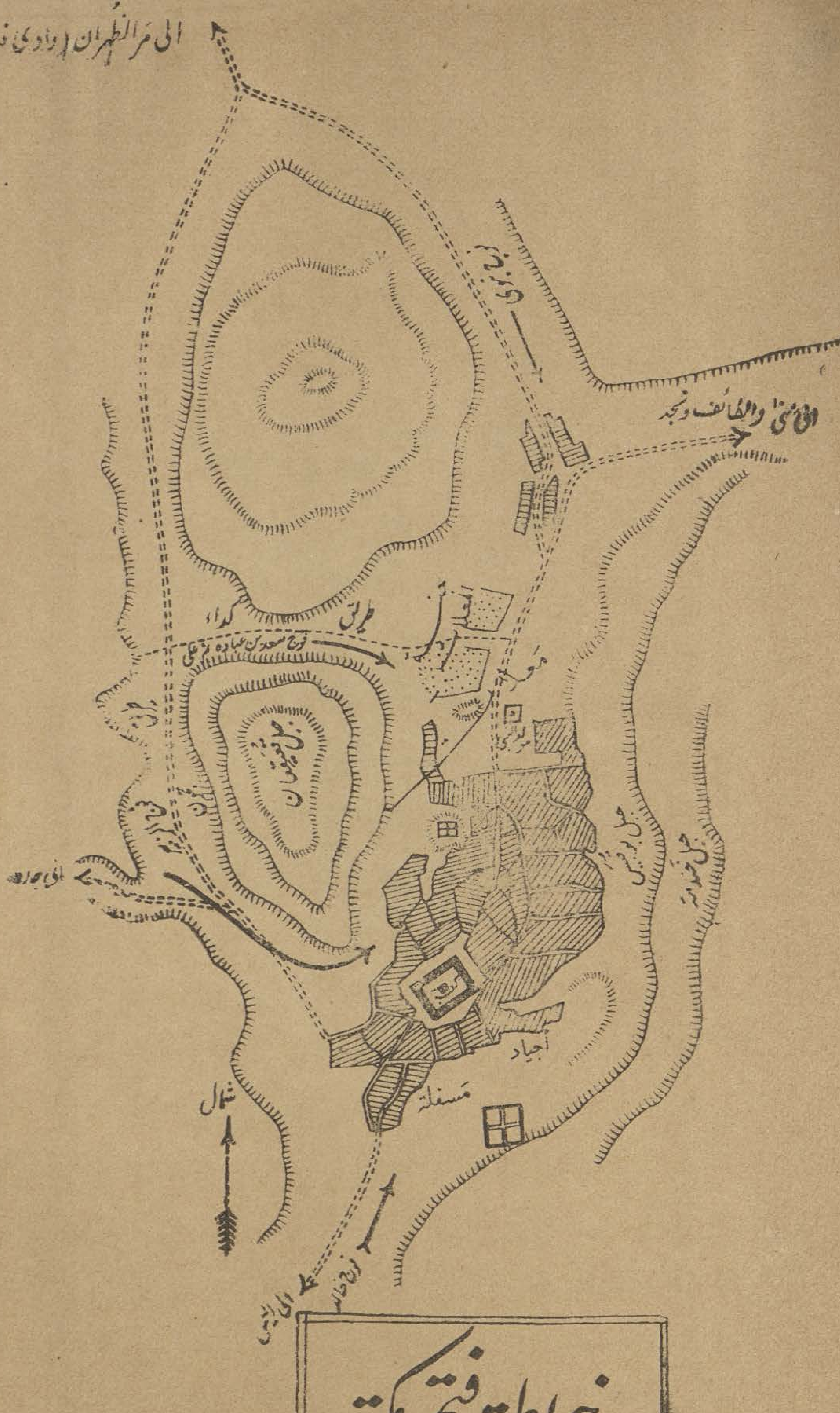
چودھواں باب

فتح مکہ اور حنین و تبوک

دعوت اسلام | صلح حدیبیہ کے بعد رسول پاک نے دعوت اسلام کا انتظام کیا۔ وقت کے تمام فرمانرواؤں اور رئیسوں کے پاس دعوت نامے بھیجے۔ ان میں سے قیصر روم، شاہ ایران، حاکم مصر، شاہ حبش اور عرب و شام کے رئیس خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مختلف قبیلوں میں بھی مبلغ بھیجے یہاں تک کہ پورا عرب اسلام کی دعوت سے گونج اٹھا۔

جنگ خیبر | یہودی مدینے سے نکل چکے تھے لیکن مدینے کے شمال میں خیبر کے مقام پر ان کی خاصی آبادی تھی۔ وہ وہاں بیٹھے بیٹھے ہر وقت مسلمانوں کے خلاف جوڑ توڑ اور شرارتیں کرتے رہتے تھے۔ محرم سنہ ۷ھ (مئی سنہ ۶۲۸ء) میں رسول پاک سولہ سو جانبازوں کے ساتھ خیبر پہنچے۔ یہودیوں کے قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے۔ ان کا بڑا سردار مرحب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا اور یہودیوں کی شرارتوں سے عرب بالکل محفوظ ہو گیا۔

جنگ موتہ | ایک دعوت نامہ بصرے (شام) کے حاکم کے پاس حضرت



خريطة فتح مكة

١٣٥٠/١٢/٦ م١٢

حارثؓ بن عمیر کے ہاتھ بھیجا گیا تھا۔ حاکم نے غصّے میں حضرت حارثؓ کو شہید کرادیا۔ سفیر کا قتل بین الاقوامی اصول کے خلاف تھا۔ رسولِ پاک نے اس ظلم کی سزا دینے کے لیے فوج بھیجی۔ اس کے سپہ سالار حضرت زید بن حارث تھے۔ مسلمان تین ہزار تھے۔ حاکم بصرے نے قیصر روم سے کہہ کر ایک لاکھ فوج کا انتظام کر لیا۔ موتہ[1] کے مقام پر جنگ ہوئی۔ حضرت زیدؓ شہید ہوئے، تو حضرت جعفر بن ابی طالب سپہ سالار بنے۔ وہ بھی شہید ہوئے تو سرداری حضرت عبداللہ بن رواحہ کے حوالے کی گئی۔ ان کی شہادت پر حضرت خالدؓ بن ولید سالار مقرر ہوئے۔ ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ آخر رومی لشکر میدان چھوڑ کر چلا گیا اور مسلمان واپس آگئے۔

فتح مکہ حدیبیہ کی صلح کو قریش نے توڑا۔ صلح میں یہ بھی طے ہوا تھا کہ مسلمانوں اور قریش کے حلیف بھی عہد نامے کے فریق سمجھے جائیں گے۔ قریش کے ایک حلیف قبیلے نے اچانک مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلے پر حملہ کردیا۔ قریش نے اس حملے کو روکنے کے بجائے اپنے حلیف کو مدد دی۔ رسولِ پاک نے قریش کے سامنے تین صورتیں پیش کیں یعنی: (۱) جو لوگ قتل ہوئے، ان کا خوں بہا دیا جائے۔ (۲) قریش اپنے حلیف قبیلے کی مدد نہ کریں (۳) اعلان کردیں کہ صلح ٹوٹ گئی

قریش نے تیسری صورت منظور کی۔ اس پر رسولِ پاک دس

---

[1] موتہ بحیرہ لوط کے مشرقی ساحل سے قریب ہے اور آج کل سلطنت شرق اردن میں شامل ہے۔

ہزار صحابہ کے ساتھ نکلے اور مکے کے سامنے جا پہنچے۔ یہ رمضان ۸ھ کا واقعہ ہے۔ قریش مقابلے کا حوصلہ نہ کر سکے۔ رسول پاک نے اعلان فرما دیا تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے، اسے بالکل نہ چھیڑا جائے۔ جو شخص خانہ کعبہ میں پہنچ جائے، اسے بھی نہ چھیڑا جائے۔ جو بھاگ جائے اس کا پیچھا نہ کیا جائے۔ زخمی یا قیدی کو نہ مارا جائے۔ ابو سفیان مسلمان ہو چکا تھا۔ اس کے گھر میں نیز حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) کے گھر میں پناہ لینے والوں کو بھی معاف فرما دیا۔

رسول پاک سورۂ فتح کی تلاوت فرماتے ہوئے مکے میں داخل ہوئے اور عفو عام کا اعلان فرما دیا۔ یہ واقعہ بھی تاریخ میں یگانہ ہے۔ اس سے پیشتر کسی فاتح نے ایسے دشمنوں کو کشادہ دلی سے معاف نہیں کیا تھا جن کی تلواروں، بھالوں اور تیروں کے زخم صحابہ کرام نے مسلسل اکیس برس تک کھائے تھے۔

جنگ حنین مکہ فتح ہو گیا تو مشرقی سمت میں ہوازن و ثقیف کے قبیلے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ رسول پاک کو ان کے فیصلے کے لیے نکلنا پڑا۔ اس سلسلے میں حنین کی جنگ پیش آئی۔ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کچھ طائف پہنچ گئے۔ کچھ اوطاس کی گھاٹی میں جا چھپے۔ رسول پاک نے آگے بڑھ کر طائف کا محاصرہ کر لیا۔ جنگ حنین میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا تھا، اس نے سرکشوں کی کمر توڑ ڈالی۔ رسول پاک نے قیدیوں کو رہا کر دیا اور محاصرہ اٹھا کر مدینے چلے گئے۔ قریش عرب میں سب سے بڑی طاقت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ ان کی گردن جھکی تو سارا عرب؛ اسلام کی دہلیز پر سر رکھنے کے لیے مضطرب ہو گیا۔ چنانچہ مختلف قبیلوں کی طرف سے وفد کی

کا تانتا بندھ گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کل ایک سو چار وفد مدینے پہنچے، بعض کے نزدیک ان کی تعداد ستر تھی۔ ان میں سے چونتیس وفدوں کے مفصل حالات ملتے ہیں۔ اس طرح خدا کا وعدہ پورا ہو گیا کہ لوگ گروہ در گروہ اور فوج در فوج خدا کے دین میں داخل ہوں گے

سفرِ تبوک

اس سلسلے میں صرف ایک ضروری ذکر باقی رہ گیا۔ ہجرت کے نویں سال افواہ اڑی کہ قیصر روم عرب پر حملے کی تیاری کر رہا ہے اور اس نے اپنی فوج کو پیشگی تنخواہ دے دی ہے۔ شام سے آنے والے تاجروں نے اس خبر کی تصدیق کی۔ رسول پاک نے مدینے سے نکل کر عرب کی شمالی سرحد پر قیصر کے حملے کو روکنے کا فیصلہ کیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ ملک میں قحط پڑا ہوا تھا۔ سواریاں بہت کم تھی۔ تاہم رسول پاک کے اعلان پر صحابہ جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر نکل پڑے تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ رسول پاک تبوک پہنچے۔ وہاں بیس روز ٹھہرے رہے معلوم ہوتا ہے کہ قیصر مسلمانوں کی مستعدی کو دیکھ کر گھبرا گیا اور اس نے حملے کا خیال چھوڑ دیا۔

پندرھواں باب

حجۃ الوداع

حجۃ الوداع

حج ہجرت کے نویں سال فرض ہوا۔ رسول پاک نے حضرت ابو بکرؓ کو امیر حجاج بنا کر بھیجا کہ سب

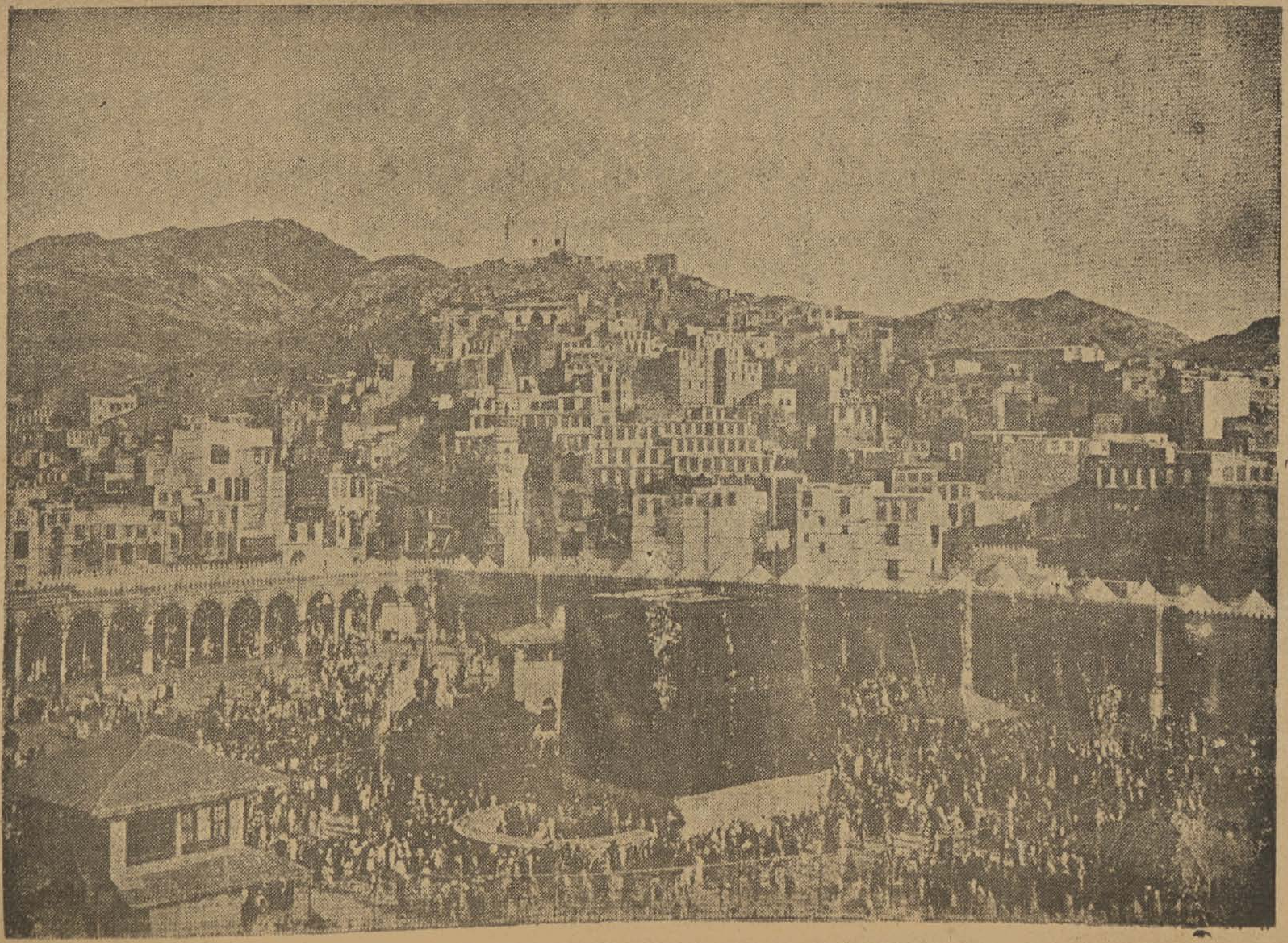
لوگوں کو حج کا اسلامی طریقہ سکھادیں۔ پھر حضرت علیؓ کو ان کے پیچھے بھیج دیا کہ مشرکوں کو خانہ کعبہ کے پاس آنے سے روک دیں۔ عربوں نے حج کے طریقے بھی بہت بگاڑ لیے تھے۔ بعض لوگ ننگے ہوکر حج کرتے تھے۔ اس قسم کی تمام نازیبا رسمیں روک دی گئیں۔

ہجرت کے دسویں سال خود رسول پاک حج کی غرض سے مکہ مکرمہ پہنچے۔ لاکھ ڈیڑھ لاکھ صحابی ساتھ تھے۔ اس موقع پر آپؐ نے عرفات اور منے میں جو خطبے ارشاد فرمائے، وہ خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ ان میں اسلامی تعلیمات کے بعض بنیادی اصول واضح فرمائے گئے۔

عالمگیر مساوات

آپ نے ارشاد فرمایا:
"لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ تمھارا رب ایک ہے، تمھارا باپ ایک ہے (یعنی آدم) ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے اور پرہیزگاری کی بنا پر۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ برتری اور فضیلت نہ خاندان پر موقوف ہے، نہ نسل پر، نہ خون اور رنگ اس بارے میں معتبر ہیں، نہ کسی خاص قوم یا ملک سے تعلق۔ نہ اچھے لباس، عالی شان مکان یا دولت وثروت کی بناء پر کوئی انسان بڑا بن سکتا ہے۔ بڑائی صرف اچھے کاموں اور اچھے عملوں پر موقوف ہے۔ سوچو اور غور کرو کہ نیک عملی کو انسانیت کی حقیقی بنیاد بنانے کی کوئی دوسری مثال تاریخ میں ملتی ہے اور کیا نیکی کی خدمت کا اس سے بڑا نمونہ کبھی کبھی پیش ہوا ہے؟ ساتھ ہی فرمایا:



خانه کعبه

دیکھو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمانوں کے درمیان برادری کا رشتہ ہے۔
ماتحت ہو یا افسر، غریب ہو یا امیر، حاکم ہو یا محکوم۔ ان کے درمیان اصلاً کوئی امتیاز نہیں۔ وہ سب ایک سطح پر ہیں۔ ان سب میں بھائیوں کی سی محبت ہونی چاہیئے۔

امن عالم کی بنیادیں

اجتماعی زندگی کی تین بنیادیں ہیں۔ جان کا پاس، مال کی حفاظت اور آبرو کا احترام۔ دنیا ان تین چیزوں کی پابند ہو جائے تو سارے جھگڑے اور تمام اختلافات مٹ جائیں۔ کوئی لڑائی اور کوئی کشمکش باقی نہ رہے۔ رسول پاک نے فرمایا:
لوگو! تمھارے خون۔ تمھارے مال اور تمھاری آبروئیں قیامت تک کے لیے اسی عزت و حرمت کی مستحق ہیں۔ جس طرح تم آج کے دن کی (حج کے دن کی) اس مہینے کی (حج کے مہینے کی) اور اس شہر (مکہ مکرمہ) کی عزت و حرمت کرتے ہو۔

سلامتی کی راہ

عربوں میں کئی برائیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ایک خون ہو جاتا تو پشتوں تک کے لیے بدلہ لینے کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ یہ برائی آج بھی مختلف قوموں میں موجود ہے۔ صرف عرب ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں خادموں اور غلاموں کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا جاتا، سود خوری کی لت نے دولت مندوں کو سنگ دل بنا دیا تھا۔ محتاج اور ضرورت مند تباہ ہو رہے تھے۔ عورتوں کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا جاتا تھا حالانکہ عورتیں اجتماعی زندگی کا ایک اہم عنصر تھیں، اور خانہ داری میں انھیں بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ رسول پاک نے فرمایا:

(۱) میں زمانہ جاہلیت کے تمام خون (یعنی بدلہ لینے کی ریت) آج مٹا رہا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان سے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔

(۲) میں جاہلیت کے تمام سود ختم کرتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان میں سے عباس بن عبدالمطلب کے سود کو مٹاتا ہوں۔

(۳) اپنے غلاموں (یعنی خادموں کا خیال رکھو اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ جو خود کھاؤ، ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو ان کو پہنا دو۔

(۴) عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ تمھارے حق عورتوں پر ہیں، عورتوں کے حق تم پر ہیں۔

سوچو کہ دنیا میں سلامتی، خوشگواری، مساوات اور ایک دوسرے کے ساتھ دلی محبت و الفت کے یہ سنہری اصول پہلے بھی بیان ہوئے تھے

منے کے خطبے جو ارشادات ہم نے اوپر بیان کیے، یہ عرفات کے خطبے سے لیے۔ منے میں پہنچے تو پھر آپؐ نے بعض ضروری باتیں نئے انداز میں دہرائیں۔ جان، مال اور آبرو کے احترام کا آپؐ کو بہت خیال تھا اس لیے کہ یہ چیزیں امن عام کی بنیادیں تھیں۔ آپ خطبے کے لیے کھڑے ہوئے تو پوچھا: کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: "خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں"۔ فرمایا: "کیا آج قربانی کا دن نہیں"؟ لوگوں نے عرض کیا: "بے شک"۔ پھر پوچھا: معلوم ہے یہ کون سا مہینا ہے؟ لوگوں نے پھر عرض کیا کہ "خدا اور اس رسولؐ بہتر جانتے

ہیں"؟ فرمایا: "کیا یہ حج کا مہینہ نہیں"؟ لوگوں نے عرض کیا: "بے شک"۔ پھر فرمایا: "معلوم ہے یہ کون سا شہر ہے"؟ لوگوں نے فرمایا: "خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں" فرمایا: کیا یہ حرمت والا شہر (مکہ مکرمہ) نہیں"؟ لوگوں نے عرض کیا: "بے شک"۔ اس طرح دن، مہینے اور شہر کی حرمت لوگوں کے ذہن میں بٹھا کر فرمایا:

تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری آبروئیں قیامت تک کے لیے اسی طرح حرمت کی مستحق ہیں جس طرح آج کا دن، یہ مہینا اور یہ شہر حرمت والے ہیں۔

خانہ جنگی سے بچو | قومیں ہمیشہ باہمی لڑائیوں اور خونریزیوں کے باعث تباہ ہوئیں۔ رسول پاک نے فرمایا:

دیکھو، میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگ جاؤ۔ تمھیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں ضرور پوچھے گا۔

مسلمان جب تک لڑائیوں سے بچے رہے۔ دنیا بھر کی قوموں کے سرتاج بنے رہے، سب قومیں ان سے علم، تمدن، تہذیب اور ہدایت سیکھتی رہیں جب باہمی لڑائیوں کی گمراہی میں مبتلا ہو گئے، نیچے گر گئے۔

جرم اور مجرم | دنیا کی ایک بڑی گمراہی یہ رہی کہ ایک کے گناہ کی بنا پر دوسرے کو بے سبب گناہ گار سمجھ لیا جاتا۔ مثلاً اگر کسی خاندان کے ایک آدمی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تو پورے خاندان کو مجرم گردان لیا جاتا۔ رسول پاک نے فرمایا:

دیکھو، مجرم اپنے جرم کا ذمہ دار ہے۔ باپ کا گناہ بیٹے پر نہ

ڈالا جائے اور بیٹے کا گناہ باپ پر نہ ڈالا جائے۔

امیر کی اطاعت

جماعت اور قوم بن نہیں سکتی جب تک اس کا کوئی مرکز نہ ہو، جس کے سامنے سب کی گردنیں جھکیں۔ اس سلسلے میں امیر کی اطاعت حد درجہ ضروری ہے، خواہ وہ کوئی ہو۔ لیکن واضح رہے کہ اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم امیر کی ذات کے لیے نہیں۔ اس کے اپنے حکموں اور اپنی مرضی کے لیے نہیں بلکہ صرف خدا اور رسول کے حکموں کے لیے ہے۔ وہ جب تک خدا اور رسول کے حکموں پر چلاتا رہے، ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ اس کے ساتھ دلی شوق سے چلے۔ رسول پاک نے فرمایا:

اگر کوئی نکٹا حبشی بھی تمھارا امیر ہو اور تمھیں خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی بات سنو اور فرمانبرداری کرو۔

جنت کا طریق

آخر میں فرمایا:۔

لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی نبی آئے گا، نہ نئی امت پیدا ہوگی۔ خوب سن لو۔ اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ پانچوں وقت نماز پڑھو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ مال کی زکوٰۃ خوشی خوشی دو۔ خانہ کعبہ کا حج کرو۔ اپنے حاکموں کے فرمانبردار رہو۔ اس کی جزا یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اصول اسلام کی یہ پاک تعلیم اس دنیا کی زندگی کو بھی جنت بنا سکتی ہے اور اس کی مثال ہمیں خلافت راشدہ ملتی ہے۔ آخرت کی زندگی میں جو انعامات ملیں گے، ان کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

دین کی تکمیل

انہیں خطبات کے دوران میں قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی کہ آج کے دن میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور

تمھارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند فرمایا"۔ اس کے ساتھ ہی نبوت کا فرض اپنی آخری منزل پر پہنچ گیا۔ رسول پاک کو خدا نے جس غرض کے لیے رسالت عطا کی تھی، وہ پوری ہو گئی۔ چنانچہ آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: "تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو بتاؤ، تم کیا جواب دو گے"؟ جواب میں یہ آواز بلند ہوئی کہ ہم کہیں گے کہ آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا فرمایا۔" آپؐ نے یہ سن کر آسمان کی طرف انگلی اُٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا:

"خدایا گواہ رہیو۔ خدایا گواہ رہیو" خدایا گواہ رہیو"۔ پھر فرمایا: "جو لوگ موجود ہیں۔ وہ ساری باتیں ان کو پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں"۔

حج کے مہینے کی تیرھویں تاریخ کو آپؐ مکہ مکرمہ سے چل کر منزل بہ منزل مدینے پہنچ گئے۔ اس حج کو حجتہ الوداع اس لیے کہتے ہیں کہ رسول پاک امت سے رخصت ہوئے۔ حج اکبر بھی کہتے ہیں اس لیے کہ اسی موقع پر اسلامی حج کے تمام طریقے خود رسول پاک نے استوار فرمائے۔

سولھواں باب

وصال نبویؐ اور اخلاق نبویؐ

وصال نبوی | حجتہ الوداع پر رسول پاک کا مشن پورا ہو چکا تھا۔ اس کے بعد آپؐ صرف اسی یا اکاسی دن اس دنیا میں رہے۔ ۱۸۔ یا ۱۹۔ صفر ۱۱ھ (۱۴۔ یا ۱۵۔ اپریل ۶۳۲ء) کو بیمار ہوئے۔ بیماری بڑھتی گئی۔ وصال سے چار روز پہلے مغرب کی نماز پڑھائی۔ تو سر مبارک پر کپڑا باندھا ہوا تھا۔ اس روز عشا کی

نماز کے لیے تین مرتبہ اٹھنے کا ارادہ فرمایا۔ تینوں مرتبہ غش آگیا۔ پھر فرمایا: ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔

اس سے اگلے دن ظہر کے وقت مسجد میں آئے اور خطبہ دیا، جس میں فرمایا: مسجد کے رُخ جتنے دریچے ہیں۔ ان میں سے ابوبکرؓ کے دریچے کے سوا کوئی باقی نہ رکھا جائے۔ تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔ دیکھو تم ایسا نہ کرنا۔ حرام و حلال کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، میں نے جو کچھ کیا، خدا کی کتاب کے مطابق کیا۔ اے رسول خدا کی بیٹی فاطمہ! اے رسول خدا کی پھپھی صفیہ! خدا کے ہاں کے لیے کچھ کر لو۔ میں تمھیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اسی خطبے میں انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔

وصال سے ایک دن پہلے سارے غلام آزاد کر دیے۔ جو کچھ گھر میں تھا راہ خدا میں بانٹ دیا۔ اپنے ہتھیار اور سواری اور زمین امت کو ہبہ کر دی۔ یکم ربیع الاول سنہ ۱۱ھ (۲۷ یا ۲۸ مئی ۶۳۲ء) کو پیر کے دن بعد دوپہر روح پاک بدن مبارک سے الگ ہو گئی۔ وصال سے کچھ دیر پہلے فرمایا "نماز اور لونڈیاں غلام"۔ زبان مبارک پر آخری کلمہ یہ جاری ہوا "بل الرفیق الاعلیٰ" (اب صرف خدا درکار ہے جو سب سے بڑا رفیق ہے)۔ ان پر اور آل و اصحاب پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے درود اور سلام ہو۔

تکفین و تدفین حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ کفن کے لیے تین سوتی کپڑے استعمال کیے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ نبی جہاں وفات پاتا ہے، وہیں دفن ہوتا ہے۔ چنانچہ جسم مبارک کو اٹھا کر اور بستر کو الٹ کر بغلی لحد کی قبر کھودی گئی۔ چونکہ زمین میں نمی تھی اس لیے آپ کا بستر لحد میں بچھا دیا گیا۔ جنازہ حجرہ مبارک ہی میں رہا۔ وہیں باری باری تھوڑے لوگ جا کر اکیلے اکیلے



مسجد النبی

نمازِ جنازہ پڑھتے رہے منگل کے دن شام کے وقت حضرت علیؓ، فضلؓ بن عباسؓ، اسامہؓ بن زیدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جسمِ مبارک کو لحد میں اتارا۔ اس طرح وہ وجود اقدس ترسٹھ برس اور پانچ دن اس دنیا میں گزار کر پردۂ خاک میں نہاں ہُوا جس کی کرنیں قیامت تک کے لیے انسانوں کے قلب و روح کو منور کرنے والی ہیں۔

حلیہ اقدس

رسُولِ پاک کا قد میانہ تھا، نہ زیادہ لمبا، نہ چھوٹا۔ بدن مبارک موزون تھا، نہ زیادہ فربہ، نہ دبلا۔ رنگ سفید و سرخ تھا پیشانی مبارک چوڑی، ابرو ملے ہوئے۔ بینی مبارک لمبائی کی طرف مائل تھی۔ دندان مبارک ملے ہوئے نہ تھے۔ پیشانی چوڑی، گردن اونچی، سر بڑا، سینہ چوڑا۔ سر کے بال نہ گھنگریلے تھے، نہ سیدھے، ریش مبارک گھنی تھی۔ آنکھیں سیاہ، پلکیں بڑی بڑی۔ سینہ مبارک پر ناف مبارک تک باریک بالوں کی ہلکی سی لکیر تھی۔ شانوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیاں بھری ہوئی اور چوڑی۔ کلائیاں لمبی، پاؤں کی ایڑیاں نازک اور سبک۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے، یہاں تک کہ پانی نیچے سے نکل جاتا تھا۔

رفتار و گفتار

رفتار تیز تھی۔ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی شخص ڈھلوان زمین پر اتر رہا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جسم اقدس کا سایہ نہ تھا۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحیح نہیں ہیں۔

باتیں بہت ٹھہر ٹھہر کر کرتے۔ ایک ایک فقرہ الگ الگ ہوتا۔ آواز بلند تھی۔ جن باتوں پر زور دینا ہوتا، وہ تین مرتبہ فرماتے۔ بات کرتے وقت نگاہ آسمان کی طرف ہوتی۔ خوش ہوتے تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں۔ خوشی کے وقت چہرے پر مسکراہٹ دوڑ جاتی اور وہ

چاند کی طرح دمکتے لگتا

پاکیزگی اور حسن معاشرت

پاکیزگی اور صفائی کے بارے میں صرف اتنا کہ دینا کافی ہے کہ جسم و لباس کو پاک و صاف رکھنے کے بہترین اصول آپؐ نے سکھائے اور دنیا تیرہ سو برس میں تجربوں سے جو کچھ سیکھ سکی، وہ رسولِ پاک کے فرمائے ہوئے اصول سے منزلوں پیچھے ہے۔ اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت میں آپؐ کا نمونہ بہترین تھا۔ آپؐ کا ارشاد ہے: "تم میں اچھا وہ ہے جو اہل خانہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے، میں تم سب سے بہتر ہوں اور میرا برتاؤ بھی اہل خانہ کے ساتھ سب سے بہتر ہے"۔ ایک مرتبہ آپؐ سفر میں تھے۔ اہل خانہ بھی ساتھ تھے۔ ساربان اونٹ تیز چلانے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: دیکھنا یہ آبگینے ہیں"۔ عورتوں کے بارے میں اس سے زیادہ نازک اور پاکیزہ تصور کی مثال نہیں مل سکتی۔

شفقت

آپؐ سراپا رحمت اور سراپا شفقت تھے۔ بچوں سے بے حد پیار کرتے۔ سفر سے واپس آتے تو لوگ پیشوائی کے لیے مدینے سے باہر نکلتے۔ بچے دوڑ کر سب سے پہلے آپؐ کی خدمت میں پہنچنے کی کوشش کرتے۔ عادت مبارک یہ تھی کہ جو دو بچے پہلے پہنچتے، انھیں آپؐ شفقت سے اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیتے۔ غلاموں اور خادموں کے ساتھ اتنا اچھا برتاؤ کرتے تھے کہ آپؐ کے خادم خاص حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ کی اتنی خدمت نہ کی جتنی آپؐ نے میری خدمت کر دی۔ جانوروں پر ذرا سی سختی کو بھی دیکھ نہیں سکتے تھے۔

صدق و دیانت

صدق و صفا اور دیانت و امانت کا یہ عالم تھا کہ

نبوت سے پہلے مکے کے لوگوں نے آپ کو "الصادق" اور "الامین" کے خطاب دے دیے تھے۔ دعوت اسلام کے بعد اگرچہ قریش آپؐ کی جان کے دشمن بن گئے تھے لیکن اس زمانے میں بھی مکے کے لوگ اپنی امانتیں آپؐ ہی پاس رکھتے تھے ہجرت کے لیے نکلتے وقت آپؐ نے ساری امانتیں حضرت علیؓ کو سونپیں اور تاکید فرمائی کہ ایک ایک شخص کی کوڑی کوڑی اسے پہنچا کر آئیں۔

زہد و قناعت

رسول پاک اس گھرانے میں پیدا ہوئے، جو سارے عرب میں ممتاز تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کے بعد آپؐ دنیاوی لحاظ سے خاصے امیر بن گئے تھے۔ اس حالت میں بھی خود کم سے کم میں گزر کر لیتے، غریبوں اور محتاجوں کو زیادہ سے زیادہ دیتے۔ پھر سارا عرب دل و جان سے آپؐ کا فرمانبردار بن گیا۔ ہر شخص کی آرزو تھی کہ اپنا سب کچھ رسولؐ پاک پر نثار کر دے، لیکن اس دور میں بھی آپ کے زہد میں فرق نہ آیا۔ کپڑوں کے دو جوڑے کبھی نہ رکھے کہ ایک تہہ کر کے رکھتے اور دوسرا پہنتے۔ اکثر فاقے فرماتے یا روزے رکھتے، مال سے بھرے ہوئے اونٹ آتے اور وہ مسکینوں میں بانٹ دیتے۔

ایثار و سخاوت

سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر میں کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے بکریوں کا ریوڑ مانگ لیا، آپؐ نے دے دیا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا۔ آپؐ کے پاس کچھ نہ تھا فرمایا: "میرے ساتھ آؤ کسی سے کچھ لے دوں" حضرت عمرؓ ساتھ تھے۔ بولے: جب آپؐ کے پاس کچھ نہیں تو آپؐ کی کیا ذمہ داری ہے۔ ایک اور شخص نے یہ سنا تو عرض کیا: رسول خدا! دیتے جائیے عرش والا خدا آپؐ کو محتاج نہ کرے گا۔ یہ سن

کر آپؐ بہت خوش ہوئے اور مسکرا دیئے۔

حیا و تواضع

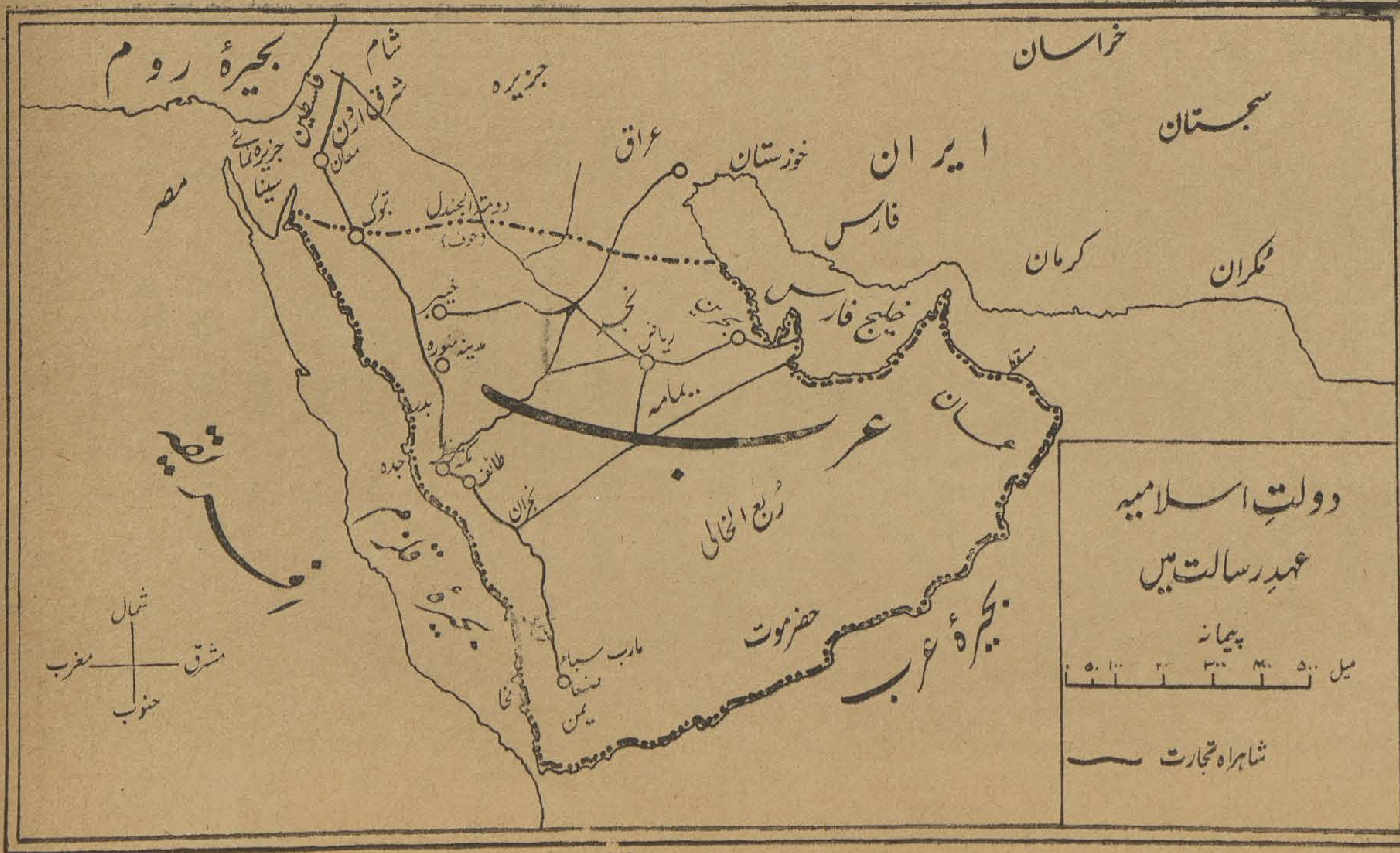
حدیثوں میں آیا ہے کہ آپؐ کنواری لڑکیوں سے زیادہ شرمیلے تھے۔ عمر بھر میں کبھی کسی کے متعلق بُرا کلمہ زبان مبارک پر نہ آیا۔ اس سے بڑی بات کیا ہو سکتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے"۔ اسی طرح اپنے لیے کبھی امتیازی حیثیت پیدا نہ کی۔ بات چیت میں کوئی آپؐ کے لیے تعظیمی کلمہ کہتا تو پسند نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص ملنے کے لیے آیا۔ اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا۔ فرمایا: "گھبراؤ نہیں میں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں، جو سوکھا گوشت پکا کر کھاتی تھی"۔ ایک مرتبہ فرمایا: "خدا نے مجھے خاکسار بنایا ہے، جبار و سرکش نہیں بنایا"۔

عبادت گزاری

یوں تو رسولِ پاک کی حیاتِ مبارک کا ایک ایک لمحہ عبادت تھا۔ اس دنیا میں وہی پاک وجود تھا جس سے لوگوں نے عبادت کے حقیقی طریقے سیکھے۔ معمول یہ تھا کہ صبح کی نماز کے بعد جانماز پر بیٹھے رہتے۔ چاشت کے وقت چار یا آٹھ رکعتیں پڑھتے۔ عشا کی نماز کے بعد بات چیت پسند نہ فرماتے آدھی رات یا پہر رات گئے جاگتے۔ مسواک فرماتے، وضو کرتے، پھر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ پوری حیاتِ مبارک میں صرف ایک رات ہے جس میں یہ معمول ٹوٹا۔ اکثر روزے رکھتے۔

انسانِ کامل

غرض آپؐ انسانیت کا بہترین پیکر تھے۔ جس کی ہر ادا سچی ہمارگی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ جو انسانیت کے لیے نیکی کا بہترین نمونہ بنا، جسے خدائے پاک نے جہانوں کے لیے رحمت کا لقب عطا کیا۔ جب تک مخالفوں کا زور رہا، ان کے ہر ظلم اور ہر چیز کے طوفان میں ایک ایک آن صبر و شکر سے گزاری


دولتِ اسلامیہ
عہدِ رسالت میں
پیمانہ
میل
شاہراہ تجارت
خراسان
سجستان
ایران
خوزستان
فارس
کرمان
مکران
عراق
جزیرہ
شام
شرق اردن
فلسطین
معان
بحیرۂ روم
جزیرہ نمائے سینا
مصر
تبوک
دومۃ الجندل
خیبر
نجد
ریاض
بحرین
خلیج فارس
مدینہ منورہ
یمامہ
عمان
عرب
بدر
مکہ
طائف
جدہ
نجران
ربع الخالی
حضرموت
بحیرۂ عرب
مارب سبا
صنعا
یمن
بحیرۂ قلزم
افریقہ
شمال
مشرق
مغرب
جنوب

کبھی کسی کے لیے بد دعا نہ فرمائی، نہ کسی کی ہمدردی اور خیر خواہی میں کمی آئی۔ جب ان سے مقابلے کی نوبت آئی تو استقامت کی چٹان بن گئے۔ جانی دشمنوں سے بھی معاملہ آپڑا تو ہر عہد کو راست بازی سے پورا کیا۔ جب خدا نے غلبہ عطا کیا تو ہر دشمن کو معاف فرما دیا۔ یہ نادر خصوصیتیں جس طرح آپ کی ذات مبارک میں جمع ہوئیں، انسانوں کی پوری تاریخ میں آج تک کسی فرد کے اندر جمع نہیں ہوئیں۔

ستر ھواں باب

خلافت صدیقؓ

خلافت راشدہ

رسول پاک اس دنیا سے تشریف لے گئے تو امت کے کاروبار کو چلانے اور سارے نظم و نسق کو سنبھالنے کا انتظام ضروری تھا۔ اس کام کے لیے حضرت ابو بکرؓ صدیق منتخب ہوئے، جن کا لقب "خلیفہ رسول اللہ" رکھا گیا۔ حضرت صدیقؓ کے بعد یکے بعد دیگرے چار خلیفے مانے گئے۔ ان کو خلفاء راشدین کہتے ہیں، یعنی رسول پاک کی بتائی ہوئی نیک راہ پر چلنے اور امت کو چلانے والے خلیفے۔ ان کی خلافت، خلافت راشدہ کہلاتی ہے۔ یہ عہد صرف تیس برس رہا۔ جس کی تفصیل یہ ہے

خلیفہ	آغاز خلافت	اختتام خلافت	مدت
حضرت ابوبکرؓ	ربیع الاول سنہ ۱۱ھ	۲۲۔ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ	دو برس تین مہینے
حضرت عمرؓ	۲۲۔ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ	یکم محرم سنہ ۲۴ھ	دس برس چھ مہینے
حضرت عثمانؓ	محرم سنہ ۲۴ھ	۱۸ ذلحجہ سنہ ۳۵ھ	گیارہ برس گیارہ مہینے
حضرت علیؓ	ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ	رمضان سنہ ۴۰ھ	چار برس نو مہینے

حضرت حسنؓ	رمضان ۴۰ھ	ربیع الاول ۴۱ھ	تقریباً چھ مہینے

حضرت ابوبکر

حضرت ابوبکرؓ مکے کے دولت مند تاجر تھے۔ اپنے علم، تجربے اور حسن اخلاق کی وجہ سے اہل مکہ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ رسول پاک کے ساتھ شروع ہی سے بے حد محبت و عقیدت تھی۔ آپؐ ہی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ اسلام کی دعوت پاتے ہی مسلمان ہوئے۔ مردوں میں یہ سب سے پہلے مسلمان تھے۔ انھیں کی دعوت سے کئی پاک ہستیاں اسلام لائیں، جو بعد میں آسمان اسلام پر چاند تارے بن کر چمکیں۔ اسلام لانے کے وقت سے حضرت ابوبکرؓ کا مال راہ اسلام میں خرچ ہونے لگا۔ تیرہ برس تک مسلمانوں کو قریش کے ہاتھوں جو مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ حضرت ابوبکرؓ ان سب میں برابر شریک رہے۔ ہجرت کے سفر میں رسول پاک کے ہم رکاب تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں جو روپیہ تھا، وہ سب ساتھ لے لیا اور بے دریغ راہ خدا میں خرچ کر ڈالا۔ خود رسول پاک نے فرمایا کہ جس کے مال اور صحبت کا میں سب سے بڑھ کر ممنون ہوا وہ ابوبکرؓ ہیں۔ تبوک کے لیے تیاری کا اعلان ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے گھر کا پورا اثاثہ اٹھا کر رسول پاک کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب پوچھا گیا: اہل عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کیا خدا اور اس کا رسول۔

خلافت کا پہلا خطبہ

رسول پاک کے بعد حضرت ابوبکرؓ ہی نے امت کو سنبھالا۔ پہلے دن ۳۳ ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔ بیعت کے وقت جو تقریر فرمائی، وہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس میں اسلامی حکومت کے بنیادی اصول آپ نے بیان فرمائے۔ کہا:

لوگو! مجھے تم پر حاکم بنایا گیا ہے، حالانکہ میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر اچھے کام کروں تو میری مدد کرو۔ برائی کی طرف جاؤں تو

مجھے سیدھا کر دو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں سے کمزور میرے نزدیک قوی ہے، یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلادوں انشاءاللہ۔ اور تم میں سے قوی میرے نزدیک کمزور ہے، یہاں تک کہ دوسروں کے حق اس سے واپس دلادوں انشاءاللہ۔ جو قوم خدا کی راہ میں جہاد چھوڑ دیتی ہے۔ اسے خدا ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔ جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے، اس کی مصیبت بھی خدا عام کر دیتا ہے۔ میں خدا اور رسول کی فرمانبرداری کروں تو میری فرمانبرداری کرو، خدا اور رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری فرمانبرداری فرض نہیں۔ نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ، خدا تم پر رحم کرے۔ دیکھو کتنا سادہ اور مختصر خطبہ ہے۔ لیکن ساری بنیادی باتیں اس میں آگئیں

دو فتنے رسول پاک کی زندگی ہی میں یمن اور یمامہ (جنوبی نجد) میں دو جھوٹے نبی کھڑے ہو گئے تھے۔ جب رسول پاک اس دنیا سے تشریف لے گئے تو فتنوں کی آگ بھڑک اٹھی۔ بہتیرے عرب قبیلے نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ اسلام ابھی ان کے قلب وروح میں نہیں رچا تھا۔ قبیلوں کا نظام باقی تھا۔ جن لوگوں نے اپنے لیے سرداری اور حکومت کی سکیمیں تیار کیں، انھیں نبوت کا دعوےٰ کر کے لوگوں کو ساتھ ملا لینا سہل نظر آیا چنانچہ کئی جھوٹے نبی میدان میں آ گئے۔ مثلاً مسلیمہ کذاب، طلیحہ، سجاح نام ایک عورت بھی نبیہ بن گئی۔ قبیلوں کے اوباش ان لوگوں کے اردگرد جمع ہو گئے تو پورے قبیلے ان کے جھنڈے تلے آ گئے۔

ایک گروہ ایسا بھی تھا جو اسلام کا دل سے قائل تھا لیکن اس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان دو فتنوں نے ایک

ارتداد کا فتنہ، دوسرا زکوٰۃ کو روکنے کا فتنہ) اسلامی حکومت کے لیے سخت مشکلات پیدا کر دیں۔

اسامہؓ کا لشکر

یاد ہوگا کہ جنگ موتہ میں اسلامی لشکر کے پہلے سالار حضرت زید بن حارثہ تھے۔ جو شہید ہو گئے تھے۔

رسول پاک نے زیدؓ کو شہید کرنے والوں کی گوشمالی کے لیے ایک لشکر تیار کیا اور اسامہؓ بن زیدؓ کو اس کا سپہ سالار بنایا، جو بالکل نوجوان تھے یہ لشکر مدینے کے قریب ہی تھا کہ رسول پاک کی بیماری بڑھ گئی یہاں تک کہ آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ لشکر کو فوراً منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے۔ صحابہ نے ارتداد اور منع زکوٰۃ کے فتنوں کا خیال کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ لشکر کو ابھی روک لیا جائے۔ لیکن عزم کے پیکر ابوبکرؓ نے فرمایا: ابوقحافہ (حضرت ابوبکرؓ کے والد) کے بیٹے کا یہ منصب نہیں کہ رسول خدا کے فرمائے ہوئے فیصلے کو بدل دے۔ خدا کی قسم یہ لشکر ضرور جائے گا اگرچہ مدینہ لوگوں سے اس طرح خالی ہو جائے کہ درندے میری ٹانگیں کھینچنے لگیں۔

بعض لوگوں کی رائے تھی کہ کسی تجربہ کار آدمی کو سالار لشکر بنایا جائے۔ ممکن ہے یہ خیال بھی ہو کہ اسامہؓ ایک آزاد شدہ غلام (زیدؓ) کے بیٹے ہیں۔ بڑے بڑے خاندانوں والے لوگوں کو ان کے ماتحت کر دینا مناسب نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر خود لشکر کو رخصت کرنے کے لیے نکلے۔ اسامہؓ سوار تھے، خلیفہ رسول پیدل ساتھ چلے۔ اسامہؓ نے عرض کیا کہ یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا میں بھی اتر جاتا ہوں۔ فرمایا: "اگر میں تھوڑی دیر کے لیے راہ خدا میں اپنے پاؤں کو گرد آلود کر لوں تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔"

اس طرح سب پر ثابت کر دیا کہ جب خلیفہ رسُول کے نزدیک اسامہؓ کا یہ مرتبہ ہے کہ وہ پیدل ساتھ چلتے ہیں تو دوسروں کو ان کی ماتحتی میں کام کرنا کیوں ناگوار معلوم ہو۔ اسامہؓ اپنا کام پورا کر کے چالیس دن میں واپس آ گئے۔

فتنوں کی بیخ کنی

حضرت ابوبکرؓ فوراً فتنوں کی بیخ کنی پر متوجہ ہو گئے۔ خالدؓ بن ولید نے ان جنگوں میں بہادری کے عظیم الشان کارنامے دکھائے۔ مسیلمہ مارا گیا۔ طلیحہ اور سجاح میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں امن قائم ہو گیا۔ زکوٰۃ کے منکروں سے جنگ میں بعض صحابہ کو تامل تھا۔ وہ کہتے تھے کہ جو لوگ توحید و رسالت کو مانتے ہیں، ان سے جنگ کرنے کی کون سی وجہ ہو سکتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: جو کچھ رسُول خدا کو دیا جاتا تھا، اس میں سے اگر کوئی شخص اونٹ کے گلے میں باندھنے کی ایک رسی بھی روکے گا تو خدا کی قسم، اس کے خلاف ضرور جہاد کروں گا۔

یہ حضرت ابوبکرؓ کا عزم تھا جس نے امت کو انتشار سے بچایا۔ یہی عزم تھا جس نے فتنۂ ارتداد اور فتنۂ منع زکواۃ کو جڑ سے اکھاڑا اور سارے ملک میں امن قائم کر دیا۔ اس کام میں چھ مہینے لگ گئے۔

جمع قرآن

قرآن شریف کی آیتیں خود رسُول پاک الہام سے مرتب کرا چکے تھے۔ بہت سے صحابہ نے اس ترتیب سے قرآن حفظ کر لیا تھا اور اسی ترتیب کے مطابق قرآن لکھا ہوا موجود تھا، لیکن ایک جگہ جمع نہ تھا۔ مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں بہت سے حفاظ شہید ہو گئے تو اندیشہ ہوا کہ قرآن کہیں متفرق نہ رہ جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے زیدؓ بن ثابت کو، جو کاتب وحی رہ چکے تھے، متفرق اجزا یکجا کرنے کے کام پر لگا دیا۔ اس طرح جو نسخہ مرتب ہوا، وہ

حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا پھر حضرت عمرؓ کو ملا - انھوں نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کو دے دیا - حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں اسی نسخے کی نقلیں کرا کے جا بجا بھیجی تھیں -

روم و ایران سے کشمکش

ہم بتا چکے ہیں کہ عرب کی سرحد پر وقت کی دو عظیم الشان سلطنتوں نے پڑوس کے عرب قبیلوں کو اپنے حلقہ اثر میں لے لیا تھا - ایرانی ایک زمانے میں عراق سے گزر کر یمن تک پہنچ گئے تھے - عرب اتنی قوت کے مالک تو نہ تھے کہ ان سلطنتوں سے ٹکرا جاتے لیکن ان کے دلوں میں آزادی کا جوش موجیں مارتا رہا - جب اسلام نے عربوں کو متحد کر دیا اور ان میں زندگی کی نئی روح بھر دی تو دونوں سلطنتوں کے پڑوسی عرب قبیلے آزادی کے جوش میں ابھرنے لگے - رومیوں اور ساسانیوں نے فوجی قوت سے انھیں دبانا چاہا - اس پر لڑائیاں چھڑ گئیں اور اسلامی حکومت کو اپنے مسلمان بھائیوں کی جائز مدد کے لیے میدان میں اترنا پڑا -

فتوحات کی سرسری کیفیت

حضرت ابوبکرؓ نے ایک فوج خالدؓ کی سالاری میں عراق کی طرف بھیجی - اس نے حیرہ کا علاقہ (دریائے فرات کے مغرب میں) ایرانیوں سے چھین لیا -

اس اثنا میں تین فوجیں شام کی طرف بھیجی جا چکی تھیں - ان کی تعداد ابتدا میں کل نو ہزار تھی - ایک فوج کے سالار یزیدؓ بن ابی سفیان تھے - اسے شام کے جنوب مشرق کی طرف بڑھنے کا حکم ملا - دوسری فوج کے سالار شرحبیلؓ بن حسنہ تھے، اسے تبوک و معان کا راستہ اختیار کرنے کا حکم ملا - تیسری فوج کے سالار عمروؓ ابن العاص تھے وہ ساحل کے ساتھ ساتھ بڑھے - پھر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو

مزید کمک دے کر پہلی تین فوجوں کو سپہ سالارِ اعظم بنا دیا گیا۔

جب یہ معلوم ہوا کہ شام میں قیصر روم نے بڑا بھاری لشکر جمع کر لیا ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو بھی عراق کے محاذ سے چلے جانے کا حکم دے دیا چنانچہ وہ عراق سے دومۃ الجندل (موجودہ جوف) پہنچے اور وہاں سے وادی سرحان کے راستے شام چلے گئے۔ انھوں نے کئی چھوٹی بڑی لڑائیاں کیں اور سب میں فتح پائی۔ بڑی لڑائی اجنادین[1] کے مقام پر ہوئی، جو دو روز جاری رہی۔ پھر آگے بڑھ کر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

خلیفہ رسول کی وفات

دمشق ابھی فتح نہیں ہوا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ بیمار ہو گئے۔ ایک روز موسم خنک تھا۔ آپ نے غسل کیا۔ اس پر بخار آ گیا جو بہت تیز ہو گیا اور پندرہ روز تک برابر رہا۔ یہاں تک کہ آپ کو مسجد جانے کی طاقت بھی نہ رہی۔ اسی حالت میں ۲۲۔ جمادی الثانی ۱۳ھ (۲۳۔ اگست ۶۳۴ء) کی شام کو پیر کے دن وفات پائی۔

جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو صحابہ کے کہنے پر اور ان کے مشورے سے حضرت عمرؓ کو جانشین مقرر کیا اور کہا کہ خدا کے ہاں مجھ سے پوچھا جائے گا تو جواب دوں گا کہ میں نے خلافت کے لیے اس آدمی کو چنا جو امت میں بہترین تھا۔

شخصیت

حضرت ابوبکرؓ کی وفات پر حضرت علیؓ نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

---

[1] بعض مورخین جنگ اجنادین کو جنگ یرموک کے بعد لکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جنگ اجنادین خلافت فاروقی میں ہوئی اور جنگ یرموک خلافت صدیقی میں۔ صحیح یہی ہے کہ اجنادین خلافت صدیقی میں ہوئی اور یرموک خلافت فاروقی میں

اے ابوبکرؓ خدا آپ پر رحم کرے۔ آپ نے ایمان کو اپنا خُلق بنایا۔ آپ نے اس وقت رسولِ خدا کی غم خواری کی، جب دوسروں نے بخل کیا۔ نہ آپ کی محبت بے راہ ہوئی، نہ آپ کی بصیرت میں ناتوانی آئی۔ نہ آپ کے نفس نے کبھی بزدلی دکھائی۔ آپ پہاڑ کی مانند مستقل مزاج تھے۔ تند ہوائیں نہ آپ کو اکھاڑ سکیں، نہ ہلا سکیں۔ آپ ہی کی نسبت رسولِ خدا نے فرمایا تھا: بدن کے کمزور، ایمان کے قوی، مزاج کے منکسر، اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ، زمین پر بزرگ۔ مومنوں میں بڑے۔ آپ کے سامنے کسی کو طمع نہیں ہو سکتی تھی۔ کمزور آپ کے نزدیک قوی تھا۔ قوی آپ کے نزدیک کمزور تھا یہاں تک کہ کمزور کا حق دلا دو اور قوی سے حق لے لو۔

حضرت ابوبکرؓ نے پورا مال راہ خدا میں دے دیا۔ مدینے میں گزارے کا ذریعہ تجارت تھی۔ خلیفہ بنے تو گزارے کے لئے معمولی وظیفہ مقرر ہوا۔ وفات سے پہلے اس کا حساب کرایا اور وصیت کی کہ میری زمین بیچ کر پوری رقم بیت المال میں واپس کر دی جائے۔ سرکاری چیزوں میں سے ان کے پاس دو لونڈیاں تھیں۔ فرمایا: وفات کے ساتھ انھیں عمرؓ کے پاس بھیج دیا جائے۔

وصیت کی کہ جو چادریں پہن رکھی ہیں انھیں دھو کر کفنا دیا جائے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: ابا جان! ہم اتنے غریب نہیں ہیں کہ نیا کفن بھی نہ خرید سکیں، فرمایا: بیٹی! نئے کپڑوں کی ضرورت زندوں کو ہے، میرے لیے یہی پرانے کپڑے کافی ہیں۔" آپ کو رسولِ پاک کے پہلو میں اس طرح دفن کیا گیا کہ حضور کے دوش مبارک کے برابر ابوبکرؓ کا سر تھا۔

عہدِ خلافت حضرت ابوبکرؓ کی خلافت سرتاپا جمہوری تھی۔ ہر معاملے

میں اہل الرائے سے مشورے لیتے تھے۔ اس وقت تک حکومت صرف عرب میں محدود تھی۔ آپ نے پورے ملک کو صوبوں اور ضلعوں میں بانٹا اور ہر جگہ کے لیے بہترین حاکم تجویز کئے۔ جب کسی شخص کو کوئی کام سونپتے تو اس کے فرض بھی سمجھاتے، اچھی نصیحتیں بھی کرتے اور اس کی کارکردگی کی نگرانی بھی فرماتے۔ مالی انتظام وہی رہا جو رسول پاک کے عہد مبارک میں تھا۔ جو رقم آتی، اسے سب میں برابر بانٹ دیتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے برابر کے حصے پر اعتراض کیا۔ خلیفہ رسول نے فرمایا کہ ذاتی بڑائی اور شے ہے، اسے رزق کی کمی بیشی سے کیا واسطہ؟

حضرت ابوبکرؓ مدینے کے پاس ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ مہینوں یہ دستور رہا کہ صبح کے وقت پیدل گاؤں سے آتے، مسجد میں بیٹھ کر حکومت کا دربار کرتے۔ شام کو پیدل گھر چلے جاتے۔ آخری عہد میں بیت المال تعمیر کرایا۔ لیکن اس میں رقم جمع نہ ہونے پاتی۔ آتے ہی سب کچھ بانٹ دیتے۔

فوجی نظام بھی وہی رہا، جو رسول پاک کے عہد مبارک میں تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ جب فوج کسی مہم پر جاتی تو اسے چھوٹے چھوٹے دستوں میں بانٹ کر ہر دستے کا الگ الگ افسر بنا دیتے۔ ایک شخص کو امیر الامرا کا عہدہ دے دیتے یعنی سپہ سالار اعظم۔ چھاؤنیاں بھی بنا دی تھیں۔ اور ضروری ہتھیار بھی خریدتے رہتے تھے۔

اسلامی فوج کا دستور العمل ملک شام پر فوجیں بھیجیں تو ان کو جو نصیحتیں فرمائیں وہ اسلامی فوج کے لیے ہمیشہ کے واسطے دستور العمل بن گئیں۔ فرمایا: تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں:۔

۱ کسی عورت، بچے یا بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔

۲۔ ثمردار درخت کبھی نہ کاٹنا۔
۳۔ کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا۔
۴۔ کھانے کی ضرورت کے سوا بکری، گائے، اور اونٹ کو کبھی ذبح نہ کرنا۔
۵۔ نخلستان کو نہ جلانا۔
۶۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔
۷۔ بزدل نہ بننا۔
۸۔ جب کسی قوم پر سے گزر ہو تو نرمی سے اسے اسلام کی طرف بلانا۔
۹۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جو لوگ دنیوی تعلقات سے الگ ہو کر عبادت میں لگے ہوئے ہیں، انھیں کچھ نہ کہنا۔
۱۰۔ جب کھانا تمھارے سامنے آئے تو اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرنا۔

ذمیوں کے حقوق

ذمی ان نومسلموں کو کہتے تھے جن کی حفاظت کا ذمہ اسلامی حکومت اور اس وجہ سے اسلامی امت اٹھا لیتی تھی۔ مسلمانوں کے ذمے کئی ٹیکس تھے۔ ذمیوں سے صرف دس درم سالانہ لیے جاتے تھے۔ اور اس ٹیکس سے بھی بوڑھے، اپاہج اور مفلس ذمی معاف تھے بلکہ ایسے لوگوں کو بیت المال سے گزارا ملتا تھا۔ اہل حیرہ عیسائی تھے۔ ان کے ساتھ جو عہدنامہ ہوا تھا، اس کے بعض فقرے یہ ہیں:

(۱) ان کی خانقاہیں اور گرجے ڈھائے نہیں جائیں گے۔
(۲) کوئی ایسا قلعہ یا قصر بھی تباہ نہیں کیا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت پناہ لے کر بیٹھتے تھے۔
(۳) ناقوس (گھنٹے) بجانے کی ممانعت نہ ہوگی۔

(۴) وہ اپنے تہواروں اور جلوسوں میں صلیب لے کر نکلنے سے روکے نہیں جائیں گے۔

اٹھارھواں باب
خلافت فاروق

ابتدائی حالات حضرت عمرؓ قریش کے ممتاز گھرانے کے فرزند تھے۔ سپہ گری۔ پہلوانی، خطابت اور شہسواری میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ ذریعہ معاش مکے کے دوسرے لوگوں کی طرح تجارت تھا۔ اس سلسلے میں عرب کے اکثر حصوں کو دیکھ چکے تھے۔ ستائیس برس کی عمر تھی جب مکے کی پہاڑیاں اسلام کی صدا سے گونجیں۔ ابتدا میں عام قریش کی طرح حضرت عمرؓ بھی اسلام کے سخت مخالف تھے۔ نبوت کے ساتویں سال اسلام لائے تو دین حق کی قوت بازو بن گئے۔ چھ برس تک انھوں نے بھی مخالفوں کے ظلم وستم سہے۔ پھر گھر بار چھوڑ کر مدینے چلے گئے۔ غزوات میں شریک رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں مشیر خاص کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

امیر المومنین حضرت ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہ تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے خلیفہ یعنی جانشین بنے۔ خلیفۂ خلیفۂ رسول اللہ کا لقب لمبا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے لیے امیر المومنین کا لقب پسند فرمایا۔ ان کے پاس بھی جو کچھ تھا وہ راہِ خدا میں لٹا چکے تھے۔ جب خلیفہ بنے تو صحابہ نے ان کے اور کنبے کے گزارے کے لیے معمولی وظیفہ مقرر کر دیا۔ بعد میں خرچ کی تنگی کا اندازہ ہوا تو اس وظیفے کو بڑھانا چاہا۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے ذریعہ سے یہ رائے حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچائی

تو سخت خفا ہوئے۔ رسول پاک کی حد درجہ سادہ بلکہ تنگ معیشت کا ذکر کرکے کہا کہ آپ ایک اندازہ مقرر فرما گئے۔ خدا کی قسم۔ جب تک جیوں گا، آپ ہی کے طریقے پر چلوں گا اور وظیفہ میں کوئی اضافہ قبول نہ کیا۔

شام کی جنگیں

روم وایران سے لڑائیاں حضرت ابوبکرؓ ہی کے زمانے میں شروع ہو چکی تھیں۔ ہم پہلے شام کی لڑائیوں کا سرسری ذکر کرتے ہیں۔ رومی فوج فلسطین کے حاکم سرجیس کی سرکردگی میں حضرت ابوبکرؓ ہی کے زمانے میں یزیدؓ بن ابی سفیان سے لڑی اور تباہ ہو گئی۔ پھر قیصر نے اپنے بھائی کو بڑی بھاری فوج دے کر بھیجا۔ اسلامی فوج نے بصرے اور فحل فتح کر لیے۔ ستمبر ۶۳۵ء میں اہل دمشق نے صلح کے ساتھ شہر حوالے کر دیا۔ اہل شہر کے مال وجان کی حفاظت اور گرجوں کی سلامتی کا اقرار کر لیا گیا۔ پھر بعلبک، حمص، اور حما فتح ہو گئے۔ کئی مقامات کے لوگ رومیوں کے ظلم وستم سے اتنے تنگ آئے ہوئے تھے کہ اسلامی فوج پہنچتی تو وہ ڈھول بجاتے ہوئے پیشوائی کے لیے آتے۔

جنگ یرموک

قیصر نے بہت بڑی فوج مقابلے کے لیے تیار کی۔ اسلامی فوج مختلف شہروں میں بکھری ہوئی تھی۔ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ اسے یکجا کر لیا جاتا۔ چنانچہ فتح کئے ہوئے کئی مقامات چھوڑ دیے گئے۔ ۲۰۔ اگست ۶۳۶ء کو رومیوں اور مسلمانوں میں ایک خوفناک جنگ دریائے یرموک کے کنارے ہوئی۔ دریائے یرموک مشرقی سمت سے آتا ہے اور طبریہ جھیل کے جنوب میں دریائے اردن سے مل جاتا ہے۔ آج کل یہ دریا سلطنت شرق اردن میں شامل ہے۔ قیصر کی فوج اسلامی فوج سے کم از کم پانچ گنا تھی۔ حضرت خالدؓ نے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر جنگ کی۔ قیصر کے ہزاروں

آدمی مارے گئے۔ بعض روایتوں میں رومی مقتولوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار بیان کی گئی ہے۔ بہرحال جنگ یرموک دنیا کی چند فیصلہ کن لڑائیوں میں سے ہے۔ اس نے قیصر کی کمر ہمت توڑ ڈالی اور وہ ہمیشہ کے لیے شام کو چھوڑ گیا۔ چلتے وقت اس نے کہا: "الوداع اے شام، تو کتنی اچھی سرزمین ہے جو دشمن کے قبضے میں چلی گئی۔"

بیت المقدس کی حوالگی

عمروؓ ابن العاص نے فلسطین کے مختلف شہروں کو فتح کر کے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا تھا۔ کچھ مدت کے بعد اہل شہر حوالگی پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن یہ کہا کہ امیر المومنین خود آئیں اور اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کر دیں۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع دی گئی۔ آپ حضرت علیؓ کو مرکز میں اپنا قائم مقام بنا کر نہایت معمولی سروسامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ پہلے جابیہ گئے جو لشکر اسلام کا مرکز تھا، پھر بیت المقدس۔ لوگوں کو ایک امان نامہ لکھ کر دیا جس کے بڑے بڑے نکتے یہ تھے:۔

(۱) عیسائیوں کے گرجاؤں کا ڈھانا تو رہا ایک طرف ان کے احاطے کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا اور نہ کوئی مسلمان اس میں سکونت کرے گا۔

(۲) مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہ ہوگا۔ نہ ان کے مال میں کوئی کمی کی جائے گی۔

(۳) یونانی شہر سے نکل جائیں۔ ان کی جانیں اور مال محفوظ ہوں گے اگر وہ رہنا چاہیں تو جزیہ دیں۔ اور لوگ بھی یونانیوں کے ساتھ جانا چاہیں تو ان کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔

حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کے تمام مقامات دیکھے۔ بڑے گرجے میں گئے تو نماز کا وقت آگیا۔ عیسائیوں نے کہا کہ یہیں نماز

پڑھ لیں - فرمایا: نہیں مبادا لوگ آئندہ کے لیے اسے دلیل بنا لیں۔ باہر نکل کر نماز ادا کی - اس مقام پر اب تک مسجد موجود ہے اور مسلمانوں کی انتہائی رواداری اور حق شناسی کی شہادت دے رہی ہے -

فتح مصر اسی زمانے میں عمروؓ ابن العاص نے حضرت عمرؓ سے مصر پر حملے کی اجازت لے لی چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں مصر بھی فتح ہو گیا - شام اور مصر مشرقی رومی سلطنت کے نہایت زرخیز صوبے تھے - ان کی فتح نے رومی سلطنت کی شان و عظمت کا جھنڈا سرنگوں کر دیا جو چھ صدیوں سے بلند چلا آتا تھا -

اس سلسلے میں مسلمانوں پر الزام لگایا گیا کہ انھوں نے اسکندریہ کے کتب خانے کو جلا دیا تھا - یہ الزام سراسر غلط ثابت ہو چکا ہے - اب عیسائی مورخ بھی لکھتے ہیں کہ مصر کے یونانی بادشاہوں (بطلیموسی خاندان) نے پر عظیم الشان کتب خانہ جمع کیا تھا اسے جولئیس سیزر نے ۴۸ ق م میں برباد کیا - پھر جو کتابیں جمع ہوئیں - انھیں ۳۹۱ء میں قیصر روم نے تباہ کرا دیا - گویا اسلام کے ظہور سے دو ڈھائی سو برس پیشتر، یہ ساری علمی دولت بے نشان ہو چکی تھی -

جنگ قادسیہ ایران کی طرف اسلامی فوجوں کا زور کم ہو گیا تو ساسانیوں نے فوج تیار کر کے سخت حملہ کیا جس میں مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا - حضرت عمرؓ نے ادھر بھی توجہ مبذول کی اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو سپہ سالار بنا کر ایران کے محاذ پر بھیج دیا - اس طرف چھوٹی چھوٹی لڑائیاں کئی ہوئیں - بڑے معرکے صرف دو پیش آئے - ان میں سے پہلا معرکہ قادسیہؓ کا تھا جو

لہ دیکھو ہٹی کی تاریخ عرب صفحہ ۱۶۶

لہ قادسیہ نجف اشرف کے قریب ہے -

ہنچی ۶۳۵ء میں پیش آیا - ایرانی فوج بہت بڑی تھی - رستم اس کا سپہ سالار تھا جو بہادری میں یکتا مانا جاتا تھا - تین دن لڑائی جاری رہی - ایرانی فوج کے ہاتھیوں نے شروع شروع میں مسلمانوں کے لیے بڑی پریشانی پیدا کی لیکن بہادروں نے ہمت کر کے ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ دیں اور وہ پیچھے کی طرف بھاگے - اس لڑائی میں بیس ہزار ایرانی کھیت رہے - ان میں رستم بھی شامل تھا - اس ایک لڑائی نے پورے عراق عرب کو ایرانیوں سے خالی کر دیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص مدائن پہنچ گئے جو ایرانیوں کا پائے تخت تھا اور جہاں صدیوں سے ان کی دولت جمع ہو رہی تھی -

جنگ نہاوند

پھر ایرانی سپہ سالار مردان شاہ نے بھاری فوج تیار کی - اس فوج کے ساتھ عراق عجم میں نہاوند[۵] کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی (۶۴۲ء میں یعنی قادسیہ سے تقریباً چار برس بعد) ایرانی فوج ڈیڑھ لاکھ تھی - اس جنگ میں اسلامی فوج کے سپہ سالار نعمانؓ بن مقرن تھے - انھیں جنگ میں مہلک زخم لگے لیکن آس پاس کے لوگوں سے کہ دیا کہ لڑائی کے فیصلے تک کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو - مردان شاہ نے فاش شکست کھائی تیس ہزار ایرانی مارے گئے باقی بھاگ نکلے - مسلمانوں نے ہمدان تک پیچھا کیا - نعمانؓ اس وقت تک زندہ تھے - فتح کا مژدہ سنا تو فرمایا: الحمد للہ - اس کے ساتھ ہی جان دے دی - ان کی شہادت کی خبر سن کر حضرت عمرؓ بے اختیار رو پڑے -

---

۵ - نہاوند ایران کے شہر ہمدان کے قریب ہے - ہمدان کو پرانے زمانے میں اکبتانہ کہتے تھے -

فتح ایران

اس کے بعد ایران پر لشکر کشی شروع ہو گئی۔ اس کے تمام صوبے یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے۔ آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد بھاگتا ہوا مرو (ترکستان) پہنچا۔ وہاں اپنے کسی کے ہاتھ سے مارا گیا اور مشرق میں اسلامی حکومت کی سرحد سندھ پر پہنچ گئی۔ ایک امریکی مورخ نے لکھا ہے:

ساتویں صدی مسیحی کی پہلی تہائی میں اگر کوئی شخص یہ پیشگوئی کرنے کی جرأت کرتا کہ عرب کی غیر متمدن اور غیر معروف سرزمین سے اچانک ایک نادیدہ طاقت ظہور پذیر ہوگی۔ جو اس عہد کی دو عالمگیر طاقتوں سے ٹکرا جائے گی، ایک — ساسانی طاقت کی پوری میراث سنبھال لے گی اور دوسری — رومی طاقت — کے زرخیز ترین صوبے چھین لے گی تو اسے پاگل اور دیوانہ قرار دیا جاتا۔ لیکن یہی پیش آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا کی وفات کے بعد عرب کی بنجر سرزمین جادو کے ذریعہ سے ان بہادروں کی پرورش گاہ بن گئی۔ جن کی نظیر کمیت و کیفیت کے اعتبار سے کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔ عراق، ایران، شام اور مصر میں خالدؓ ابن ولید اور عمرو ابن العاص کی فوجی مہمیں، تاریخ کارزار کی ان مہموں میں شامل ہیں، جن کو انتہائی حسن تدبیر سے پایہ تکمیل پر پہنچایا گیا اور نپولین، ہنی بال یا اسکندر کے جنگی کارناموں سے ہر حالت میں بڑھی ہوئی ہیں۔

حضرت عمرؓ کی شہادت

ذوالحجہ کی ۲۳ھ کی آخری تاریخوں میں فیروز نام ایک پارسی غلام نے حضرت عمرؓ پر اچانک خنجر سے وار کیا جب آپ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور پے در پے چھ زخم لگائے۔ انھیں زخموں کے باعث یکم محرم

سنہ ۲۴ھ کو وفات پائی ۔ لوگوں کے اصرار سے چھ شخصوں کو نامزد کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا لیا جائے ۔ پھر حضرت عائشہؓ سے رسول پاک کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت لی ۔ آخر میں فرمایا کہ میں نے خلافت کے زمانے میں جتنا وظیفہ لیا، اس کا حساب کیا جائے اور یہ رقم میرے متروکہ مال سے ادا کی جائے ۔ وہ مال کافی نہ ہو تو میرے خاندان والوں سے مدد لی جائے ۔ یہ پوری رقم امیر معاویہ نے ادا کی اور اس کے بدلے میں حضرت عمرؓ کا مکان لے کر وقف کر دیا جو اب تک موجود ہے ۔

نظام خلافت

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جو جمہوری نظام شروع ہوا تھا حضرت عمرؓ نے اس کی بنیادیں خوب مضبوط کر دیں ۔ ان کا اپنا ارشاد ہے کہ خلیفہ کا حق بیت المال میں اتنا ہی ہے جتنا کہ ایک یتیم کے مربی کا یتیم کے مال میں اس سے زیادہ نہیں اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا ۔ حاجت مند ہوں گا تو صرف اتنا لوں گا جس سے معمولی کھانا پینا چل سکے ۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میرے اوپر عوام کے کئی حق ہیں ۔ مثلاً یہ کہ مجھ سے پوچھیں میں نے خراج اور مال غنیمت بے جا طور پر تو جمع نہیں کیا اور میرے ہاتھ سے جو کچھ خرچ ہوا بے جا تو خرچ نہیں ہوا ۔ ایک حق یہ ہے کہ میں لوگوں کے روزینے بڑھاؤں ، ملکی حدوں کو مضبوط بناؤں اور عوام کے لیے کوئی خطرہ نہ پیدا ہونے دوں ۔

آج جمہوری حکومتوں میں ملک کی آمد و خرچ پر نکتہ چینی کے جو حقوق نمائندگان ملک کو حاصل ہیں، ان میں سے کون سا حق ہے جو حضرت عمرؓ کے بیان فرمائے ہوئے حقوق کے برابر پہنچتا ہے ؟

دیانت داری کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ بیمار پڑے ۔ طبیب نے

شہد تجویز کیا۔ بیت المال سے شہد اس وقت تک نہ لیا جب تک اپنی ضرورت بتا کر مسلمانوں سے اجازت نہ منگالی۔

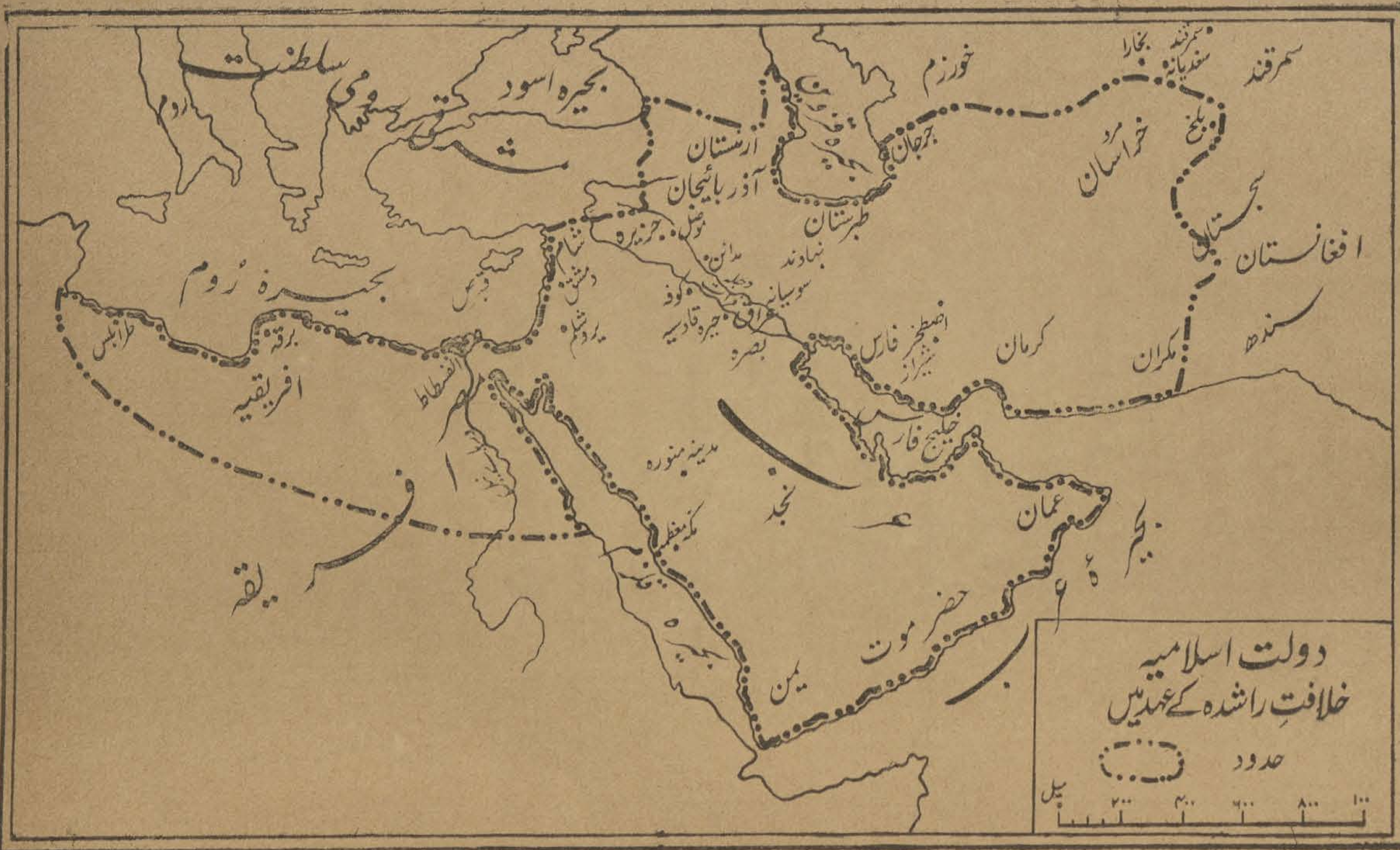
حکومت کے ارکان

حضرت عمرؓ کے عہد میں سلطنت کی حدیں بہت پھیل گئی تھیں۔ نئے صوبے بھی بہت بن گئے تھے۔ آپ نے ہر صوبے میں جو بڑے بڑے عہدیدار مقرر کیے ان کی کیفیت یہ ہے: (۱) صوبیدار (والی) (۲) کاتب (میر منشی) (۳) کاتب دیوان یعنی فوج کا میر منشی (۴) صاحب الخراج (کلکٹر) (۵) افسر پولیس (۶) افسر خزانہ (۷) قاضی (جج)

افسروں کو مقرر کرتے وقت ان سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوں گے۔ باریک کپڑا نہ پہنیں گے۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائیں گے۔ دروازے پر دربان نہ رکھیں گے۔ پھر ہر عامل کی مالی حالت اور کاروبار کی کڑی نگرانی کرتے تھے۔

مختلف امور

حضرت عمرؓ نے زمین کی پیمائش کرا کے عُشر اور خراج کے ضوابط بنائے۔ مردم شماری کرائی۔ جیل خانے، سڑکیں، پل، مسجدیں۔ چھاؤنیاں اور مہمان خانے بنوائے۔ مکے اور مدینے کے درمیان ہر منزل پر چوکیاں اور سرائیں بنوائیں۔ ہر مقام پر پانی کا انتظام کیا۔ زراعت کی ترقی کے لیے نہریں کھدوائیں۔ موزوں مقامات پر نئے شہروں کی بنیاد رکھی۔ مثلاً کوفہ و بصرہ، عراق میں، فسطاط مصر میں جس کے پاس بعد میں قاہرہ بنا۔ نینوئے کے پاس موصل۔ فوج کی تنظیم کی۔ ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا سرکاری ملتا تھا۔ رسالے کے گھوڑوں کے لیے چراگاہیں بنوائیں۔ غرض ان کے عہد میں حکومت کے تمام صیغے خوب منتظم ہو گئے۔



دولت اسلامیہ
خلافتِ راشدہ کے عہد میں
حدود
میل
سمرقند
بخارا
خورزم
خراسان
مرو
بلخ
جرجان
طبرستان
آرمنستان
آذربائیجان
بحیرہ اسود
سلطنت رومی
بحیرہ روم
افغانستان
سندھ
مکران
کرمان
فارس
اصطخر
شیراز
خلیج فارس
بصرہ
کوفہ
مدائن
نہاوند
موصل
جزیرہ
شام
دمشق
قبرس
برقہ
طرابلس
افریقیہ
فسطاط
مصر
مدینہ منورہ
مکہ معظمہ
نجد
عمان
حضرموت
یمن
افریقہ

شخصیت حضرت عمرؓ کے اخلاق و عادات اور فضیلتوں کے بیان کے لیے دفتر درکار ہے۔ اتنی بڑی سلطنت کے مالک ہونے کے بعد بھی ان کی سادگی میں فرق نہ آیا۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے۔ موٹے آٹے کی روٹی کھاتے۔ اگرچہ ان کے ہاتھ سے ہزاروں روپے لوگوں میں تقسیم ہوتے تھے۔ حبِ رسولؐ کمال پہ پہنچی ہوئی تھی۔ اتباع سنت کا عشق تھا۔ جہاں تک ہوتا خود وقت بے وقت پھر پھر کر لوگوں کے حالات کو دیکھتے۔ کسی کو ذرا بھی تکلیف ہوتی تو فوراً دور کرتے۔ امت کی خدمت کے کسی کام میں بھی تامل نہ تھا۔ زہد و قناعت کا اندازہ صرف حضرت امام حسنؓ کے اس ارشاد سے کرو۔ فرماتے ہیں: حضرت عمرؓ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے میں نے ان کے تہبند کے پیوند گنے تو بارہ نکلے۔ اپنے قبیلے کے لوگوں کو کبھی عہدہ نہ دیا۔ خلافت کے لیے لوگوں کو نامزد کیا تو اپنے فرزند عبداللہ تک کو چھوڑ دیا حالانکہ علم و فضل اور تقوے میں وہ بہت بلند تھے۔ نمونہ یہ قائم کرنا چاہتے تھے کہ خلیفہ کو ایسا ہونا چاہیے کہ اس کے بارے میں ذاتی نفع یا جانب داری کا برائے نام شبہ بھی کسی کے دل میں پیدا نہ ہو سکے۔

انیسواں باب

خلافت عثمانؓ

ابتدائی حالات حضرت عثمان بنو امیہ میں سے تھے جو بنو ہاشم کے بعد بنو عبد مناف کا دوسرا بڑا گھرانا تھا۔ حضرت

ابوبکرؓ کی تبلیغ سے اسلام کے آغاز ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے چچا نے بڑی تکلیفیں دیں، لیکن حضرت عثمان نے تمام تکلیفیں صبر سے برداشت کرلیں۔ آخر چچا نے خود ہار مان لی۔

رسول پاک نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کردی۔ جب ہجرت حبش کی اجازت ہوئی تو حضرت اپنی اہلیہ سمیت حبش چلے گئے تھے۔ جب مسلمان مدینے گئے تو ان میں سے غریبوں کو پانی کی بڑی تکلیف تھی۔ اس وقت میٹھے پانی کا ایک کنواں بیر رومہ تھا جو ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ رسول پاک نے فرمایا کون اسے خرید کر عام مسلمانوں پر وقف کر دیتا ہے۔ حضرت عثمان نے بارہ ہزار درم سے آدھا حصہ خرید کر وقف کر دیا۔ یہودی نے کچھ دیر بعد باقی نصف بھی آٹھ ہزار درم میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ بیچ دیا۔ یہ بہت بڑی اسلامی خدمت تھی جو اسلام کی غربت کے زمانے میں حضرت عثمانؓ نے انجام دی۔

پھر تبوک کے لیے فوج تیار ہوئی تو مسلمانوں پر بڑی تنگی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے دس ہزار سپاہیوں کے لیے اپنے پاس سے سامان دیا۔ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کیے۔ رسول پاک اتنے خوش ہوئے کہ فرمایا۔ آج کے بعد عثمان کا کوئی کام اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

جنگ بدر کے زمانے میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوگیا تو رسول پاک نے اپنی تیسری صاحبزادی (ام کلثومؓ) کو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دے دیا۔ چونکہ رسول پاک کی دو صاحبزادیاں حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچیں۔ اس وجہ سے ذوالنورین (دو نوروں والے) مشہور ہوئے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول پاک نے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر

کے بھیجا تھا - افواہ اڑی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا - رسُول پاک نے یہ یہ سن کر چودہ سو صحابہ سے موت پر بیعت لی - یہ بیعت رضوان کہلاتی ہے - حضرت عثمانؓ کی طرف سے خود اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت کی -

خلافت اور فتوحات پہلی دو خلافتوں میں مشیر کے طور پر کام کرتے رہے - حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کو خلافت کے لیے نامزد کیا تھا - سعدؓ بن ابی وقاص - عبدالرحمٰنؓ بن عوف، طلحہؓ، عثمانؓ، زبیرؓ اور علیؓ - عبدالرحمٰنؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ پہلے امیدواروں کی تعداد گھٹائی جائے - اور ہر شخص اپنی طرف سے ایک آدمی کے حق میں نام واپس لے لے - سعدؓ نے عبدالرحمٰن کا نام پیش کیا - عبدالرحمٰن نے اپنا نام واپس لے لیا - طلحہؓ نے عثمانؓ کا زبیرؓ نے علیؓ کا نام تجویز کیا - اس طرح چار امیدوار حذف ہو گئے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے - عبدالرحمٰنؓ نے لوگوں سے فرداً فرداً مشورے کے بعد حضرت عثمانؓ کے حق میں فیصلہ کیا -

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کے اہم واقعات یہ ہیں :-

(۱) ایران کی فتح مکمل ہوئی - خراسان، طبرستان، طخارستان وغیرہ علاقے اسلام کے زیر نگین آ لے -

(۲) مغربی سمت میں طرابلس الغرب فتح ہوا - ٹیونس الجزائر اور مراکش پر پیش قدمی شروع ہو گئی -

(۳) رومیوں نے ایک حملہ کیا - انھیں شکست دے کر بھگا دیا گیا -

(۴) بعض علاقوں میں بغاوتیں ہوئیں جنھیں فرو کر دیا گیا -

(۵) انطاکیہ اور طرسوس کے درمیان مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم کی گئیں -

(۶) مرو رود، طالقان، فاراب اور جوزجان فتح ہوئے

بحری جنگیں

حضرت عثمانؓ ہی کے عہد میں شام کے گورنر امیر معاویہؓ اور مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح نے بحری بیڑے تیار کیے۔ امیر معاویہ نے جزیرہ قبرص (سائپرس) پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ سنہ ۳۱ھ (۶۵۱ء، ۶۵۳ء) میں رومی پانچ سو جہازوں کا بیڑا لے کر ساحل شام پر حملہ آور ہوئے، امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن ابی سرح کے بیڑوں نے مل کر مقابلہ کیا۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ اسلامی بیڑے نے شاندار فتح حاصل کی۔ رومیوں کے بہت سے جہاز تباہ ہو گئے۔ صرف تھوڑے سے باقی بچے جو بھاگ کر نکلے۔ امیر معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر بھی حملہ کیا۔

فتنوں کا آغاز

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے چھ سال بڑے اطمینان سے گزر گئے۔ پھر فتنے اٹھنے لگے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو قومیں نئی نئی مسلمان ہوئی تھیں۔ اسلام ان کے دل میں نہیں اترا تھا۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو میدان جنگ میں شکست کھا کر سر جھکانے پر مجبور ہو گئے لیکن ان کے دلوں میں عداوت کی آگ سلگتی رہی۔ انھوں نے مسلمانوں کے بھیس میں امت کے منہ پر پھوٹ اور تفرقے کے دروازے کھول دیے۔ کبھی کوئی اعتراض کر دیا۔ کبھی کوئی سوال اٹھا دیا۔ کبھی کسی سے کہہ دیا فلاں کام ٹھیک نہیں ہو رہا۔ سادہ لوح لوگ ان کے فریب میں آ گئے۔ حضرت عثمانؓ بڑے نیک، نرم دل اور حلیم بزرگ تھے، وہ کسی پر بھی سختی کے روادار نہ تھے۔ اس وجہ سے فتنہ انگیزوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ ان میں سب سے بڑا مفتنی عبداللہ ابن سبا نام ایک یہودی تھا، جو ظاہر میں مسلمان بن گیا تھا۔

سرکشی کا زور

حضرت عثمانؓ پر جو الزام لگائے جاتے تھے ۔ ان کی تحقیقات بھی ہوئی ۔ اور سب الزام غلط ثابت ہوئے۔ لیکن فتنے کی آگ نہ دبی ۔ موقع پاکر کوفے، بصرے اور مصر کے شریروں نے آپس میں بات پکی کر لی اور ظاہرا حج کے ارادے سے اپنے اپنے مرکزوں سے نکل کر مدینے پہنچ گئے اور حضرت عثمانؓ سے خلافت چھوڑ دینے کا مطالبہ کیا ۔ حضرت عثمانؓ ایک گروہ کے کہنے پر خلافت کیوں کر چھوڑ سکتے تھے ۔ ایک موقع پر حضرت عثمانؓ خطبہ دے رہے تھے ۔ شریر پتھر برسانے لگے یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ زخمی ہو کر گر گئے ۔

بعض صحابیوں نے رائے دی کہ فوج بلالی جائے ۔ حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا اور فرمایا: میں مسلمانوں کے درمیان لڑائی کرانے کو تیار نہیں اور رسولِ خدا کے حرم میں خون نہ بہنے دوں گا ۔ یہ رائے بھی دی گئی کہ مدینے سے نکل کر شام چلے جائیں ۔ فرمایا: میں رسولِ خدا کا پڑوس نہیں چھوڑ سکتا ۔ مکے جانے سے بھی اس لیے انکار کر دیا کہ مبادا وہاں خون بہنے کی نوبت آئے اور اس طرح مکے کی حرمت کو نقصان پہنچے ۔

شہادت

حالات بہت بگڑ گئے ۔ حضرت علیؓ اور بعض دوسرے بزرگوں نے اپنے فرزندوں اور عزیزوں کو حضرت عثمانؓ کے دروازے پر بٹھا دیا تھا تاکہ کوئی شریر اندر نہ گھس سکے ۔ اس نیک نفس بزرگ پر پانی بھی بند کر دیا گیا جس نے بیس ہزار درم خرچ کر کے مسلمانوں کے لیے پانی کا انتظام کیا تھا ۔ آخر چند شریر گھر کے پیچھے سے چھت پر چڑھ کر اندر کود ے اور رسولِ پاک کے تیسرے جانشین حضرت ذوالنورین کو تلاوتِ قرآن کی حالت میں شہید کر دیا ۔ حرم پاک میں قیامت برپا ہو گئی ۔ چھوٹے بڑے ڈاڑھیں مار مار کر روئے ۔ حضرت عثمانؓ کے پاک خون سے جو کرتا رنگین ہوا تھا ، وہ شام میں امیر معاویہؓ کے پاس

پہنچا۔ لوگوں نے یہ کرتا دیکھا تو ہر طرف ماتم کی صف بچھ گئی۔

حضرت عثمانؓ نے ایک موقع پر باغیوں سے کہا تھا کہ میں نے حالات کی اصلاح میں پوری کوشش کی۔ انسان ہوں لغزشیں بھی ہو گئی ہوں گی لیکن:

"اگر مجھے قتل کرو گے تو پھر نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔ یہ پیشگوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

حکومتیں

حضرت عثمانؓ حج کے مہینے کی اٹھارھویں تاریخ (۳۵ھ) شہید ہوئے۔ باغی اس طرح مدینے پر مسلط ہو گئے تھے۔ کہ تین روز تک جنازہ پڑا رہا اور کسی کو دفن کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ تیسرے روز بعض اصحاب نے خفیہ خفیہ جنازہ اٹھایا، نماز پڑھی اور مدینے کے مشہور قبرستان، جنت البقیع سے باہر ایک گوشے میں دفن کر کے قبر کا نشان مٹا دیا دیا تاکہ کوئی شریر میت کی بے حرمتی نہ کرے۔

سیرت اور خلافت

حضرت عثمانؓ بڑے ہی حلیم۔ نرم دل، نیک اور معاف کر دینے والے بزرگ تھے۔ ان کی دولت بے دریغ اسلام کی راہ میں خرچ ہوئی۔ چونکہ مال دار تھے اس لیے خلافت کے زمانے میں بیت المال سے ایک کوڑی بھی نہ لی۔ حیا کا یہ عالم تھا کہ رسول پاک نے ایک مرتبہ فرمایا "عثمانؓ کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں"۔ گھر میں اگرچہ بیسیوں نوکر چاکر تھے، تہجد کے لیے اٹھتے تو کسی کو نہ جگاتے خود ہی وضو کے لیے پانی لے لیتے۔ بڑے فیاض تھے۔ غریبوں اور اہل خاندان کی امداد دل کھول کر کرتے رہے۔

ان کے عہد میں فوج کی تنظیم بہت اعلیٰ پیمانے پر پہنچ گئی فتوحات بھی خاصی ہوئیں۔ جنگی بیڑا پہلے پہل انھیں کے زمانے میں تیار ہوا۔ رفاہ عام کے بہت سے کام کیے۔ نئے بند بنوائے تاکہ زراعت کو ترقی ہو۔ مسجد النبیؐ

ابتدا میں بہت چھوٹی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی جا میں کسی قدر بڑھائیں لیکن رسول پاک کے زمانے کی سادگی میں فرق نہ آنے دیا۔ حضرت عثمانؓ نے مسجد کو بہت بڑھا دیا اور پوری مسجد پتھروں سے بنوائی۔

بیسواں باب

خلافت علیؓ مرتضیٰ

ابتدائی حالات حضرت علیؓ رسول پاک کے چچیرے بھائی تھے، لیکن پوری تربیت رسول پاک کی آغوش رحمت میں پائی ابوطالب نے رسول پاک کی پرورش کی تھی اور نبوت کے بعد تمام مصیبتوں میں سہارا بنے رہے۔ خود بھی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ کثیر العیال تھے اور ہاتھ تنگ تھا۔ رسول پاک ان کے فرزندوں میں سے حضرت علیؓ کو اپنے گھر لے آئے۔ حضرت عباسؓ دوسرے فرزند حضرت جعفرؓ کو اپنے گھر لے گئے۔

حضرت علیؓ نبوت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے۔ نوعمروں میں سب سے پہلے مسلمان وہی تھے۔ جب رسول پاک کو علانیہ دعوت اسلام دینے کا حکم ہوا تو خاندان ہاشم کے لیے ایک دعوت کا انتظام کیا گیا۔ حضرت علیؓ اگرچہ اس وقت صرف تیرہ برس کے تھے لیکن انھوں نے سارا انتظام کیا اور رسول پاک کی دعوت پر خاندان میں سے وہی لبیک کہہ کر کھڑے ہوئے۔ ہجرت کے موقع پر حضرت علی نے جان نثاری اور فداکاری کا جو بے مثال مظاہرہ کیا۔ اس کا حال ہم رسول پاک کی سیرت میں بیان کر چکے ہیں۔

شادی اور غزوات رسول پاک کی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النسا

حضرت فاطمہؓ تھیں۔ ہجرت کے دوسرے سال رسولِ پاک نے ان کی شادی حضرت علیؓ سے کردی۔ اور دو جہان کی صاحبزادی کا جہیز یہ تھا: ایک چارپائی۔ ایک بستر۔ ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ۔

حضرت علیؓ شجاعت کا پیکر تھے۔ تمام غزوات میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ بدر میں دشمن نے مبارزت کی صدا لگائی تو جو لوگ پہلے آگے بڑھے ان میں حضرت علیؓ بھی تھے۔ احد میں بھی بڑی مردانگی سے لڑے۔ خندق میں ابن عبدود کو حضرت علیؓ ہی نے مارا تھا اور خیبر کا سب سے بڑا قلعہ حضرت علیؓ ہی نے فتح کیا تھا۔

خلافت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک خلافت کا منصب خالی رہا۔ سب کی نظریں حضرت علیؓ پر پڑتی تھیں لوگ اصرار کرتے تھے کہ آپ خلافت قبول کرلیں لیکن آپ انکار فرماتے رہے۔ بڑی ردوکد کے بعد آپ اس خیال سے یہ بارگراں اٹھانے پر رضامند ہوئے کہ امت کی وحدت کا شیرازہ بکھرنے کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا۔ چنانچہ حج کے مہینے کی اکیسویں تاریخ (۲۰- نومبر ۶۵۶ء) کو پیر کے دن مسجد النبیؐ میں آپ کی بیعت ہوئی۔ اس وقت حالات بڑے نازک تھے۔ فتنے سر اٹھا چکے تھے۔ گروہ بندیاں شروع ہوگئی تھیں نظم و نسق کا ڈھانچہ بگڑ چکا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا معاملہ

سب سے پہلا کام یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلا کر انھیں قرار واقعی سزا دی جاتی۔ حضرت علیؓ نے بیعت کے ساتھ ہی قاتلوں کا کھوج لگانا شروع کردیا۔ قتل کی چشم دید گواہ صرف حضرت عثمانؓ کی اہلیہ تھیں۔ وہ حضرت محمد بن ابی بکرؓ کے سوا کسی کو پہچانتی نہ تھیں حضرت محمد بن ابی بکرؓ سے پوچھا گیا تو انھوں نے صاف صاف بتا دیا کہ میں ضرور قتل کے ارادے سے گھر میں گھسا تھا لیکن حضرت عثمانؓ

کی ایک بات سے شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ اصلی قاتل دو اور آدمی تھے جنھیں میں بھی نہیں پہچانتا۔ حضرت عثمانؓ کی اہلیہ نے بھی یہی گواہی دی کہ محمدؓ بن ابی بکرؓ قاتل نہ تھے۔ اس طرح سارا معاملہ مشتبہ ہو کر رہ گیا۔

نظم و نسق کا آغاز

اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کے لیے یہ ضروری کام تھا کہ نظم و نسق کے بارے میں اعتماد و اطمینان کی جو روح زائل ہو چکی تھی، اسے نئے سرے سے پیدا کرتے۔ اس کی بہترین تدبیر یہی تھی کہ حضرت عثمانؓ کے عہد کے تمام حاکموں اور کارکنوں کو الگ کر کے نئے حاکم مقرر کریں تاکہ عام لوگوں کو یقین ہو جائے کہ حالات کو درست کرنے کا کام شروع ہو چکا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ افراتفری پیدا ہو گئی۔ خصوصاً شام کے لیے جو گورنر مقرر ہوا تھا۔ امیر معاویہ نے اسے راستے ہی سے لوٹا دیا۔ یہ نئے جھگڑوں کے آغاز کا نشان تھا۔ حضرت علیؓ ان جھگڑوں کو بہ آسانی مٹا سکتے تھے اور انھوں نے مٹانے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ اچانک ایک نیا قضیہ کھڑا ہو گیا۔

جھگڑا بڑھ گیا

حضرت عائشہؓ حج کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تھے وہ حج سے لوٹیں تو راستے میں مدینے کے آدمی ملے۔ انھوں نے سارے حالات بتائے یہ بھی کہا کہ مدینے میں فتنے کا بازار گرم ہے۔ حضرت عائشہ یہ سن کر مکے لوٹ گئیں۔ اس اثنا میں طلحہؓ اور زبیرؓ بھی پہنچ گئے۔ مدینے میں حضرت علیؓ قاتلوں کی پوری تحقیق کرا چکے تھے اور کچھ سراغ نہیں ملا تھا۔ یہ تفصیلات باہر کے لوگوں کو معلوم نہ تھیں۔ ان سب کے دل پر یہ اثر ہوا کہ قاتلوں کو سزا دینے میں تامل کیا گیا۔ اس غلط فہمی کے باعث مختلف زبانوں پر یہ مطالبہ چڑھ گیا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔ حضرت عائشہؓ بھی اس آواز سے متاثر ہوئیں۔ وہ حالات کی اصلاح کے لیے مدینے جانا چاہتی تھیں لیکن لوگوں

نے اصرار کیا کہ عراق پہنچ کر بدلے کا مطالبہ کرنا چاہیے۔

حضرت علی کا سفر عراق

یہ سارے حالات سنے تو حضرت علیؓ بھی اس بات پر مجبور ہو گئے کہ شام کے قضیہ کو ملتوی کر کے عراق کا رخ کریں۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ مدینہ نہ چھوڑیے۔ لیکن حضرت علی نے فرمایا کہ اگر عراق پر مخالفوں کا تسلط ہو گیا تو بہت دشواری پیش آئے گی، لہٰذا وہ روانہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ عراق پہنچ گئے تو دونوں فریقوں پر حقیقی حالات واضح ہو گئے اور صلح کی گفتگو چھڑی۔ دونوں فریقوں کے نیک نیت آدمیوں کی خواہش یہی تھی۔ لیکن جن کی نیت میں کھوٹ تھا، وہ چاہتے تھے کہ صلح نہ ہونے دیں الغرض جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ اٹھایا تھا۔ ان کی خیر اسی میں تھی کہ جھگڑا جاری رہے۔ اگر صلح ہو جاتی تو ان کے جرموں کی پرسش شروع ہو جاتی۔

جنگ جمل

صلح کی بات چیت پکی ہو گئی تھی اور معاملہ طے ہونے والا تھا کہ شریروں نے حضرت عائشہؓ کے ساتھیوں پر اچانک شبخون مارا۔ ادھر یہ سمجھا گیا کہ عہد صلح کو توڑ کر لڑائی شروع کر دی گئی اِس کا نتیجہ جنگ جمل تھی۔ اسے جنگ جمل اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ ایک اونٹ پر آہنی ہودے میں سوار تھیں اور یہی اونٹ حضرت عائشہؓ کی سمت کے آدمیوں کا نشان جنگ تھا۔ اس کی حمایت میں سیکڑوں آدمیوں نے بے دریغ جانیں قربان کر دیں۔ طلحہؓ اور زبیرؓ بھی حضرت عائشہؓ کی جانب سے شریک تھے۔ زبیرؓ کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو وہ جنگ سے الگ ہو گئے۔ اسی طرح طلحہؓ نے دست کشی اختیار کر لی۔ دشمنوں نے دونوں کو شہید کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کو حضرت علی بصرے میں لے گئے۔ چند دن وہاں رہیں پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔ حضرت علیؓ خود چند میل تک ساتھ گئے۔ اس کے بعد کوفہ خلافت اسلامی کا مرکز بن گیا۔

جنگ صفین

ادھر جھگڑا ختم ہو گیا، ادھر امیر معاویہ بدستور حضرت عثمانؓ کے خون کے دعوے دار بنے رہے۔ بیچ بچاؤ کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر صفین کے مقام پر حضرت علیؓ اور امیر معاویہ میں جنگ ہوئی۔ امیر معاویہ نے دریا کے گھاٹ پر قبضہ کر لیا تھا۔ تاکہ حضرت علیؓ کی فوج کو پانی نہ مل سکے لیکن جب گھاٹ حضرت علیؓ کے قبضے میں آگیا تو انھوں نے شامی فوج کو پانی لینے کی اجازت دے دی۔ اس موقع پر پھر نیک دل اصحاب تین مہینے تک صلح کی کوششیں کرتے رہے۔ آخر لڑائی ہوئی۔ جب حضرت علیؓ کی کامیابی میں کوئی شبہ نہ رہا تو فوج مقابل نے قرآن پاک نیزوں پر باندھ لیے، گویا یہ ظاہر کیا کہ ہم قرآن پاک کی بناء پر فیصلے کے لیے تیار ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے رہے کہ یہ محض ایک چال ہے۔ لیکن کئی گروہ بول اٹھے کہ اگر قرآن پاک بیچ میں لے آنے کے بعد بھی جنگ نہ روکی گئی تو ہم الگ ہو جائیں گے۔

ثالثی

غرض جنگ رک گئی اور پھر بات چیت شروع ہو گئی۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی طرف سے ایک ایک ثالث مقرر ہو جائے۔ ان کے فیصلے کو فریقین مان لیں۔ حضرت علیؓ کی طرف سے ابو موسیٰؓ اشعری اور امیر معاویہؓ کی طرف سے عمروؓ ابن العاص ثالث بنے۔ ابو موسیٰؓ اشعری حضرت علیؓ کی فضیلتوں کے معترف تھے اور امیر معاویہؓ کو خلافت کے لیے موزوں نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جھگڑے کو مٹانا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے کہا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو الگ کر کے عبداللہؓ بن عمر کو خلیفہ بنا لینا چاہیئے اور اس غرض کے لیے نئے سرے سے مجلس شوریٰ بیٹھے۔ عمروؓ ابن العاص نے کہا کہ پہلے آپ اس فیصلے کا اعلان کریں۔ ابو موسیٰؓ اشعری نے کہا: ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا۔ مجلس شوریٰ نئے سرے سے بیٹھے۔

یہ اعلان ہو چکا تو عمرو ابن العاص بولے: میں بھی علیؓ کو معزول کرتا ہوں اور معاویہؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں۔ ابو موسیٰؓ اس بد عہدی پر اتنا مکدر ہوئے کہ پھر عمر بھر گوشہ نشین رہے۔

غرض جھگڑا جہاں تھا وہیں رہا۔

خوارج

اس ثالثی کو قبول کر لینے پر حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے ایک بڑی جماعت الگ ہو گئی۔ انھوں نے دعوے کیا کہ فیصلے کا حق صرف خدا کو ہے۔ لا حکم الا للہ۔ ثالثی کے فیصلے پر راضی ہو جانے کی مذمت شروع کر دی۔ یہ خارجی تھے۔ انھوں نے اپنی ایک الگ جماعت بنالی۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خلافت ایک دینی معاملہ ہے۔ دینی معاملات میں خدا کے سوا کسی کو ثالث تسلیم کرنا کفر ہے۔ ان ثالثوں کو مقرر کرنے والے کافر ہیں۔ جو شخص اس عقیدے سے اختلاف کرے، وہ گردن زدنی ہے۔ یہ لوگ تلوار کے زور سے اپنا عقیدہ پھیلانے لگے اور قتل کا بازار گرم کر دیا۔ خارجیوں کا مرکز نہروان تھا۔ حضرت علیؓ کو ان کی گوشمالی کرنی پڑی۔ پہلے آدمی بھیج کر سمجھانے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا تو فوج لے کر بڑھے۔ خوارج بڑی دلیری سے لڑے لیکن شکست کھا گئے۔ اس معرکے کو جنگ نہروان کہتے ہیں۔

مصر کا معاملہ

حضرت علیؓ نے خلیفہ بنتے ہی مصر پر قیسؓ بن سعد انصاری کو حاکم بنا کر بھیجا تھا۔ انھوں نے حسن تدبیر سے کام لے کر ہر مقام پر لوگوں سے بیعت لے لی۔ صرف ایک بڑا قصبہ رہ گیا۔ وہاں کے لوگوں نے کہا کہ جھگڑا ختم ہو جائے تو ہم سے بیعت لیجیے۔ خراج لیتے جائیے۔ قیسؓ نے یہ بات مان لی۔

امیر معاویہؓ کو قیسؓ کو اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے ایک عجیب تدبیر اختیار کی۔ خود افواہ اڑا دی کہ قیس میرے

ساتھ ہیں۔ حضرت علیؓ کے مشیروں نے اس افواہ کو خوب رنگ آمیزی سے پیش کیا اور اس کے ثبوت میں یہ بات کہی کہ فلاں قصبے سے اب تک بیعت نہیں لی گئی۔ حضرت علی بھی متاثر ہوئے اور حکم دیا کہ اس قصبے والوں سے جنگ کی جائے۔ قیسؓ نے استعفا دے دیا۔ حضرت علی نے محمدؓ بن ابی بکرؓ کو مصر کا گورنر بنا دیا۔ انھوں نے جاتے ہی قصبہ والوں سے جنگ چھیڑ دی۔ امیر معاویہؓ نے اس حالت سے فائدہ اٹھا کر عمروؓ بن العاص کو مصر بھیج دیا۔ محمد بن ابی بکرؓ نے شکست کھائی۔ مصر پر معاویہؓ کا قبضہ ہو گیا۔

شہادت

یہ حالات تھے جب خارجیوں نے حج کے موقع پر جمع ہو کر خفیہ خفیہ یہ فیصلہ کیا کہ جب تک علیؓ، معاویہؓ اور عمرو ابن العاص زندہ ہیں، دنیائے اسلام کو خانہ جنگی سے نجات نہ ملے گی۔ ان تینوں کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔ تین خارجیوں نے ایک ایک کے خاتمے کا ذمہ اٹھایا۔ حضرت علیؓ کو ختم کرنے کی بدبختی عبدالرحمٰن ابن ملجم کے حصے میں آئی۔ ہجرت کا چالیسواں سال تھا۔ رمضان کا مہینا تھا۔ تینوں خارجیوں نے اپنے اپنے شکار پر حملے کیے۔ دن اور وقت مقرر کر لیا تھا۔ امیر معاویہؓ پر دمشق میں حملہ ہوا۔ وار اوچھا پڑا اور وہ بچ گئے۔ عمرو ابن العاص پر فسطاط (مصر) میں حملہ ہونے والا تھا لیکن مقررہ دن پر وہ اتفاق سے امامت کے لیے مسجد نہ آسکے۔ حضرت علیؓ پر کوفے میں وار ہوا۔ سر پر سخت زخم لگا۔ تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا۔ ۲۰۔ رمضان ۴۰ھ (۲۷ر جون ۶۶۱ء) کی رات کو فقر و شجاعت کا یہ درخشاں سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

عہدِ خلافت

حضرت علیؓ صرف چار برس اور نو مہینے مسندِ خلافت کی زینت بنے۔ یہ ساری مدت باہمی جھگڑوں اور لڑائیوں میں بسر ہو گئی۔ جھگڑے پیدا نہ ہوتے تو یقین تھا کہ نظم و نسق میں پہلی

امت کی بھلائی کی غرض سے شروع کی تھیں۔ لیکن آہستہ آہستہ لوگوں میں گروہ بندی کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا اور امت کی قوت باہمی رزم وپیکار میں ضائع ہو رہی تھی۔ امیر معاویہ کے مقابلے کے لیے تو نکلے لیکن اپنے دل میں پختہ فیصلہ کر چکے تھے کہ موقع پاتے ہی خود خلافت سے دست بردار ہو جائیں اور آئے دن کی خونریزیوں کو ختم کر دیں۔

ایک تقریر

ایک موقع پر امام حسنؓ نے فرمایا:

لوگو! میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا۔ تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے اپنی ذات دیکھتا ہوں۔ میں تم لوگوں کے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں، امید ہے اسے رد نہیں کرو گے۔ جس اتحاد اور یک جہتی کو تم ناپسند کرتے ہو۔ وہ اس تفرقے اور اختلاف سے بدرجہا بہتر ہے جسے تم قائم رکھنا چاہتے ہو۔

دست برداری

بہ ہر حال امام حسنؓ نے صلح کی مناسب شرطیں طے کرالیں۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے ایک سادہ کاغذ پر دستخط کر کے امام حسنؓ کو اختیار دے دیا تھا کہ جو شرطیں چاہیں لکھ لیں۔ پھر امیر معاویہ نے زبانی بھی ان شرطوں کی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد بہ سر عام خلافت سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔ اس موقع پر جو تقریر کی۔ اس میں فرمایا:

یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہ کے درمیان جھگڑے کا باعث بنا ہوا ہے۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا ہم اس کے حق دار ہیں۔ یا یہ معاویہؓ کا حق

ہے۔ میں دونوں صورتوں میں اسے چھوڑتا ہوں۔ غرض صرف یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ وعلیہ وسلم) کی امت میں پھوٹ باقی نہ رہے اور لوگ آپس کی لڑائی اور خونریزی سے بچے رہیں۔

اس طرح وہ پیشگوئی پوری ہوگئی جو رسول پاک نے حضرت حسنؓ کے بارے میں فرمائی تھی کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گی۔

خلافت راشدہ ختم

امام حسن صرف چند مہینے خلیفہ رہے۔ ان کی دست برداری پر خلافت راشد ختم ہو گئی اور اس خلافت کا آغاز ہوا جسے خلافت ملوکیت کہتے ہیں یعنی وہ خلافت جس کی وضع قطع اور رنگ ڈھنگ بادشاہی کا تھا۔ بنو امیہ، بنو عباس اور عثمانی ترکوں کی خلافت ہر لحاظ سے بادشاہی تھی۔ بنو امیہ کے عہد میں عربیت کی روح باقی تھی۔ بنو عباس کے عہد میں یہ روح بھی زائل ہوگئی اور ٹھیٹھ عجمیت آگئی۔

حضرت حسنؓ کی سیرت

حضرت حسنؓ دست برداری کے بعد نو برس زندہ رہے۔ یہ ساری مدت مدینہ میں گزاری معمول یہ تھا کہ فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک مصلے پر رہتے۔ پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور آنے جانے والوں سے ملتے۔ چاشت کی نماز پڑھ کر امہات المومنین کے سلام کے لیے جاتے۔ گھر ہوتے ہوتے پھر مسجد میں پہنچ جاتے ضرورت مندوں کی امداد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔ فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ اپنے پورے مال کے دو حصے کیے۔ ایک حصہ راہ خدا میں دے دیا۔ ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک

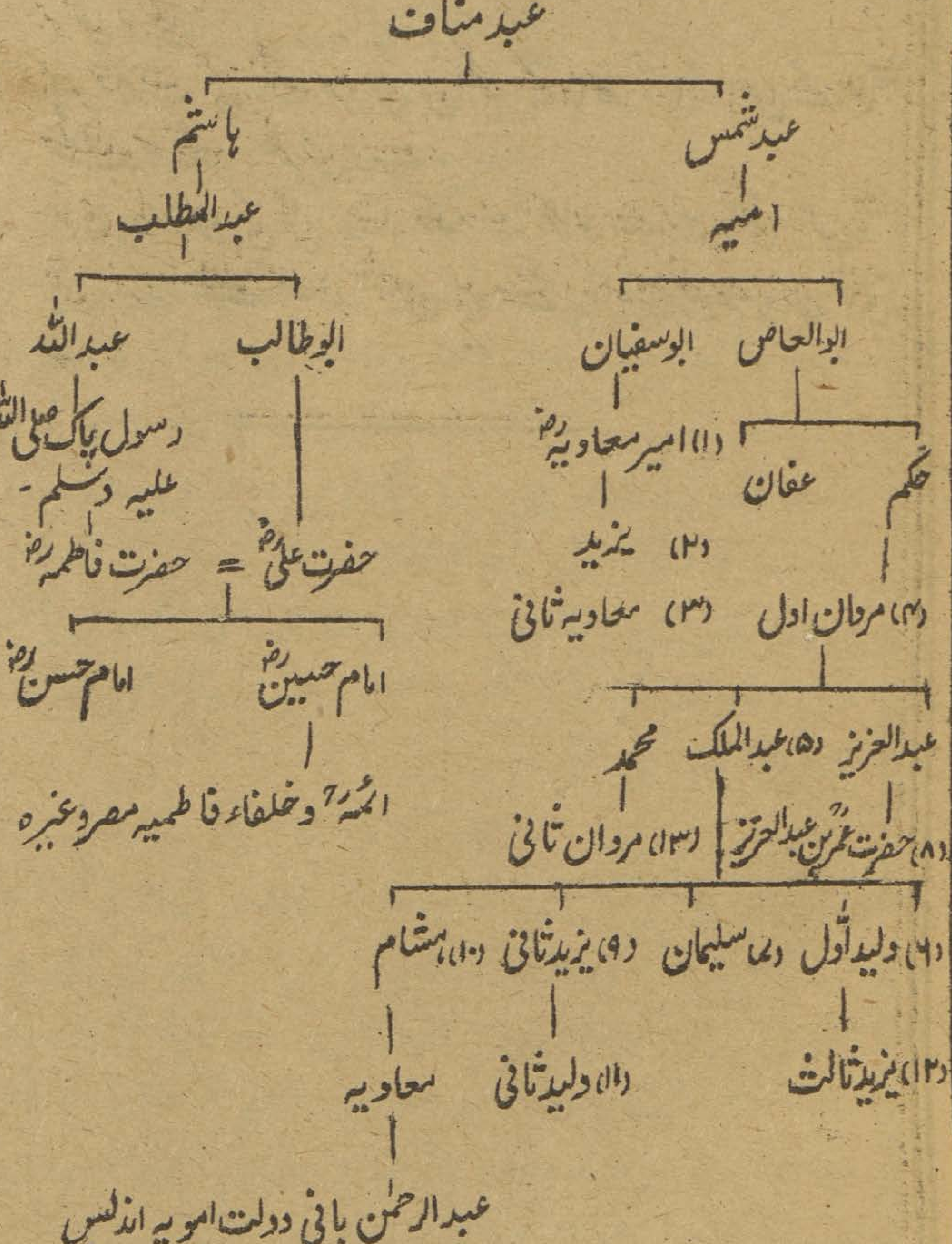
شخص دس ہزار درم مانگ رہا۔ گھر پہنچتے ہی اسے دس ہزار درم بھجوا دیے۔ شکل و صورت میں رسولِ پاک سے بہت ملتے جلتے تھے۔

دوسرا حصّہ

(امیر معاویہؓ سے عہدِ عبّاسیہ تک)

فہرست مضامین

امویوں کا شجرہ نسب



نوٹ (۱) جن ناموں کے سامنے نمبر لگے ہوئے ہیں وہ یکے بعد دیگرے نمبروں کی ترتیب کے مطابق مسند خلافت پر بیٹھے۔

(۲) اموی خلافت کا آغاز ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ سے ہوا۔ ان کا سلسلہ خلافت معاویہ ثانی پر ختم ہوگیا۔ یہ حکومت صرف ۲۴ برس رہی۔

(۳) پھر خلافت کی باگ مروان بن حکم کے ہاتھ آئی۔ اس کے خلاف ۱۳۲ھ تک حکمران رہے۔

(۴) اموی خاندان کی کل مدت حکومت اکانوے برس تھی۔ اس مدت میں تیرہ خلیفے مسند نشین ہوئے۔ آخری خلیفہ مروان ثانی تھا ؛

پہلا باب

امیر معاویہ

اموی سلطنت

۴۱ھ (۶۶۱ء) میں امام حسن رض کی دست برداری پر خلافتِ راشدہ ختم ہوگئی۔ اور بنو امیہ کی حکومت کا دور شروع ہوا۔ جیسا کہ ہم تاریخِ اسلام کے پہلے حصے میں بتا چکے ہیں، یہاں سے خلافتِ ملوکیت کا آغاز ہوا۔ یعنی اصطلاح میں اسے اگرچہ خلافت کہتے رہے لیکن عملی لحاظ سے وہ بادشاہی تھی۔ جمہوری یا شورائی نظام حکومت کی جگہ مطلق العنانی نے لے لی تھی اور جانشینی موروثی بن گئی تھی۔

امویوں کا لقب

عبد مناف کے بیٹوں میں سے دو بڑے بلند رتبے پر پہنچے۔ ایک ہاشم، دوسرے عبد شمس۔ ہاشم کی اولاد کا حال ہم اس سلسلے کی پہلی جلد میں مفصل بیان کر چکے ہیں۔ عبد شمس کے بیٹے امیہ تھے جن سے اموی خاندان چلا۔ امیر معاویہ اسی خاندان سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: معاویہ رض بن ابو سفیان رض، بن حرب بن امیہ بن عبد شمس۔ اموی اور ہاشمی خاندان نسب کے اعتبار سے بہت قریبی تھے۔ ان میں رشتہ داریوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ رسول پاک ص نے اپنی بڑی صاحبزادی حضرت زینب رض کی شادی

ابوالعاص بن ربیع اموی سے کی تھی۔ حضرت عثمانؓ امیہ کے ایک بھائی کے پوتے تھے۔ رسولؐ پاک کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کی زوجیت میں آئیں۔ امیر معاویہؓ کی بہن اور ابوسفیانؓ کی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ ام المومنین بنیں۔

امیر معاویہ کے ابتدائی حالات

دعوت اسلام کے آغاز پر امیر معاویہ کا باپ ابوسفیان شدید مخالفوں کا سردار بنا رہا۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا۔ اس کے بڑے بیٹے یزیدؓ ان سپہ سالاروں میں تھے جنھیں خلیفہ اول نے پہلے پہل شام بھیجا۔ پھر وہ دمشق کے حاکم بن گئے اور وہیں وفات پائی۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ کو شام کا حاکم بنا دیا اور وہ لمبی مدت تک اس حکومت پر فائز رہے۔ چونکہ بڑے مدبر، منتظم اور مردم شناس آدمی تھے اس لیے ملک کا انتظام نہایت اعلےٰ پیمانے پر پہنچا دیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کے زمانے میں جو حالات پیش آئے انھیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

خلافت

سنہ ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ خلافت کی مسند پر بیٹھے تو برسوں کی کشاکش اور خانہ جنگی کے باعث ملکی انتظام کا نقشہ بگڑ چکا تھا اور سرکشی کی ہوا عام ہوگئی تھی۔ سرکشوں میں سب سے خطرناک قوت خارجیوں کی تھی جو دیکھنے کو بڑے عبادت گزار تھے، میدان جنگ میں پہنچتے تو شجاعت و قربانی کے پیکر بن جاتے لیکن عقیدہ غلط تھا اور اس پر عمل میں بڑے ہی سخت اور جابر تھے۔ اس وجہ سے

امت کے لیے بہت بڑی مصیبت بن گئے تھے۔ امیر معاویہؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ وقت کے تمام مشہور مدبروں اور سیاست دانوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح ان کی قوت بھی بڑھ گئی اور ملکی انتظام میں مدد دینے کے لیے قابل آدمی بھی میسر آگئے۔ ان میں سے عمروؓ ابن العاص مصر کے گورنر تھے اور مغیرہؓ بن شعبہ کو کوفے کی حکومت سونپی گئی۔

اس زمانے کے مشہور سیاست دانوں میں ایک شخص زیاد تھا، جس کا بیٹا عبیداللہ کربلا کے نہایت دردناک حادثے کا ذمہ دار بنا۔ مشہور تھا کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا ہے، لیکن اموی خاندان کے لوگ اسے اپنے میں سے نہیں سمجھتے تھے۔ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کے ساتھ رہا اور امیر معاویہ کا سخت مخالف تھا۔ امیر نے اسے بھی ساتھ ملا لیا اور اپنا سوتیلا بھائی تسلیم کر لیا۔ وہ پہلے کوفے میں مغیرہ بن شعبہ کا مددگار رہا۔ پھر اسے بصرے کی حکومت دے دی گئی۔ جب مغیرہ کا انتقال ہوا تو امیر معاویہ نے کوفے کی حکومت بھی زیاد ہی کو دے دی۔ اس نے تھوڑے ہی دنوں میں عراق کو امن کا مرکز بنا دیا

فتوحات امیر معاویہؓ کے زمانے میں مہلب بن ابی صفرہ نے درۂ خیبر کے راستے ہندوستان پر فوج کشی کی۔ دوسرا حملہ بلوچستان کے ایک شہر "قیقان[1]" پر ہوا۔ یہ وہی مقام تھا جسے آجکل قلات کہتے ہیں۔ قندھار بھی اسی زمانے میں مسلمانوں کے زیرِ نگیں آیا۔ ترکستان میں بھی اسلامی مملکت کی حدیں آگے بڑھیں اور شمالی افریقہ میں بھی کئی نئے علاقے فتح ہوئے۔

رسولؐ پاک نے فرمایا تھا کہ قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جو پہلا

[1] اسے قزقنان بھی کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو لاسٹرینج کی کتاب "اقطار خلافت شرقیہ")

اسلامی لشکر جائے گا وہ مغفرت یافتہ ہے۔ امیر معاویہ رضؓ نے بڑے اہتمام سے ایک لشکر تیار کر کے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تاکہ رومیوں کے ساتھ آئے دن کی کشمکش ہمیشہ کے لیے ختم کردی جائے۔ ثواب کی غرض سے اس میں کئی بزرگ شامل ہوئے۔ انھیں میں حضرت ابو ایوب رضؓ انصاری بھی تھے۔ شہر فتح نہ ہو سکا۔ حضرت ابو ایوبؓ محاذ کے دوران ہی میں فوت ہوگئے اور انھیں قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے دفن کیا گیا۔ جب ۱۴۵۳ء میں عثمانی ترکوں کا جھنڈا اس شہر پر لہرایا تو حضرت ابو ایوبؓ کا مزار تعمیر ہوا۔

روڈس اور بعض دوسرے جزیرے بھی فتح ہوئے۔ کریٹ پر بھی حملہ کیا گیا۔

یزید بن معاویہ کی ولیعہدی

یزید بن معاویہؓ کی ولیعہدی کا قصہ سب سے پہلے کوفے کے گورنر مغیرہ بن شعبہ نے شروع کیا تھا۔ امیر معاویہؓ نے اسے قبول کرلیا۔ معلوم ہوتا ہے ان کے سامنے یہ مصلحت تھی کہ اگر ولیعہد کا انتظام پہلے ہی سے نہ کردیا گیا تو ممکن ہے پھر خلیفہ کے انتخاب پر جھگڑا کھڑا ہو جائے اور خانہ جنگی کی آگ نئے سرے سے بھڑک اٹھے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے لے کر امیر معاویہؓ کی خلافت تک مشتعل رہی۔ لیکن اپنی زندگی میں جانشین نامزد کرنے سے جمہوریت کی جڑ کٹ گئی اور موروثی حکمرانی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ امیر معاویہؓ اگر اپنے بعد کے لیے کوئی پکا انتظام کر دینا چاہتے تھے تو بہتر ہوتا کہ وقت کے اہل الرائے حضرات کو جمع کر کے بہترین آدمی چنتے لیکن ان کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی۔ جس کی روش اگرچہ اتنی خراب نہ ہو۔ جتنی کہ عام طور پر بیان کی جاتی ہے، لیکن وہ عالمِ اسلام

کی خلافت کے لائق یقیناً نہیں تھا۔ اور یہ اعتراض اسی زمانے میں خود امیر معاویہ رضؓ کے بعض سرگرم حامیوں کی طرف سے بھی پیش ہوگیا تھا۔

اختلاف رائے امیر معاویہ رضؓ بڑے دور اندیش اور محتاط شخص تھے۔ اس نے تمام صوبوں کے حاکموں کو لکھا کہ یزید کی جانشینی کے بارے میں مشورہ بھی لے لیں اور نرمی سے لوگوں کو ہم خیال بھی بنائیں۔ مدینے کے بزرگوں میں سے پانچ آدمیوں نے اس سے اختلاف کیا: ایک امام حسین رضؓ، دوسرے عبداللہ رضؓ بن عمر رضؓ، تیسرے عبداللہ رضؓ بن عباس رضؓ، چوتھے عبداللہ رضؓ ابن زبیر رضؓ اور پانچویں عبدالرحمن رضؓ بن ابی بکر رضؓ۔ امیر معاویہ خود حج کے لیے نکلے تو مدینے میں ٹھہرے۔ مدینے کے حاکم مروان سے کہا کہ اہل مدینہ کے روزینے بڑھا دو، کسی کو قرض کی ضرورت ہو تو بے تامل دے دو اور مخالفوں کو احسانات کے ذریعہ سے موافق بناؤ۔ پھر خود ان حضرات سے بات چیت کی۔ عبداللہ رضؓ بن عمر رضؓ نے کہا کہ میں صرف اتنا وعدہ کر سکتا ہوں کہ آپ کے بعد امت جس شخص کو خلیفہ مان لے گی، میں بھی اسے مان لوں گا، اختلاف نہ کروں گا۔ عبداللہ رضؓ ابن زبیر رضؓ نے کہا کہ تین نظیریں ہمارے سامنے ہیں؛ اول یہ کہ آپ رسول صؐ خدا کی سنت پر عمل کریں اور کسی کو نامزد نہ کریں۔ دوسری یہ کہ حضرت ابوبکر رضؓ کا طریقہ اختیار کر لیں اور کسی ایسے شخص کو نامزد کریں جس سے آپ کا کوئی رشتہ اور تعلق نہ ہو۔ تیسری یہ کہ حضرت عمر رضؓ کی طرح چند بے تعلق آدمیوں کو نامزد کر دیں اور ان میں سے کسی کو چن لیا جائے۔ چوتھی نظیر کوئی نہیں۔ ایک روایت ہے کہ مروان نے کہا کہ امیر المومنین (امیر معاویہ رضؓ) ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کی

طرح یزید کو جانشین نامزد کر دینا چاہتے ہیں تو عبدالرحمن رضؓ بن ابی بکر رضؓ نے بر سرِ عام ٹوک دیا اور کہا کہ یہ ابو بکر رضؓ اور عمر رضؓ کی سنت نہیں، قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے۔

وفات بہرحال ان پانچ آدمیوں نے یزید کی ولی عہدی کو تسلیم نہ کیا۔ امیر معاویہ نے ان سے کچھ نہ کہا اور باقی لوگوں سے بیعت لیتے رہے۔ ۲۲ رجب ۶۰ھ (۲۸ اپریل ۶۸۰ء) کو فوت ہو گئے۔ ۷۷ برس کی عمر پائی انھوں نے رسولؐ پاک کے موے مبارک اور ناخن سنبھال رکھے تھے۔ ایک کرتا پاس تھا جو رسولؐ پاک نے عنایت فرمایا تھا۔ وصیت کی کہ کرتے میں مجھے کفنایا جائے، موئے مبارک اور ناخن میرے منہ اور آنکھوں میں رکھ دیے جائیں شاید ان کی برکت سے خدا رحم فرمائے۔ یزید کے لیے جو وصیت نامہ تیار کروایا اس میں لکھوایا کہ سب سے اہم مسئلہ خلافت کا ہے۔ عبداللہ رضؓ بن عمر رضؓ سے کوئی خطرہ نہیں۔ انھیں زہد و عبادت کے سوا کسی چیز سے سروکار نہیں۔ عبدالرحمن رضؓ بن ابی بکر رضؓ میں ذاتی ہمت اور حوصلہ نہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے شریک کار ہو جائیں گے۔ حضرت حسین رضؓ سے یقیناً خطرہ ہے۔ اہل عراق انھیں ضرور مقابلے پر لا کھڑا کریں گے۔ اگر ان پر قابو پاؤ تو درگزر سے کام لینا اس لیے کہ وہ قرابت دار ہیں اور رسولؐ خدا کے عزیز ہیں۔ جو شخص لومڑی کی طرح کاوے دے دے کر شیر کی طرح حملہ کرے گا وہ عبداللہ رضؓ ابن زبیر رضؓ ہے۔ اس پر قابو پاؤ تو ہرگز زندہ نہ چھوڑنا۔

نظامِ حکومت امیر معاویہ رضؓ کے عہد میں مملکت دس صوبوں میں بٹی ہوئی تھی:

(۱) شام جس کے چار فوجی حصے تھے۔
(۲) عراق جس کا مرکز حکومت کوفہ تھا۔ عراق۔ عجم بھی اسی میں شامل تھا
(۳) بصرہ جس میں بحرین۔ خراسان اور سیستان شامل تھے۔
(۴) آرمینا۔
(۵) مکّہ مکرمہ۔
(۶) مدینہ منورہ۔
(۷) سرحدات ہند یعنی مکران وغیرہ۔
(۸) مصر۔
(۹) افریقہ۔
(۱۰) یمن۔

نظام حکومت شخصی تھا، لیکن امیر معاویہؓ تجربہ کار مدبروں سے مختلف امور میں مشورے لیتے رہتے تھے۔

نظم و نسق

امیر معاویہؓ نے حکومت کے تمام شعبوں کو منظم کر دیا۔ ڈاک کا سلسلہ جاری کیا جسے "برید" کہتے تھے۔ بحری فوج کی داغ بیل ان کی گورنری کے زمانے میں پڑ چکی تھی۔ امیر نے اسے ترقی دی۔ جگہ جگہ قلعے تعمیر کرائے۔ پولیس کے صیغے کو بہت وسیع کر دیا۔ نہریں بنوائیں بند تعمیر کرائے۔ شہر بسائے۔ ان میں سب سے بڑھ کر قابلِ ذکر ٹیونس کا شہر قیروان ہے جو صدیوں تک افریقہ کا مرکز حکومت رہا۔ اسلامی نو آبادیاں قائم کیں۔ ذمیوں کے مال و جان کی حفاظت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ فوجیوں کے بچوں کے لیے وظیفوں کا سلسلہ جاری کیا۔ ان کے عہد میں عموماً امن

قائم رہا۔ رعایا کی خوشحالی میں ترقی ہوئی۔ اس زمانے تک یہ دستور تھا کہ خانہ کعبہ پر نیا غلاف چڑھاتے تو پرانے غلاف نہ اتارتے امیر معاویہ رضؓ نے تمام پرانے غلاف اتروا دیئے اور حکم دے دیا کہ آیندہ نیا غلاف، چڑھاتے وقت پرانا غلاف اتار دیا جائے حاکموں کے دروازوں پر پہرے داری کا سلسلہ بھی امیر معاویہ رضؓ ہی سے شروع ہوا۔

سیرت

امیر معاویہ رضؓ بڑے محتاط، حلیم، دور اندیش اور باتدبیر بزرگ تھے۔ معمول یہ تھا کہ نماز فجر کے وقت پولیس کے افسرِ اعلیٰ کی رپورٹ سنتے، پھر مشیروں کے ساتھ ملکی معاملات کے متعلق بات چیت کرتے اس مجلس میں مختلف محکموں اور صوبوں کی رپورٹیں پیش ہوتیں۔ دوپہر کا کھانا کھاکر تھوڑی دیر قیلولہ کرتے۔ ظہر کی نماز پڑھ کر مسجد ہی میں بیٹھ جاتے۔ اس موقع پر لوگوں کی فریادیں سنتے اور عرضیاں لیتے۔ عصر کے بعد پھر مشیروں کے ساتھ باتیں کرتے۔ شام کی نماز کے بعد تمام رفیقوں کے ساتھ کھانا کھاتے۔ عمرو رضؓ ابن العاص کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر مستقل مزاج اور بردبار آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ ایک موقع پر مختلف اطراف سے پے در پے چار تشویشناک رپورٹیں آئیں لیکن ان کو ذرا بھی تشویش نہ ہوئی۔ صحابہ کرامؓ میں سے وہ آخری بڑے حکمران تھے ٭

دوسرا باب

یزید اور معاویہ ثانی

یزید کی جانشینی

یزید نے صرف تین برس اور نو مہینے حکومت کی۔ ذاتی طور پر وہ اچھے حکمرانوں میں شمار ہونے کے قابل بے شک نہیں تھا۔ تاہم اس سے بدرجہا زیادہ بُرے حکمران خود مسلمانوں میں بھی بہ کثرت گزر چکے ہیں۔ لیکن یزید کے مختصر سے عہد حکومت میں دو ایسے ہولناک واقعات پیش آئے، جن کی وجہ سے اس کا نام انتہائی ننگ و عار کا سرچشمہ بن گیا۔ ایک امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ دوسرا مدینہ منورہ میں قتل و غارت کا واقعہ۔

یزید نے امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد اس بات کا بھی انتظار نہ کیا کہ امت از سر نو اس کی نامزدگی کی تصدیق کر دے۔ وہ بے تکلف مسند نشین ہو گیا۔ چونکہ امام حسینؓ اور عبداللہؓ ابن زبیرؓ کی طرف سے اندیشہ تھا، اس لیے مدینہ کے حاکم کو لکھ بھیجا کہ ان سے فوراً بیعت لی جائے۔

کوفے سے دعوت نامے

امام حسینؓ اور عبداللہؓ ابن زبیرؓ مدینے سے مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ وہاں اہل کوفہ کی طرف سے امام ممدوح کے پاس پے در پے دعوت نامے پہنچنے لگے کہ آئیے اور ہم سے خلافت

کی بیعت لیجئے۔ بلکہ بعض بڑے آدمی خود بھی مکہ مکرمہ پہنچے اور امام حسین رضؓ سے ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ اس وقت تک حجاز نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔ اور اہل عراق کا فیصلہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یزید کی بیعت پر کبھی راضی نہ ہوں گے۔ لیکن امام حسین رضؓ نے جلدی نہیں کی بلکہ اپنے چچیرے بھائی حضرت مسلم رضؓ بن عقیل کو بھیج دیا۔ اس کے ساتھ ہی اہل کوفہ کو خط لکھا کہ اگر تم لوگ میری خلافت پر متفق ہو تو مسلم رضؓ وہاں کے حالات دیکھ کر مجھے اطلاع دے دیں گے۔ پھر میں بھی پہنچ جاؤں گا۔

کوفیوں کا جوشِ عقیدت

حضرت مسلم رضؓ کوفے پہنچے اور مختار بن ابی عبید کے گھر میں قیام کیا۔ اہل کوفہ گروہ در گروہ امام حسین رضؓ کی بیعت کرنے لگے۔ اٹھارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کر لی تو حضرت مسلم رضؓ نے امام حسین رضؓ کو لکھ بھیجا کہ آپ تشریف لے آئیں۔

اس وقت کوفے کا حاکم نعمان بن بشیر تھا۔ اس نے اگرچہ سن لیا تھا کہ اہل کوفہ حضرت مسلم رضؓ کے ہاتھ پر امام حسین رضؓ کی بیعت کر رہے ہیں لیکن کہا کہ جب تک کوئی مقابلے کے لیے کھڑا نہیں ہوگا میں کسی سے باز پرس نہیں کروں گا۔ یزید کے جاسوسوں نے یہ حالات دمشق پہنچا دیے۔ وہاں سے بصرے کے حاکم عبید اللہ ابن زیاد کے نام حکم پہنچا کہ کوفے جا کر مسلم رضؓ کو نکال دو یا قتل کر دو۔ ابن زیاد بڑا جابر آدمی تھا کوفے پہنچتے ہی اعلان کر دیا کہ جو لوگ فرمانبرداری اختیار کریں گے ان کے ساتھ اچھا سلوک کروں گا۔ جو

نافرمانی کریں گے ان کے لیے زہر قاتل بن جاؤں گا۔ کوفے والوں نے یہ سختی دیکھی تو گھبرا کر حضرت مسلمؓ کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ حضرت مسلمؓ مختار کے گھر سے اٹھ کر ہانی بن عروہ کے گھر چلے گئے جو امام حسینؓ اور اہل بیعتؓ کے سچے عقیدت مند تھے۔

حضرت مسلمؓ کی شہادت

ابن زیاد کو حضرت مسلمؓ کا سراغ مل گیا۔ اس نے ہانی کو بلا کر کہا کہ مسلمؓ کو میرے حوالے کر دو۔ ہانی نے انکار کر دیا۔ ابن زیاد نے انھیں پکڑ کر قید خانے میں ڈال دیا۔ باہر افواہ اڑ گئی کہ ہانی کو قتل کر دیا گیا۔ لوگ ہر طرف سے تلواریں کھینچ کر بڑھے اور ابن زیاد کے قصر کو گھیر لیا۔ اس نے دھمکی اور لالچ سے اکثر لوگوں کو رام کر لیا۔ اور حضرت مسلمؓ کی گرفتاری کے لیے آدمی بھیج دیے۔ حضرت مسلمؓ نے یہ سنا تو مردانہ وار تلوار لے کر نکل آئے اور تنہا بڑی جماعت سے مقابلہ کیا۔ زخموں سے چور ہو کر پکڑے گئے۔ اس وقت انھیں اپنا غم نہ تھا، صرف یہ غم تھا کہ امام حسینؓ کو اچھے حالات کی اطلاع دے کر بلا چکے تھے۔ ادھر کوفے میں سارا نقشہ بدل چکا تھا۔ عمر بن سعدؓ حکومت میں بڑا عہدے دار تھا اور اہل بیت سے اس کی رشتہ داری بھی تھی۔ حضرت مسلمؓ نے اسے تین وصیتیں کیں:

(۱) میں نے اہل کوفہ سے سات سو درہم قرض لیے تھے یہ قرض ادا کر دینا۔

(۲) میری لاش کو دفن کرا دینا۔

(۳) امام حسینؓ کو خبر بھیج کر راستے سے واپس کر دینا۔
ابن زیاد نے حضرت مسلمؓ کو بے دردی سے شہید کرا دیا۔ ہانی اور دوسرے محبانِ اہل بیت بھی شہید ہو گئے۔ یا گرفتار کر لیے گئے۔ یہ کربلا کی داستان غم کی پہلی خونین سرخی تھی۔

امام حسینؓ کی روانگی

امام حسینؓ کو حضرت مسلمؓ کا خط پہنچا تو اہل و عیال سمیت مکہ مکرمہ سے کوفہ روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے اور زیادہ آدمیوں کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی اس لیے کہ معاملہ جنگ کا نہ تھا، صرف اہل عراق کی قیادت سنبھالنی تھی اور وہ حضرت مسلمؓ کے ہاتھ پر امام حسینؓ کے لیے بیعت کر چکے تھے۔

ابن زیاد کو امام حسینؓ کی روانگی کی خبر مل چکی تھی۔ اس نے حُر نام ایک افسر کو ایک ہزار آدمی دے کر کوفے سے مکے کی طرف بھیج دیا اور تاکید کر دی کہ امام حسینؓ جہاں ملیں ان کے ساتھ ہو جائے اور واپس نہ جانے دے۔ امامؓ ممدوح کو کوفے سے تھوڑی دور اچانک حضرت مسلمؓ کی شہادت کی خبر ملی۔ اس اثنا میں حر بھی پہنچ گیا۔ حضرت امامؓ نے مختلف تقریروں میں سارے حالات واضح فرما دیے۔ بتا دیا کہ آپ صرف اہل کوفہ کی دعوت پر آئے۔ دعوت ناموں کے پلندے بھی دکھا دیئے۔ حُر نے اِدھر اُدھر جانے کا موقع نہ دیا یہاں تک کہ امامؓ مظلوم اہل و عیال سمیت کربلا کے میدان میں پہنچ گئے جو ان کی شہادت کے باعث قیامت تک کے لیے ماتم و سوگواری

کا نشان بننے والا تھا۔ محرم سنہ ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی۔

امام رضؓ کی شہادت

ابن زیاد نے عمر بن سعد کو چار ہزار فوج دے کر بھیج دیا۔ عمر کو امام رضؓ کے ساتھ جنگ کرنے میں تامل تھا۔ چنانچہ اس نے امام رضؓ سے بات چیت بھی کی اور مصالحت کی ایک صورت نکال لی، اسے ابن زیاد نے رد کر دیا، بلکہ شمر کے ہاتھ عمر بن سعد کو پیغام بھیج دیا کہ اگر تم کو جنگ میں تامل ہے تو فوج کی سالاری شمر کے حوالے کردو۔ غرض ابن زیاد کی سنگدلی کے باعث جنگ کی نوبت آئی امام رضؓ کے ساتھ صرف بہتّر جاں نثار تھے۔ آپ نے ایک رات پہلے سب کو اجازت دے دی کہ بچ کر نکل جائیں۔ لیکن کسی نے بھی امام رضؓ کا دامن چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

بہتّر جاں نثار اس مردانگی سے لڑے کہ مخالف فوج کے چھکے چھوٹ گئے۔ لیکن ایک ایک کر کے سب شہید ہوتے گئے۔ ان میں حضرت امام رضؓ کے صاحبزادے، بھائی، بھتیجے اور دوسرے اقربا بھی تھے۔ سب سے آخر میں امام رضؓ بھی لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ خاندان کے مردوں میں سے صرف علیؓ اوسط (امام زین العابدینؓ) زندہ بچے، جو اتنے بیمار تھے کہ اٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ جاں گداز حادثہ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ (۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء) کو پیش آیا۔ گزشتہ تیرہ سو برس میں اس پر جتنے آنسو بہائے گئے ہیں، دنیا کی تاریخ میں شاید ہی کسی واقعہ پر بہائے گئے ہوں۔

عبداللہؓ ابن زبیرؓ

ہم لکھ چکے ہیں کہ حجاز نے بھی یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔ امام حسینؓ کی

شہادت کے بعد عبداللہؓ ابن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ پیش کر دیا اور سارے اہل حجاز نے ان کی بیعت کر لی۔ صرف دو شخص اس امر سے الگ رہے: ایک حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ دوسرے عبداللہؓ بن عباسؓ۔ اہل مدینہ نے پورے جوش کے ساتھ ابن زبیرؓ کا ساتھ دیا اور یزید کے کارکنوں کو شہر سے نکال دیا۔

مدینہ میں قتل و غارت

یزید نے یہ سنا تو مسلم بن عقبہ کو فوج دے کر بھیجا تاکید کر دی کہ اہل مدینہ کو نرمی سے فرمانبرداری کی دعوت دینا۔ اگر وہ بالکل نہ مانیں تو تلوار اٹھانا۔ لیکن دیکھنا علیؓ بن حسینؓ (امام زین العابدینؒ) کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ مسلم نے مدینے پہنچ کر شہر کے نمایندوں کو بلایا اور کہا کہ اگر مخالفت چھوڑ دو تو میں یہیں سے مکے پہنچ جاؤں گا۔ لیکن اگر اطاعت قبول نہ کرو گے تو جنگ کے سوا چارہ نہ رہے گا۔ تین دن تک انتظار کیا۔ جب اہل مدینہ نے اطاعت سے انکار کر دیا، تو مسلم نے حملے کا حکم دے دیا۔ تین دن تک یہ فوج مدینہ پاک میں قتل و غارت کرتی رہی۔ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد یزیدی حکومت کے دامن پر یہ دوسرا نہایت ہی سیاہ داغ ہے۔ لیکن اس سلسلے میں اہل مدینہ کو بھی ذمہ داری سے بری نہیں سمجھنا چاہیے۔

مسلم بن عقبہ مدینے سے مکہ روانہ ہوا لیکن راستے میں مر گیا۔ اور اس کی جگہ حصین بن نمیر یزیدی فوج کا سالار بنا۔ مکے میں بھی جنگ شروع ہوئی لیکن اسی اثنا میں یزید کا انتقال ہو گیا۔

معاویہ ثانی

ربیع الاول ۶۴ھ (نومبر ۶۸۳ء) میں یزید نے تین برس ۹ مہینے کی حکومت کے بعد ۳۸ برس کی عمر میں وفات پائی اور اس کا بیٹا معاویہ مسند نشین ہوا۔ وہ اگرچہ نوجوان تھا صرف اکیس برس کی عمر تھی اور یہ ساری مدت عیش و راحت میں گزاری تھی۔ لیکن بڑا ہی دیندار اور صالح آدمی تھا۔ عہد یزید کے دردناک حادثوں سے اس کے دل پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ حکمرانی سے دل اچاٹ ہو گیا۔ تین ماہ کے بعد اس نے دست برداری اختیار کر لی۔ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مجھ میں حکومت کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں تم لوگ جسے چاہو اپنا حاکم بنا لو:

میں نے چاہا تھا کہ ابوبکرؓ کی طرح کسی کو اپنا جانشین بنا دوں یا عمرؓ کی طرح چھ آدمیوں کو نامزد کر کے کہ دوں کہ ان میں سے کسی ایک کو چن لو۔ لیکن نہ عمرؓ جیسا آدمی نظر آیا۔ نہ چھ ویسے آدمی ملے (جیسے عمرؓ کو مل گئے تھے)

چند ماہ بعد خانہ نشینی کی حالت میں معاویہ کا انتقال ہوا۔ اس پر امیر معاویہؓ کے خاندان کی حکومت ختم ہو گئی۔ اور مروانی برسرِ اقتدار آ گئے۔ ان کے حالات آیندہ ابواب میں پڑھو گے ؀

تیسرا باب

مروان اور عبدالملک

۶۸۴ء — ۷۰۵ء

عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بڑے شجاع اور بلند حوصلہ آدمی تھے۔ انھیں یزید کی وفات اور اس کے بعد معاویہ ثانی کی دست برداری کے باعث اپنی پوزیشن کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنا لینے کا موقع مل گیا تھا۔ اس حقیقت میں شبہ نہیں کہ وہ امویوں کے مقابلے میں سب مسلمانوں کے نزدیک قابل ترجیح تھے۔ اس زمانے میں مروان بن حکم مدینے کا حاکم تھا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے حامی شام عراق اور مصر میں سرگرمی سے کام کر رہے تھے۔ امویوں کو بظاہر اپنا اقتدار جمائے رکھنے کی کوئی امید نظر نہیں آتی تھی۔ مروان اس بات کے لیے تیار ہو گیا تھا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لے لیکن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حکم دے دیا کہ مروان کو مدینے سے نکال دیا جائے۔ اس کا بیٹا عبدالملک چیچک سے بیمار تھا۔ اسے بھی بیماری کی حالت میں باپ کے ساتھ نکال دیا گیا اور یہ باپ بیٹا خستہ حال شام پہنچے۔ لیکن وہاں بھی ان کے لیے کوئی سہارا نہ تھا۔

عراق کا فیصلہ

بصرے میں عبید اللہ ابن زیاد حکمران تھا اسے معاویہ کی دست برداری کی خبر ملی تو بڑا پریشان ہوا۔ کوشش شروع کر دی کہ بصرے والے خود اس کی بیعت کر لیں۔ بیعت ہو چکی تو وہ کوفہ پر بڑھا۔ وہاں مخالفت اس شدت سے ہوئی کہ ابن زیاد پریشان ہو گیا۔ اس اثنا میں بصرے والے بھی ساتھ چھوڑ بیٹھے اور ابن زیاد نے عراق سے بھاگ کر شام میں پناہ لی۔ اس کے بعد عراق نے بھی عبداللہ رضؓ ابن زبیرؓ کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا۔

امویوں کا اجتماع

مروان شام پہنچ کر بھی عبداللہ رضؓ ابن زبیرؓ کی بیعت کے لیے تیار تھا۔ اسے اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس اثنا میں ابن زیاد شام پہنچ گیا۔ اس نے مروان کو ابن زبیرؓ کی بیعت سے روک دیا۔ اموی خاندان کے تمام لوگ ایک مقام پر جمع ہوئے تاکہ متفقہ فیصلہ کر لیں۔ ان میں سے بعض لوگ چاہتے تھے کہ یزید کے بیٹے خالد کو خلیفہ بنایا جائے، بعض لوگوں کی رائے تھی کہ یہ منصب مروان کے سپرد کیا جائے۔ اجتماع میں یہ فیصلہ ہوا کہ خالد کم عمر ہے اور موجودہ نازک حالات میں حکومت کا کام نہیں سنبھال سکتا۔ اس لیے دونوں گروہوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ فی الحال مروان کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ اس کے بعد خالد جانشین ہو۔ اس طرح امیہ خاندان کی حکومت کے بگڑے ہوئے نقشے کو نئے سرے سے جمانے اور استوار کرنے کا کام شروع ہو گیا

مروان کی خلافت

مروان کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہی بنوامیہ کے حامی اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ عبداللہ رضؓ ابن زبیرؓ کے حامیوں نے بھاری فوج کے ساتھ جنگ کی۔ لیکن

مروان کے مقابلے میں فاش شکست کھائی اور شام پورے کا پورا مروان کے قبضے میں آگیا۔ پھر اس نے مصر پر بھی قبضہ جما لیا۔ اس طرح صرف عراق و حجاز عبداللہؓ ابن زبیرؓ کے قبضے میں رہ گئے۔ شام و مصر میں امویوں کی حکومت جم گئی۔

مروان کی وفات کشمکش ابھی جاری ہی تھی کہ مروان نے نو مہینے کی حکومت کے بعد اچانک وفات پائی۔ اس نے یزید کی بیوی ام خالد سے شادی کر لی تھی۔ غالباً اس خیال سے کہ خالد بن یزید کی جانشینی کا فیصلہ ہو چکا تھا اور خالد کو قابو میں رکھنے کی ایک اچھی صورت یہ تھی کہ اس کی ماں سے نکاح کر لیا جاتا۔ وہ مجبوری کے زمانے میں خالد کو جانشین مان چکا تھا۔ جب ذرا اطمینان ہو گیا تو اسے ولی عہدی سے خارج کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ ایک موقع پر اس نے خالد کو بہت بُرا بھلا کہا۔ خالد نے اپنی ماں کو بتا دیا۔ ام خالد نے موقع پا کر مروان کو زہر دے دیا یا گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔

عبدالملک بن مروان عبدالملک ۲۶ھ میں پیدا ہوا۔ باپ کی وفات پر مسند نشین ہوا تو ۳۹ برس کی عمر تھی۔ طفلی کا پورا زمانہ مدینے میں گزرا۔ یہ سارا زمانہ عبدالملک نے علم حاصل کرنے میں گزارا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ اگر وہ مسندِ خلافت پر نہ بیٹھتا تو وقت کا نہایت بلند پایہ عالم ہوتا۔

مسند نشین ہوا تو اس کے قبضے میں صرف شام و مصر تھے۔ ایک طرف حجاز و عراق میں عبداللہؓ ابن زبیرؓ سے جنگ درپیش تھی، دوسری طرف سادات کے حامی بنو امیہ کی مخالفت پر تلے بیٹھے تھے، تیسری طرف خارجی زوروں پہ تھے، چوتھی طرف رومیوں کے حملے کا خطرہ تھا۔

توّابین

مشکلات کے اس ہجوم میں توّابین کا گروہ میدان میں آ گیا اس گروہ کا سردار سلیمان نام ایک بزرگ تھا۔ ان لوگوں نے حضرت مسلمؓ کے ہاتھ پر امام حسینؓ کی بیعت کی تھی، لیکن جنگِ کربلا کے موقع پر امامؓ مظلوم کو کوئی مدد نہ پہنچا سکے۔ شہادت کے بعد ان کو اپنی بے عملی اور نالائقی پر پشیمانی ہوئی اور انھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ اس وجہ سے "توّابین" مشہور ہوئے۔ اب اپنے گناہ کی تلافی کے لیے اٹھے۔ پانچ چھ ہزار کی جمیعت فراہم کی۔ پہلے امام حسینؓ کے روضے پر گئے۔ وہاں رو رو کر گناہوں کے لیے بخشش کی دعا مانگی۔ پھر تلواریں کھینچ کر شام کا رخ کر لیا۔ اتفاق سے ابن زیاد فوج لے کر اسی طرف آیا ہوا تھا۔ راستے میں توّابین سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ سخت جنگ ہوئی جس میں توّابین نے فاش شکست کھائی۔

مختار ثقفی

اس اثنا میں ایک اور من چلا شخص کھڑا ہو گیا۔ یہ مختار بن ابی عبید ثقفی تھا۔ طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ ہر شخص کو اس سے فائدہ اٹھا کر اپنا اقتدار جمانے کے اچھے موقعے نظر آتے تھے۔ مختار نے بھی سوچ سمجھ کر ایک سکیم بنا لی۔ عراق کے لوگ اہل بیت کے نام پر ایک دم کھڑے ہو جاتے تھے۔ مختار نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے خود امام زین العابدینؓ نے اپنا کارندہ بنایا ہے۔ امامؓ ممدوح کو یہ اطلاع ملی تو اس کی تردید فرما دی۔ مختار حضرت علیؓ کے فرزند محمد بن حنفیہ کا کارندہ بن بیٹھا۔ دوسری طرف عبداللہؓ ابن زبیرؓ سے تعلق قائم رکھا۔ توّابین کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس نے امام حسینؓ کے قاتلوں سے بدلہ لینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ شمر، ابن زیاد اور عمر بن سعد اسی کے ہاتھ سے مارے گئے۔

کوفے میں قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا۔ آخر عبداللہؓ ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب ابن زبیرؓ حاکم بصرہ نے اسے سخت شکست دے کر قتل کیا۔

عراق کا فیصلہ اس اثنا میں خارجیوں کا بھی زور رہا۔ رومیوں نے مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مبتلا پایا تو شام پر حملہ کر دیا۔ عبدالملک ایک ہی وقت میں مختلف محاذوں پر جنگ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے رومیوں کو تاوان دے کر صلح کر لی اور ۷۱ھ میں عراق پر حملہ کر دیا مصعب بن زبیرؓ نے، جو اپنے بھائی کی طرف سے بصرے کے حاکم تھے، جنگ کی لیکن شکست کھائی۔ عبدالملک اور مصعب کے درمیان گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ شکست کے ساتھ ہی عبدالملک نے ایک امان نامہ مصعب کے پاس بھیج دیا۔ اس میں لکھا کہ جس طرف جی چاہے نکل جاؤ۔ یہ امان نامہ ایک اور شخص نے دیکھ لیا اور خود مصعب کو قتل کر دیا۔ عبدالملک نے اپنے دوست کی لاش دیکھی تو اسے بڑا رنج ہوا۔ اس نے کہا قریش میں ایسے آدمی اب کہاں پیدا ہوں گے۔ بہرحال اس جنگ کے بعد عراق عبدالملک کے قبضے میں آگیا اور صرف حجاز عبداللہؓ ابن زبیرؓ کے پاس رہ گیا۔

ابن زبیرؓ کی شہادت عبدالملک نے اب حجاج بن یوسف ثقفی کو سپہ سالار بنا کر عبداللہؓ ابن زبیرؓ سے لڑنے کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا۔ عبداللہؓ نے بڑی مردانگی سے جنگ کی۔ حجاج نے ان کے اکثر ساتھیوں کو لالچ دے کر توڑ لیا۔ عبداللہ اپنی والدہ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر کے پاس پہنچے اور کہا کہ ساتھی ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ حضرت اسماءؓ نے فرمایا: بیٹا! اگر تم حق کے لیے لڑے تھے تو اسی طرح لڑو جس طرح تمہارے ساتھی لڑے اور جانیں دے دیں۔ اگر

تم دنیا کے لیے لڑے تھے تو افسوس کہ تم نے اپنے آپ کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور دوسروں کی جانیں بھی ضائع کرائیں۔ اگر اب تمہارا عذر یہ ہے کہ ساتھی کم رہ گئے ہیں تو شریفوں اور دینداروں کا شیوہ یہ نہیں ہوتا کہ ساتھیوں کو کم پائیں تو حق کی یاوری چھوڑ دیں۔ تم کو دنیا میں کب تک رہنا ہے؟ جاؤ، لڑو، حق کے لیے جان دے دینا زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

ابن زبیرؓ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حجاج نے فتح کے بعد ان کی لاش سولی پر لٹکائی۔ تین دن تک لاش لٹکی رہی۔ پھر حضرت اسماءؓ باہر نکلیں تو دیکھ کر فرمایا: "یہ شہسوار ابھی تک سواری سے نہیں اترا"۔ اس جنگ میں خانہ کعبہ کو بھی سنگ باری سے نقصان پہنچا۔

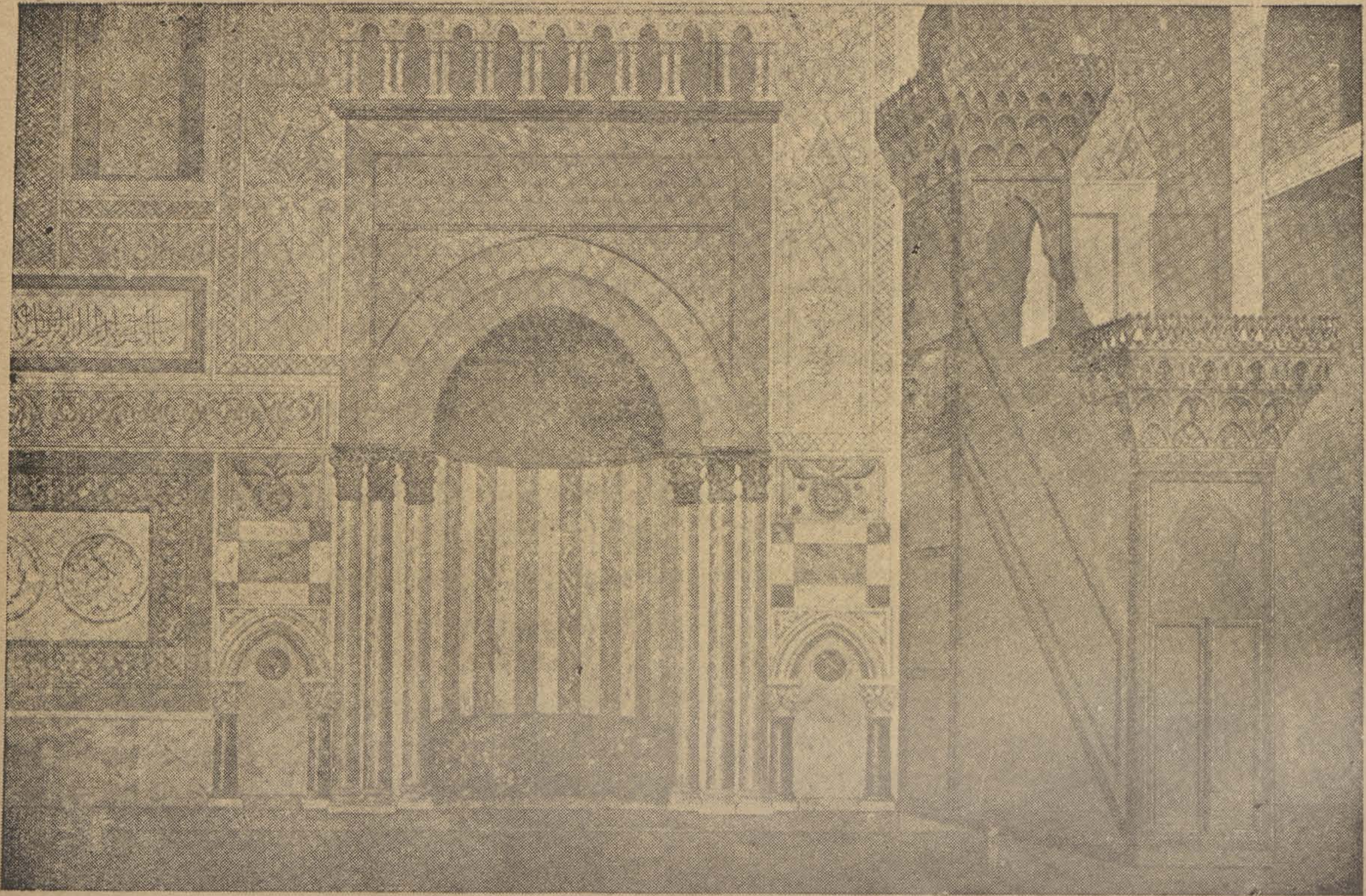
تعمیر کعبہ

عبداللہؓ ابن زبیرؓ بڑے شجاع، حق گو اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ اسلام سے پہلے خانہ کعبہ کی دیواروں میں سیل کے باعث شگاف پڑ گئے تھے۔ اور قریش نے اسے نئے سرے سے تعمیر کرایا تھا تو ان کے پاس تعمیر کا سامان کم تھا اس لیے ابراہیمی بنیادوں پر دیواریں نہیں اٹھائی تھیں، بلکہ کچھ حصہ چھوڑ دیا تھا۔ رسولؐ پاک کی خواہش تھی کہ اول خانہ کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر قائم فرما دیں۔ دوسرے اس کا دروازہ زمین کے برابر رکھیں تاکہ لوگ بے تکلف اس میں داخل ہو سکیں۔ قریش نے اس وجہ سے دروازہ اونچا رکھا تھا کہ کوئی آدمی ان کی اجازت کے بغیر اندر نہ جائے۔ تیسرے مقابل کی دیوار میں بھی دروازہ نکال دیں۔ ابن زبیرؓ نے کعبے کو نئے سرے سے تعمیر کرایا تو رسولؐ پاک کی یہ تینوں خواہشیں پوری کر دیں۔ حجاج نے اسے پھر پہلی صورت پر بنا دیا۔ ابن زبیرؓ ۶۴ھ سے ۷۳ھ تک نو برس حکمران رہے۔

مختلف واقعات عبد الملک کی حکومت کے ابتدائی آٹھ برس اس حالت میں گزرے جب عبد اللہ رضؓ ابن زبیرؓ بھی خلافت کے دعویدار تھے۔ ۷۳ھ میں پوری دنیائے اسلام پر اس کی حکومت کا آغاز ہوا۔ خارجی اس زمانے میں بھی بار بار سر اٹھاتے تھے۔ عبد الملک نے حجاج بن یوسف کو عراق کا حاکم بنا دیا جو بڑا جابر اور سخت گیر آدمی تھا۔ اس نے تھوڑی ہی مدت میں ہر مقام پر امن قائم کر دیا۔ مغرب میں افریقہ پر پھر پیش قدمی شروع ہو گئی تاکہ وہ علاقے دوبارہ اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں آ جائیں جو طوائف الملوکی میں خود مختار بن گئے تھے۔ بعض بغاوتیں ہوئیں جنھیں سختی سے فرو کر دیا گیا۔ حجاج بن یوسف نے مشرقی سمت میں تمام خود سر علاقوں کو آہستہ آہستہ مطیع بنا لیا۔ ۵ شوال ۸۵ھ (یکم اگست ۷۰۵ء) کو عبد الملک نے وفات پائی۔

عہدِ حکومت عبد الملک بڑا مستقل مزاج، بردبار، دور اندیش اور منتظم حکمران تھا۔ سیرت کے لحاظ سے اسے امیر معاویہؓ کی تصویر سمجھنا چاہیے۔ ظلم و جور سے بڑی نفرت تھی۔ رعایا کے ساتھ شفقت اور نرمی سے پیش آتا تھا۔ اس کے زمانے تک ایران کے دفتر فارسی میں تھے اور شام و مصر کے دفتر یونانی میں۔ عبد الملک نے حکم دے دیا کہ آیندہ تمام دفتر عربی زبان میں رکھے جائیں۔ عربی سکے بھی سب سے پہلے اسی نے جاری کیے۔ رفاہِ عامہ کے لیے بے شمار کام انجام دیے۔ کئی نئے شہر بسائے جن میں سے عراق کا شہر واسط خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

عبد الملک کی دینداری کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حج کے لیے گیا تو خود امیر الحج بنا۔ پھر اپنے بیٹے سلیمان کو امیر الحج بنایا۔ اس کے عہد میں علوم کو ترقی ہوئی۔ خود اس نے قرآن شریف کی تفسیر لکھوائی۔ اس وقت تک قرآن شریف پر اعراب اور نقطے نہیں لگے تھے، حجاج نے اعراب اور نقطے



مسجد اقصیٰ کا ایک حصہ

لگوائے۔ یہ بہت بڑی دینی خدمت تھی جو خدا نے حجاج جیسے سخت گیر اور ظالم حکمران سے لی۔

چوتھا باب

ولید اور سلیمان

۷۰۵ء سے ۷۱۷ء

ولید مروان نے عبدالملک کے بعد اس کے بھائی عبدالعزیز کو جانشین نامزد کیا تھا۔ عبدالملک نے بھائی کی جانشینی منسوخ کر دینے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ایک ہمدرد مشیر نے اسے روک دیا۔ اس اثنا میں عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا اور عبدالملک نے اپنے بیٹوں میں سے پہلے ولید کو اور اس کے بعد سلیمان کو نامزد کر دیا۔ ولید اگرچہ کل دس برس حکمران رہا۔ لیکن اس کا عہد حکومت فتوحات کی وسعت اور تعمیری کارناموں کی گراں بہائی کے باعث پورے خاندان امیہ میں بے مثال ہے۔

فتح ترکستان ترکستان میں اسلامی فوجیں پہلے داخل ہو چکی تھیں لیکن خانہ جنگی کے زمانے میں اس طرف کے کئی علاقے خود مختار بن گئے تھے۔ ولید نے حجاج بن یوسف کی سفارش پر قتیبہ بن مسلم کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اس بہادر سپہ سالار نے پہلے بلخ کے علاقے کو نئے سرے سے مطیع کیا۔ پھر وہ دریائے جیحوں کو عبور کر کے سغدیانہ[1] میں داخل

[1] بخارا اور سمرقند کا علاقہ پرانے زمانے میں سغدیانہ یا سغد کہلاتا تھا۔ سمرقند کے پاس سے جو دریا گزرتا ہے اس کا نام بھی دریائے سغد تھا۔

ہوگیا۔ پانچ چھ برس میں اس نے بخارا، سمرقند اور خوارزم (موجودہ خیوا) کے علاقے فتح کرلیئے۔ پھر آگے بڑھ کر فرغانہ بھی لے لیا۔ اس طرح مشرق میں اسلامی سلطنت کی حدیں چینی ترکستان تک بڑھا دیں۔ سغدیانہ یا ترکستان کے بڑے بڑے شہر صدیوں سے بدھ مت کے مرکز چلے آتے تھے۔ اسلام کے زیرنگیں آنے کے بعد یہ عربی اور اسلامی علوم کے سرچشمے بن گئے اور یہاں سے وہ ائمہ و علماء اٹھے جنھیں دینی علوم کے ستون سمجھا جاتا ہے۔

فتح سندھ

سندھ میں راجا چچ نے بدھ راج کو مٹا کر برہمن راج قائم کرلیا تھا۔ یہ حکومت مکران میں مسلمانوں کے ساتھ کئی مرتبہ بے سبب ٹکرا چکی تھی لیکن مسلمانوں نے قدم آگے نہ بڑھایا۔ چچ کے بیٹے داہر کے عہد میں مسلمانوں کے جہاز سندھ کی بندرگاہ دیبل میں لوٹے گئے۔ مسافر عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا گیا۔ حجاج بن یوسف حاکم صوبجات مشرقیہ نے قیدیوں کی رہائی اور مال کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ داہر نے اس مطالبے کو ٹھکرا دیا۔ مجبور ہوکر حجاج نے اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم کو فوج دے کر داہر کی گوشمالی کے لیے بھیجا۔ محمد بن قاسم نے اگرچہ زندگی کی صرف سترہ بہاریں دیکھی تھیں لیکن اس مہم کو ایسے شاندار طریقے پر پورا کیا کہ تاریخ کے ایوان میں ہمیشہ اس کا نام گونجتا رہے گا۔ اس نے دیبل اور نیرون (موجودہ حیدرآباد) کو فتح کرکے داہر سے فیصلہ کن جنگ کی۔ اس میں داہر مارا گیا پھر محمد بن قاسم نے برہمن آباد، الور اور ملتان کو بھی فتح کرلیا۔ اس کے بعد مفتوحہ علاقوں کا انتظام اتنی خوبی اور عمدگی سے کیا کہ خود اہل سندھ اس کے حسن انتظام کے گن

گانے لگے۔ اس مہم کی مفصل سرگزشت پاک ہند کی تاریخ میں پڑھنی چاہیئے۔

افریقہ میں پیش قدمی

مسلمان امیر معاویہؓ کے زمانے میں ٹیونس الجزائر اور مراکش پہنچ چکے تھے اور ٹیونس میں قیروان کا شہر آباد کر کے اُسے انھوں نے افریقہ کی حکومت کا مرکز بنا دیا تھا۔ امیر معاویہؓ کے عہد میں عقبہ بن نافع مغربی افریقہ کی آخری حد پر پہنچ گیا تھا۔ آگے سمندر آ گیا۔ عقبہ نے جوش تسخیر میں گھوڑا سمندر میں ڈال دیا۔ پھر حسرت سے کہا کہ خدایا اگر سمندر بیچ میں نہ آ جاتا تو میں تیرے پاک نام کا چراغ لے کر ساری دنیا میں پھر نکلتا اور ہر جگہ اجالا کر دیتا۔ علامہ اقبال نے "شکوہ" میں اسی طرف اشارہ کیا تھا:

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات[1] میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

موسیٰ بن نصیر

لیکن یہ فتوحات پکی نہ ہو سکیں۔ خانہ جنگی کے زمانے میں وہاں ابتری پھیل گئی۔ آخر موسےٰ بن نصیر کو افریقہ کا گورنر بنایا گیا۔ موسےٰ کے باپ اور دادا مسیحی تھے۔ عراق کے ابتدائی حملوں میں خالدؓ بن ولید نے انھیں گرفتار کیا۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے اور موسےٰ نے اپنے کارناموں کی بدولت عالمگیر شہرت پائی۔

موسےٰ نے گورنر بنتے ہی سارے مغربی و شمالی افریقہ کو فتح کر لیا اور طنجہ میں اسلامی جھنڈا جا گاڑا۔ اسی زمانے میں سارے بربر مسلمان ہو گئے۔ انھیں بربروں میں طارق بن زیاد بھی تھا۔

---

[1] بحر ظلمات یا بحر محیط اٹلانٹک کا عربی نام ہے، جسے بعض لوگ غلطی سے اوقیانوس کہتے ہیں۔ حالانکہ اقیانوس اوشن (OCEAN) کی تعریب ہے جس کے معنے ہیں سمندر۔

جس نے موسٰے کی نگرانی میں جنگی فنون سیکھے۔ پھر اسے طنجہ کا حاکم بنا دیا گیا۔

فتح اندلس

ہسپانیہ (جسے عرب اندلس کہتے تھے) کی فتح کے مفصل حالات تو تاریخ اندلس کے سلسلے میں بیان ہوں گے لیکن یہاں موقع کی مناسبت کے لحاظ سے یہ بتا دینا چاہیئے کہ موسٰے کو معلوم ہو گیا کہ اندلس کو فتح کر لینے کے اچھے اسباب فراہم ہو گئے ہیں۔ یورپ میں داخل ہونے کے لیے قسطنطنیہ کا دروازہ نہیں کھل سکا تھا لیکن جنوبی و مغربی یورپ میں نیا دروازہ کھولا جا سکتا تھا۔ موسٰے نے ۷۱۱ء میں طارق کو تھوڑی سی فوج دے کر اندلس بھیج دیا۔ اندلس کے بادشاہ راڈرک نے سخت جنگ کی اور شکست کھائی۔ وہ بھاگتا ہوا مارا گیا۔ طارق نے تھوڑے ہی دنوں میں اندلس کے بڑے بڑے شہر فتح کر لیے۔ پھر موسٰے بھی اندلس پہنچ گیا۔ دونوں سپہ سالاروں نے مل کر پورے اندلس کو مسخر کر لیا۔ بعد میں اسلامی فوجیں فرانس میں بھی داخل ہو گئیں۔

متفرق یورشیں اور فتوحات

ولید کے عہد میں قسطنطنیہ پر پر بھی حملہ کیا گیا۔ اس حملے کا سالار ولید کا بھائی مسلمہ بن عبدالملک تھا۔ شام کے سرحدی مقامات سے طرسوس اور انطاکیہ بھی فتح ہو گئے۔ بحری قوت بہت بڑھائی گئی۔ چنانچہ مسلمانوں نے بحیرۂ روم کے اہم جزیروں میں سے میورقہ، منورقہ[1] اور سارڈینیا (سردانیہ) کو بھی مسخر کر لیا۔ غرض ولید کے زمانے میں ملک پر ملک، علاقوں پر علاقے اور جزیروں پر جزیرے مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ ابتدائی زمانے کو چھوڑ کر فتوحات کے ایسے شاندار کارناموں کی مثال کسی عہد

[1] Minorca اور Majorca

میں نہیں ملتی۔

تعمیری کارنامے ولید نے فوجی نظام کو وسعت دی۔ بحری قوت بڑھائی۔ جہاز سازی کا ایک نیا کارخانہ ٹیونس میں بنایا۔ سڑکیں تعمیر کرائیں۔ ان پر میلوں کے نشان نصب کرائے۔ مہمان خانے اور سرائیں بنوائیں۔ جگہ جگہ کنوئیں کھدوائے۔ ہر ضروری مقام پر شفا خانے قائم کیے بھیک مانگنے کی ممانعت کر دی اور تمام ضرورت مندوں کے لیے روزینے مقرر کر دیے۔ یتیموں کی کفالت کا انتظام بھی کر دیا۔ ایسے آدمی مقرر کر لیے جن کا کام صرف یہ تھا کہ جہاں کسی اندھے یا اپاہج کو دیکھیں، اسے جہاں جانا ہو وہاں پہنچا دیں۔

مسجد النبیؐ کو نئے سرے سے تعمیر کرایا اور اس کی حدیں بہت وسیع کر دیں۔ اس پر دل کھول کر روپیہ صرف کیا۔ صرف قبلہ رُخ کی دیوار اور اس کے طلائی کام پر ۴۵ ہزار اشرفیاں خرچ ہوئیں۔ دمشق میں نہایت عالی شان جامع مسجد بنوائی۔ روضہ نبویؐ کی مرمت کرائی۔ ان کے علاوہ بیت المقدس کی مسجد اور بیسیوں دوسری مسجدیں بنوائیں۔

وفات ولید جمادی الآخر ۹۶ھ (فروری ۷۱۵ء) میں فوت ہوا۔ صرف ۴۶ برس کی عمر پائی۔ عبدالملک نے اس کے بعد سلیمان کو نامزد کیا تھا۔ اپنے باپ اور دادا کی طرح ولید نے بھی اس نامزدگی کو بدل کر اپنے بیٹے کو نامزد کرنا چاہا۔ حجاج بن یوسف اور موسےٰ بن نصیر ولید کے خاص مشیر اور کارکن تھے۔ ولید سے چند ماہ پہلے حجاج فوت ہو گیا۔ اس طرح خلیفہ کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ حجاج ابتدا میں معمولی مدرس تھا۔ پھر اموی سلطنت میں سب سے

ذی اثر حاکم بن گیا۔ بڑا ظالم اور سخت گیر آدمی تھا۔ قرآن کا بڑا ہی اچھا قاری تھا اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں قرآن پر اعراب اور نقطے اسی نے لگوائے۔

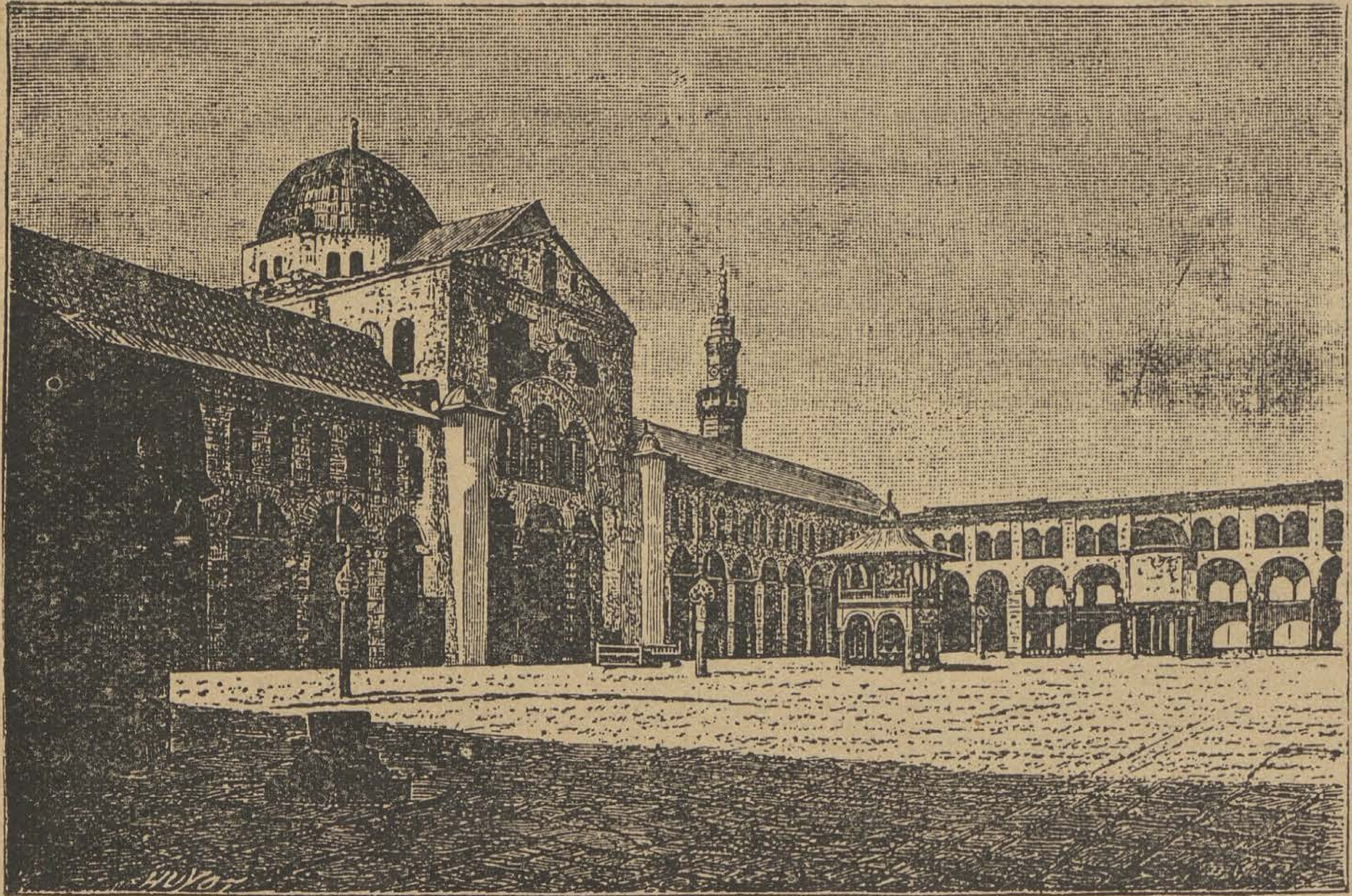
ولید جانشینی کا فیصلہ اپنی مرضی کے مطابق کرنے سے پہلے ہی فوت ہوگیا اور اپنے مشیروں کے ساتھ سلیمان کی عداوت چھوڑ گیا، جس کا نتیجہ بہت ہی برا نکلا۔

سلیمان سلیمان مسند نشین ہوا تو اس کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ موسیٰ بن نصیر اور حجاج، ولید کے مشیران خاص کی حیثیت میں اسے خلافت سے محروم کرنا چاہتے تھے۔ حجاج مر چکا تھا۔ قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم اسی کے آدمی سمجھے جاتے تھے۔ سلیمان نے محمد بن قاسم کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا۔ وہ واپس گیا تو عراق کے سلیمانی گورنر نے، جو حجاج کا سخت دشمن تھا، محمد بن قاسم کو پکڑ کر قید کر دیا۔ قید ہی میں اس بہادر سپہ سالار نے اکیس برس کی عمر میں وفات پائی، یا سمجھ لو کہ اسے قتل کرا دیا گیا۔

قتیبہ بن مسلم نے سلیمان کو وفاداری کا یقین دلانے کی پوری کوشش کی لیکن خود قتیبہ کو اطمینان نہ ہوا۔ اس نے خود مختاری حاصل کرنی چاہی مگر اس کے اپنے قبیلے والوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور وہ لڑتا ہوا مارا گیا۔

موسیٰ بن نصیر کو ولید نے اپنی زندگی میں دمشق بلا لیا تھا۔ سلیمان نے تخت پر بیٹھتے ہی اس پر بھاری تاوان عائد کر دیا جسے موسیٰ ادا نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس کی آخری زندگی بڑی تنگی اور پریشانی میں گزری۔ اموی دور کے یہ تین بہترین سپہ سالار سلیمان کی عداوت کے باعث ناحق تباہ ہو گئے۔

متفرق واقعات سلیمان نے قتیبہ کی جگہ یزید بن مہلب کو



۱۳- جامع دمشق کا صحن

خراسان کا حاکم بنایا تھا۔ اس نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ جرجان[1] پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا، پھر طبرستان[2] پر بڑھا۔ حاکم طبرستان مقابلے کی تاب نہ لایا اور پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ اس کا پیچھا کرنے میں اسلامی فوجوں کو سخت نقصان پہنچا۔ حاکم طبرستان نے موقع پاکر جرجان میں بھی بغاوت کرا دی۔ آخر ایک عجمی کی مدد سے طبرستان کا قضیہ طے ہوا۔ پھر جرجان کی بغاوت بھی بزور فرد کر دی گئی۔

سلیمان نے قسطنطنیہ پر بھی حملہ کیا۔ اس کے لیے بڑی تیاری کی گئی۔ لیکن افسوس کہ محاصرہ نے طول کھینچا۔ اسلامی فوج موسم سرما کی برف باری کی تاب نہ لا سکی۔ بہت سے مسلمان مر گئے اور یہ حملہ ناکام رہا۔

وفات | سلیمان صرف پونے تین برس خلیفہ رہا، پھر بیمار پڑ گیا اور زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ پہلے اپنے نابالغ لڑکے کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ پھر ایک بزرگ محدث نے مشورہ دیا کہ خلیفہ ایسے صالح شخص کو بنانا چاہیے کہ قبر میں امن حاصل رہے۔ آخر عمرؓ بن عبدالعزیز پر رائے جمی جو سلیمان کے چچیرے بھائی اور بہنوئی تھے۔ عمرؓ بن عبدالعزیز کا نام تجویز کرنے کے بعد خاندان کی دلداری کے لیے اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کا نام بھی تجویز کر دیا۔ سلیمان کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کو جانشین بنایا۔

---

[1] جرجان (فارسی گرگان) بحیرہ قزوین کے جنوب مشرق میں تھا۔

[2] طبرستان اس پہاڑی علاقے کو کہتے تھے، جو بحیرہ قزوین کے جنوب میں واقع ہے۔ بعد میں اسے مازندران کہنے لگے۔

پانچواں باب

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز

(۷۱۷ء – ۷۲۰ء)

ابتدائی حالات

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز خلافت راشدہ سے ۵۸ برس بعد مسند خلافت پر بیٹھے اور پوری دنیائے اسلام میں یہی ایک بزرگ ہستی ہے جس نے بادشاہی کو ختم کر کے پھر خلافتِ راشدہ کا دور تازہ کرنے کی سعی کی اور اپنے عہد حکومت کو خلافتِ راشدہ کے ساتھ ملا دیا۔

ان کے والد مروان کے چھوٹے بیٹے عبدالعزیز تھے جو لمبی مدت تک مصر کے گورنر رہے۔ ان کی والدہ ام عاصم حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی تھی۔ وہ اس زمانے میں پیدا ہوئے جب امویوں نے خلافت کو بادشاہی کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ چونکہ ایک خلیفہ (مروان) کے پوتے، دوسرے خلیفہ (عبدالملک) کے بھتیجے اور داماد اور حاکم مصر (عبدالعزیز) کے عزیز فرزند تھے۔ اس لیے ابتدائی پرورش امیرانہ ٹھاٹھ سے ہوئی۔ بڑے خوش رو، خوش پوش اور خوش ذوق تھے۔ علم بھی پورے اہتمام سے حاصل کیا۔ عطر بہت استعمال کرتے تھے۔ جس طرف سے نکل جاتے فضا معطر ہو جاتی۔ داڑھی میں عنبر کا سفوف چھڑکتے تھے۔ مدینے کے گورنر بنے تو ان کا ذاتی سامان تیس اونٹوں پر لد کر گیا۔ لیکن اس دور میں بھی بڑے نیک، خدا پرست اور پرہیزگار تھے۔ انھیں اوصاف کی بناء پر سلیمان نے انھیں جانشین

نامزد کیا تھا۔

بیعت | خود انھیں منصب خلافت پسند نہ تھا۔ جب سلیمان کی وفات کے بعد وصیت نامہ کھولا گیا اور ان کی جانشینی کا اعلان ہوا تو بہت گھبرائے۔ مسجد میں جاکر اعلان کر دیا کہ میں اس منصب کا طالب نہ تھا۔ میری لاعلمی میں مجھے جانشین بنا دیا گیا۔ میں تمام مسلمانوں کو اپنے حلقۂ اطاعت سے آزاد کرتا ہوں۔ وہ جسے چاہیں خلیفہ بنا لیں۔ ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں کہ ہم صرف آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس طرح مجبوراً بیعت لی۔ اسی وقت سے آپ کی پوری زندگی بدل گئی۔ سارے تکلفات ختم ہو گئے۔ صرف ایک جوڑا کپڑوں کا پاس رہا۔ اسی کو دھو دھو کر پہن لیتے۔ پھٹتے تو پیوند لگا لیتے۔ مرض موت میں کپڑے بہت میلے ہو گئے تھے۔ لیکن اور کوئی جوڑا تھا نہیں جسے پہن کر پہنے ہوئے کپڑوں کو دھلا لیتے۔

پہلا کام | خلیفہ بنتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ امیہ خاندان کے تمام آدمیوں کی جاگیروں کے پروانے چاک کر ڈالے۔ یہ سلسلہ اپنے سے شروع کیا۔ میر منشی ان کی جاگیروں میں سے ایک ایک پروانہ لے کر پڑھتا۔ انھوں نے اپنے ہاتھ میں قینچی پکڑ رکھی تھی اس سے پروانے کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے جاتے۔ اسی طرح تمام جاگیریں بیت المال میں واپس کر دیں۔ پھر خاندان والوں کی جاگیروں کے پروانے چاک کرنے لگے۔ وہ لوگ بہت تلملائے بہت بگڑے۔ لیکن عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے صاف صاف کہ دیا کہ یا تو چپ چاپ اس حکم کو قبول کر لو، ورنہ تمھیں ذلیل و رسوا ہونا پڑے گا۔ ان کی بیوی خلیفہ عبد الملک کی بیٹی تھی۔ عبد الملک نے ایک ہیرا بیٹی کو دیا تھا۔ عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ یا تو ہیرا بیت المال میں واپس کر دو یا مجھ سے الگ ہو جاؤ۔

بیوی نے کہا کہ ایسے ہیروں کی آپ کے مقابلے میں کیا پروا ہے۔ یہ کہ کر واپس کر دیا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد یزید بن عبدالملک مسند خلافت پر بیٹھا اور اس نے یہ ہیرا پھر بہن کو واپس دینا چاہا۔ تو اس نے قبول نہ کیا اور کہا کہ جو چیز شریعت کے حکم کے مطابق دے چکی ہوں، اسے خلاف حکم واپس نہیں لے سکتی۔

مسلمانوں کی خدمت اس طرح بیت المال میں بے اندازہ روپیہ جمع ہو گیا۔ عمرؓ بن عبدالعزیز نے یہ سارا روپیہ عام مسلمانوں کی بہبود معذوروں اور مسکینوں کی دیکھ بھال۔ شیر خوار بچوں کے وظائف اور دوسرے قومی کاموں میں لگا دیا۔ دو ڈھائی برس میں اہل ملک کی خوشحالی اس پیمانے پر پہنچ گئی کہ ساری مملکت میں صدقہ لینے والا کوئی آدمی نہیں ملتا تھا۔

انھوں نے ظالم حاکموں کا تدارک کیا۔ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ رفاہ عامہ کے کاموں پر خاص توجہ فرماتے رہے۔ سرائیں اور مہمان خانے بنوائے۔ لوگوں کے اخلاق درست کرنے کے عمدہ انتظامات کیے۔ شریعت کے احکام ہر جگہ جاری فرمائے۔ تبلیغ اسلام کے انتظامات درست کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ملک کی آمدنی بہت بڑھ گئی۔ حجاج بڑا سخت گیر حاکم تھا اس کے زمانے میں عراق کی کل آمدنی دو کروڑ اسی لاکھ تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں بارہ کروڑ چالیس لاکھ پر پہنچ گئی۔ ایک مرتبہ عراق کی آمدنی میں اضافہ کا ذکر کر کے فرمایا کہ حجاج کو نہ دین کا سلیقہ تھا نہ دنیا کا۔

بیت المال کی حفاظت بیت المال کی حفاظت کا بے حد خیال تھا۔ سرکاری کاموں کے

لیے سرکاری شمع جلاتے اگر کوئی شخص ملنے کے لئے آجاتا، تو شمع بجھا دیتے تاکہ سرکاری تیل بے جا صرف نہ ہو۔ تمام کارکنوں کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ قلموں کو باریک کر لو، کاغذ کم خرچ کرو میں بیت المال سے صرف وہی رقم دوں گا جس کے خرچ کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ نظر آئے گا۔

ایک مرتبہ یمن کے بیت المال میں سے ایک اشرفی گم ہو گئی۔ آپ نے افسر خزانہ سے سخت پرسنش کی۔ فرمایا: میں تم پر بدگمانی نہیں کرتا، لیکن تم سے بے پروائی ضرور ہوئی میں مسلمانوں کے مال کا امین ہوں تم پر فرض ہے کہ شرعی قسم کھاؤ۔

جو لوگ قرضدار تھے لیکن ناداری کی وجہ سے قرض ادا نہیں کر سکتے تھے ان کی امداد کے لیئے ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا۔ ساری مملکت کے معذور شخصوں کے نام رجسٹروں میں لکھوائے ہر علاقے کے حاکم کو تاکید فرماتے رہتے تھے کہ کسی معذور کی جائز امداد میں غفلت نہ ہو۔

ذمیوں کے حقوق

ذمیوں کو حقوق میں برابر کا درجہ دے دیا۔ ایک بار حیرہ کے ایک مسلمان نے ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ آپ نے فوراً حیرہ کے حاکم کو لکھا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دو۔ وہ چاہیں قتل کریں۔ چاہیں خوں بہا لے کر چھوڑ دیں۔ انھوں نے قاتل کو قتل کی سزا دلائی۔

ایک حاکم کو لکھا: ذمیوں کے ساتھ نرمی برتو۔ ان میں جو بوڑھا اور نادار ہو جائے اس کے گزارے کا بندوبست کرو۔ اگر کوئی صاحب حیثیت رشتہ دار موجود ہو تو اسے حکم دو کہ نادار کا

خرچ اٹھائیے۔ ورنہ بیت المال سے ضرورت کے مطابق رقم دیتے رہو۔

ایک مرتبہ ایک مسلمان کو سرکاری کام کے لیے سواری درکار تھی۔ اس نے ایک ذمی کا گھوڑا ازبردستی لے لیا اور اس پر سواری کی۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس مسلمان کو چالیس کوڑے لگوائے۔

مقدمات میں ذمیوں اور شاہی خاندان کے لوگوں میں بھی کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک نے ایک عیسائی پر مقدمہ دائر کیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے دونوں کو برابر کھڑا کیا۔ ہشام بہت جزبز ہوا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اسے سختی سے ڈانٹا۔

ایک برائی کا خاتمہ اموی خلیفوں نے ایک نہایت بری رسم یہ جاری کی تھی کہ خطبے میں حضرت علیؓ کی شان میں ناگوار باتیں کہا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس بری رسم کو مٹا دیا اور اس کی جگہ خطبے میں قرآن پاک کی یہ آیت پڑھنے کا حکم دیا:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ

(اللہ تعالےٰ عدل و احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ فحش، برائی اور ظلم سے روکتا ہے۔ شاید تم سمجھ جاؤ)

یہ آیت اب تک اسلامی خطبوں کا جزو ہے اور عمر بن عبدالعزیز کی نیکی کی یاد تازہ کرتی رہتی ہے۔

خارجیوں سے سلوک خارجی ابتدا سے خونریزی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے انھیں سنبھالنے کا انتظام کیا۔ ان کے نمایندوں کو بلا کر

بات چیت کی۔ جو لوگ سمجھ گئے ان کے وظیفے مقرر کیے۔ جو نہ سمجھے ان کے خلاف مجبوراً سخت کارروائی کرنی پڑی۔ لیکن حکم دے دیا کہ :

(۱) عورتیں، بچے اور قیدی قتل نہ کیے جائیں۔
(۲) زخمیوں کا پیچھا نہ کیا جائے۔
(۳) فتح کے بعد جو مالِ غنیمت ہاتھ آئے وہ خارجیوں کے اہل و عیال کو دے دیا جائے۔
(۴) قیدیوں کو صرف اس وقت تک قید رکھا جائے، جب تک سیدھے راستے پر نہ آجائیں۔

وفات امیہ خاندان کے لوگ وظیفوں اور جاگیروں کے چھن جانے سے بہت برہم ہوئے تھے اور اسی وقت سے عمر بن عبدالعزیز کے دشمن بن گئے تھے۔ ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز کی پھوپھی کو نمایندہ بنا کر بھیجا گیا۔ آپ نے پھوپھی کو عزت سے بٹھایا، ان کی بات سنی۔ پھر گوشت کے ٹکڑے پر تپتی ہوئی اشرفی رکھ دی۔ اس کی جگہ داغ پڑ گیا۔ داغ دکھا کر کہا: پھوپھی جان! آپ کو اپنے بھتیجے کے لیے ایسے عذاب سے پناہ مانگنی چاہیے۔

بہر حال بنو امیہ نے ایک نوکر کو ایک ہزار اشرفی دے کر عمر بن عبدالعزیز کو زہر دلا دیا۔ آپ کو یہ واقعہ معلوم ہو گیا۔ نوکر کو بلایا، ایک ہزار اشرفی لے کر بیت المال میں داخل کر دی۔ نوکر سے کہا کہ بچ کر نکل جاؤ۔ اسی زہر کے باعث رجب ۱۰۱ھ میں وفات پائی صرف دو برس پانچ مہینے ان کا بابرکت دورِ حکومت جاری رہا۔

چھٹا باب

بنو امیہ کا آخری دور

۷۲۰ء - ۷۴۹ء

یزید بن عبدالملک عمر بن عبدالعزیز کے بعد یزید بن عبدالملک کی جانشینی کا فیصلہ سلیمان کر چکا تھا۔ یہ اموی خاندان کا یزید ثانی تھا۔ اطمینان سے خلیفہ بن گیا۔ اس نے عمر بن عبدالعزیز کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی لیکن وہ چالیس دن سے زیادہ اس روش پر قائم نہ رہ سکا۔ پھر اس نے پہلے حکمرانوں کے طریقے اختیار کر لیے۔ عمر بن عبدالعزیز نے جتنے نیک حاکم مقرر کیے تھے ان سب کو الگ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات ملیامیٹ ہو گئیں۔

یزید ثانی کے عہد میں یزید بن مہلب نے بغاوت کی اور ترکستان میں ہنگامہ بپا ہوا۔ خارجیوں کے فتنے نے پھر سر اٹھایا شعبان ۱۰۵ھ (جنوری ۷۲۴ء) میں یزید نے وفات پائی۔ اس کی مدت حکومت چار برس ایک مہینہ تھی۔

ہشام بن عبدالملک یزید نے اپنے بھائی ہشام کو جانشین نامزد کیا تھا۔ اس کے عہد میں نصر ابن سیار نے کاشغر اور آس پاس کے دوسرے علاقے فتح کر کے اسلامی سلطنت کی حد بن چین سے ملا دیں۔ اس سے پیشتر یہ علاقے محض برائے نام مسلمانوں کے زیر اثر تھے۔

آرمینیا اور قفقاز کے محاذ پر ارمنوں ترکوں، خزر اور دوسرے وحشی قبیلوں نے متحد ہو کر مسلمانوں سے جنگ شروع کر دی - یہ فتنہ ۱۰۶ھ سے شروع ہو گیا تھا۔ ۱۱۱ھ سے خوفناک لڑائیاں جاری ہو گئیں - آخر ہشام کے بھائی مسلمہ نے اس آگ کو فرد کیا۔ ہندوستان میں گجرات کی سمت پیش قدمی ہوئی - ہشام کے عہد میں مسلمان اندلس سے گزر کر فرانس میں داخل ہوئے - اور انھوں نے پے درپے پانچ حملے کیے۔ طورش (Tours) سے ذرا آگے بڑھ کر ایک خونریز لڑائی ہوئی - اسلامی فوج کا سپہ سالار امیر عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی تھا - وہ میدان جنگ میں سینکڑوں زخم کھا کر شہید ہو گیا - اس کے بعد مسلمان پسپا ہو گئے - اہل فرنگ اس لڑائی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اسی جنگ نے مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکا، ورنہ وہ فرانس ہی پر نہیں بلکہ پورے یورپ پر چھا جاتے - ہشام کے زمانے میں صقلیہ (سسلی) پر بھی مسلمانوں نے حملہ کیا۔

عباسی دعوت | بنو امیہ نے سلطنت پر قبضہ کیا تھا تو بنو ہاشم کے دو خاندان ان پر برتری کے دعویدار تھے اور خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے - ایک اہل بیت نبوی، دوسرے عباسی اہل بیت نبوی اپنے ذاتی فضائل اور رسول پاک کی قرابت کے باعث بہت معزز تھے۔ عباسیوں کی حیثیت دوسرے درجے کی تھی امام حسینؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے طرفداروں نے امام زین العابدینؒ کو اپنا سردار بنانا چاہا انھوں نے کسی سیاسی کام میں حصہ لینا پسند نہ فرمایا - اس پر طرفداران اہل بیت حضرت شیرِ خدا کے فرزند محمد بن حنفیہ کے پاس پہنچے۔ اس وقت سے محمد بن حنفیہ

دعوت خلافت کا مرکز بن گئے۔ پھر ان کے بیٹے ابوہاشم عبداللہ نے یہ منصب سنبھالا ان کو زہر دے دیا گیا تو نزدیک کے رشتہ داروں میں سے صرف عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے محمد بن علی عباسی قریب تھے۔ ابوہاشم عبداللہ نے انھیں جانشین نامزد کر دیا۔ اس طرح خلافت کی دعویداری اہل بیت نبویؐ اور خاندان شیر خداؓ سے عباسی خاندان میں منتقل ہو گئی۔

رہا یہ معاملہ کہ دعویداری کا یہ سلسلہ اصولاً درست تھا یا نہیں تھا۔ تو اس بحث کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ عباسیوں نے اسی وقت سے خفیہ خفیہ اپنے کارندے جگہ جگہ پھیلا دیے۔ اور اپنے لیے راستہ صاف کرنے لگے۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں نے اہل بیت نبویؐ سے یہ کہہ دیا تھا کہ خلافت بہ ہر حال آپ ہی کا حق ہے، ہم لوگ تو صرف آپ کے کارندے ہیں۔

ہشام کی وفات عباسی دعوت آہستہ آہستہ پھیلتی رہی۔ ربیع الثانی ۱۲۵ھ (فروری ۷۴۳ء) میں ہشام نے وفات پائی۔ بنو امیہ میں سے وہ آخری بڑا حکمران تھا۔ اس نے انتظامی صیغوں میں کئی اصلاحات کیں۔ صنعت و حرفت کو ترقی دی۔ خصوصاً ریشمی کپڑے کی صنعت بہت فروغ پا گئی۔ حاجیوں کے آرام کے لیے مکے کے راستے میں کئی حوض اور تالاب بنوائے۔

ولید ثانی ہشام کے بعد ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک مسند خلافت پر بیٹھا۔ وہ سخت نا اہل تھا۔ اس کے عہد میں انتظامات بہت بگڑ گئے مضری اور یمنی قبیلوں میں سخت رقابت تھی۔ ولید نے مضریوں کی طرفداری شروع کر دی۔ یمنی اس پر

بہت بگڑ گئے اور ولید کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے ولید بن عبدالملک کے بیٹے یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ولید ثانی جنگ میں مارا گیا۔ اس نے صرف ایک سال اور دو مہینے حکومت کی۔ اس کی جگہ یزید بن ولید اوّل مسند نشین ہوا۔

یزید ثالث | یزید ثالث کو "یزید الناقص" بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس نے مسند نشین ہوتے ہی فوج کی تنخواہ گھٹا دی تھی۔ خلیفہ بنتے ہی اس نے بڑی اچھی تقریر کی۔ مثلاً کہا کہ جب تک کسی علاقے کے باشندوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو جائیں گی اور اس کی حفاظت کا انتظام پختہ نہ ہو جائے گا، میں کوئی نئی عمارت نہیں بنواؤں گا۔ اور نہ اس علاقے کی آمدنی دوسرے علاقے میں منتقل کروں گا۔ حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کروں گا۔ سال بہ سال لوگوں کے وظیفے دیتا رہوں گا۔ ماہ بہ ماہ ان کے کھانے پینے کا بندوبست کروں گا۔ حقوق میں قریب اور دور کے رہنے والے برابر ہوں گے۔ اگر یہ سب باتیں پوری نہ ہوں تو میری اطاعت نہ کرنا اور مجھے معزول کر دینا۔

وہ بڑا عابد و زاہد تھا۔ لیکن بگڑے ہوئے انتظامات کو درست کرنے کے لیے جس مستعدی کی ضرورت تھی وہ اس میں نہ تھی۔ جگہ جگہ بغاوتیں ہوئیں۔ چھ مہینے میں یزید ثالث فوت ہو گیا۔

مروان بن محمد | یزید ثالث کے بعد اس کا بھائی ابراہیم جانشین ہوا۔ اس میں نہ قوت تھی، نہ تدبر تھا، نہ تدبیر تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں معاملہ فہم لوگوں نے محمد بن عبدالملک کے بیٹے مروان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ امیہ خاندان کا آخری خلیفہ تھا۔ یقیناً بڑا تجربہ کار آدمی تھا۔ اچھے حالات میں

کامیاب حکمران ثابت ہوتا۔ لیکن بغاوتوں نے اسے چین نہ لینے دیا۔ اس اثنا میں عباسیوں کی دعوت خوب پھیل گئی۔

ابو مسلم خراسانی

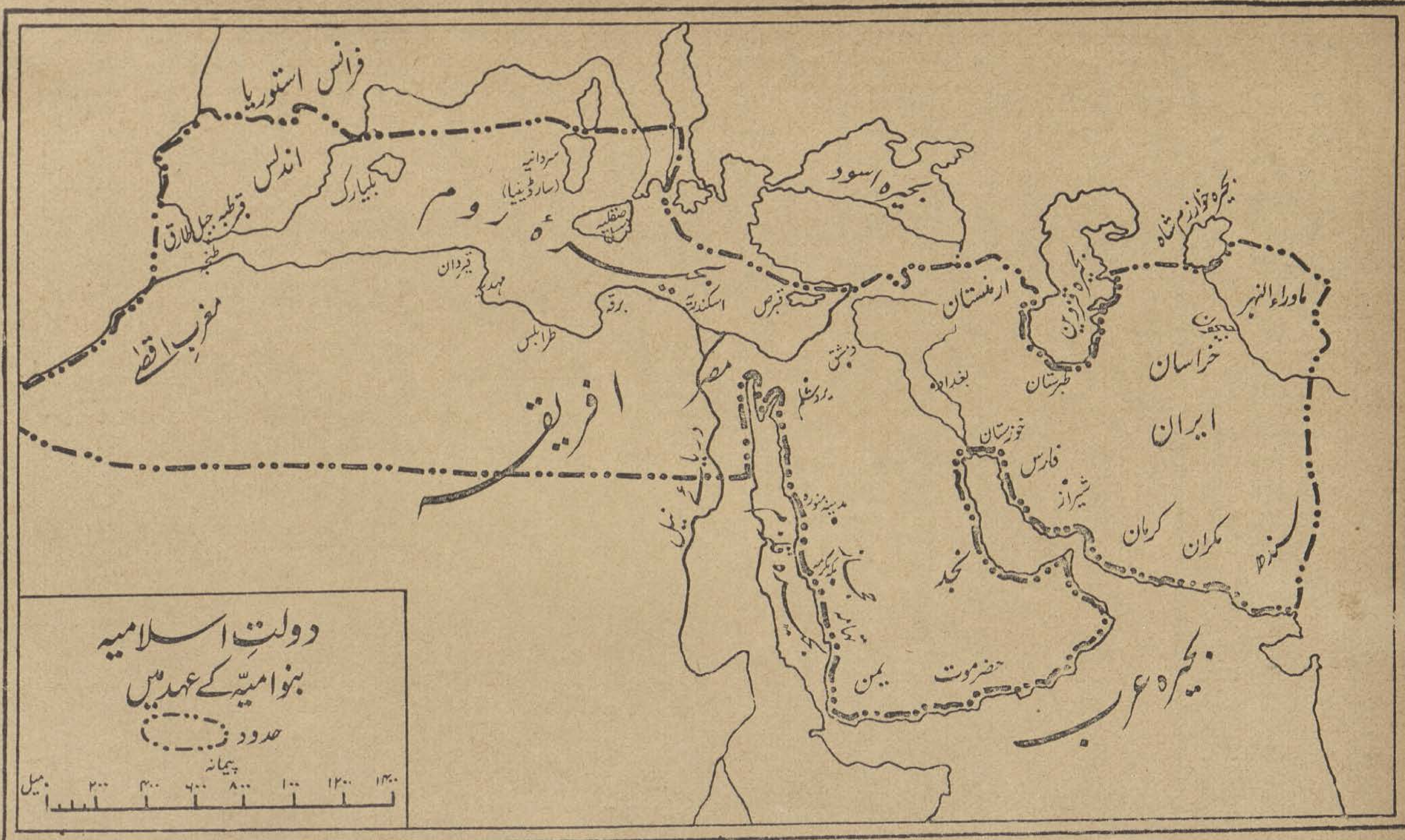
محمد بن علی عباسی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم جانشین بنا۔ اس نے ایک ایک علاقے میں اپنے داعی پھیلا دیے۔ ان میں سب سے زیادہ کامیاب اور قابل داعی ابو مسلم خراسانی تھا۔ ابراہیم عباسی گرفتار ہو گیا اور قید کی حالت میں اس نے وفات پائی۔ اس کے دو بھائی ابو العباس عبداللہ بن علی اور ابو جعفر کوفے چلے گئے۔ وہاں ابو العباس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ ابو مسلم نے خراسان میں پورے انتظامات کر دیے تھے۔ ایک تاریخ مقرر ہو گئی اور خراسان کے مختلف شہروں میں عباسیوں کے حامی ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس طرح خراسان بنو امیہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ پھر عراق عجم بھی عباسیوں کو مل گیا۔

جنگ زاب

مروان نے عباسیوں کے مقابلے کے لیے بھاری فوج تیار کی۔ ربیع الثانی ۱۳۲ھ (نومبر ۷۴۹ء) میں دریائے زاب[1] کے کنارے سخت جنگ ہوئی۔ مروان شکست کھا کر بھاگا۔ جگہ جگہ پھرتا رہا۔ تھک کر ایک مقام پر سو گیا۔ اسی حالت میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ امیہ حکومت کا چراغ گل ہو گیا اور عباسیوں کے کاشانۂ اقبال میں کافوری شمعیں جلنے لگیں۔

---

[1] زاب نام کے دو دریا ہیں۔ ایک زاب بالا، دوسرا زاب زیریں یہ دریا آذر بائیجان سے نکل کر دجلہ میں گرتے ہیں۔ زاب بالا کے کنارے جنگ ہوئی تھی۔



دولتِ اسلامیہ
بنو امیہ کے عہد میں
حدود
پیمانہ
میل
فرانس استوریا
اندلس
قرطبہ
جبل الطارق
طنجہ
مغرب اقصیٰ
بلیارک
روم
سردانیہ (سارڈینیا)
صقلیہ
قیروان
طرابلس
برقہ
افریقہ
اسکندریہ
مصر
دریائے نیل
قبرص
دمشق
یروشلم
مدینہ منورہ
مکہ
نجد
یمن
حضرموت
بحیرہ عرب
بحیرہ اسود
ارمنستان
بحیرہ قزوین
طبرستان
بغداد
خوزستان
فارس
شیراز
کرمان
مکران
سندھ
ایران
خراسان
جیحون
ماوراء النہر
بحیرہ خوارزم شاہ

خوفناک ظلم عباسیوں نے فتح حاصل کرنے کے بعد امویوں پر جو ظلم توڑے ان کا ذکر کرتے ہوئے قلم کانپتا ہے۔ بچوں اور بوڑھوں میں سے بھی کسی کو زندہ نہ چھوڑا گیا۔ ایک موقعے پر امیہ خاندان کے اسّی افراد کو دعوت دے کر بلایا گیا۔ وہ آ گئے تو ڈنڈے مار مار انھیں قتل کیا۔ پھر ان کی لاشوں پر دستر خوان بچھا کر کھانا کھایا گیا۔ مرے ہوئے اموی خلفا کی لاشیں قبروں سے اکھاڑی گئیں۔ ہڈیاں جلائی گئیں ہشام کی لاش ثابت نکلی۔ اسے سولی پر لٹکا دیا گیا۔ شہزادوں میں سے صرف ایک بچا وہ ہشام کا پوتا عبدالرحمٰن بن معاویہ تھا جس نے اندلس پہنچ کر وہاں اموی حکومت کی بنیاد رکھی اور قرطبہ کی رونق اس پیمانے پر پہنچا دی کہ بغداد کی عظمت بھی اس کے مقابلے میں ماند پڑی رہی:

ساتواں باب

بنو امیہ کا عہدِ حکومت

اسلام کے پہلے سو سال رسولؐ پاک کے وصال پر پہلی صدی بنو امیہ کے عہد میں ۷۳۲ء میں پوری ہوئی۔ ایک امریکی مورخ لکھتا ہے:

بانیٔ اسلامؐ کے وصال سے سو برس بعد آپؐ کے پیرو اس سلطنت کے مالک بن گئے جو رومی سلطنت کے عہدِ

شباب سے بھی زیادہ وسیع تھی۔ یہ سلطنت خلیج بسکے سے لے کر دریائے سندھ تک۔ اور حدود چین و بحیرہ خوارزم شاہ (بحیرہ ارال) سے دریائے نیل کے بالائی آبشاروں تک پھیلی ہوئی تھی۔ پیمبرؐ عرب کا نام خدائے قادر کے نام کے ساتھ ساتھ جنوبی و مغربی یورپ، شمالی افریقہ اور وسطی و مغربی ایشیا کے ہزاروں میناروں پر دن میں پانچ وقت پکارا جاتا تھا۔

اسلام کی اس عظمت و وسعت میں امیہ خاندان کی کوششوں کا بھی بڑا حصہ ہے اور اس خاندان کے احسانوں کو بھلایا نہیں جا سکتا۔

سلطنت جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ بنو امیہ کی حکومت خلافتِ راشدہ کے شورائی اور جمہوری طریقے کو چھوڑ کر مطلق العنان بن چکی تھی۔ حکمرانوں نے تمام انداز بھی عجمی بادشاہوں کے سے اختیار کر لیے تھے۔ رسولؐ پاک نے اپنی حیاتِ مبارک میں رہنے سہنے اور حکومت کرنے کا جو نمونہ پیش فرمایا تھا، خلفاءِ راشدین نے اس مبارک نمونے کی پیروی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ انھوں نے اپنی ہر ملکیت ہی نہیں بلکہ ہستیوں کو بھی اسلام کی راہ میں بھی بالکل مٹا دیا اور بے نفسی، ایثار اور بہبودِ خلق کے وہ کارنامے انجام دیے جن کی نظریں نہ ان سے پہلے ملتی ہیں، نہ بعد میں نظر آ سکیں۔ امویوں نے یہ راستہ چھوڑ کر قیصر و کسریٰ کی پیروی شروع کر دی تھی صرف ایک عمر بن عبد العزیز کی ذاتِ گرامی ان سب سے الگ تھلگ رہی۔ اور انھوں نے خلافتِ راشدہ کے عہد کو زندہ کیا۔

امویوں کا طریقہ یقیناً بہت بدل گیا تھا۔ لیکن ان کے عہد میں عربی خصوصیات باقی رہیں۔ ان کے بعد عباسیوں کے عہد میں عربی خصوصیات بھی مٹ گئیں اور خالص عجمیت پیدا ہو گئی۔

صوبے امویوں کے زمانے میں بڑے صوبے یہ تھے: (۱) شام۔ (۲) عراق عرب اور عراق عجم۔ (۳) بصرہ (سیستان، خراسان، بحرین، نجد اور یمامہ وغیرہ) (۴) آرمینیا آذربائیجان اور ایشیائے کوچک کے کچھ علاقے) (۵) حجاز۔ (۶) کرمان (مع مکران) (۷) مصر (۸) افریقہ (طرابلس، تیونس، الجزائر، مراکش) (۹) یمن اور جنوبی عرب (۱۰) اندلس۔ ان سب میں حاکم مقرر تھے لیکن بڑے صوبیدار عموماً پانچ رہے۔ اس لیے کہ ایک ایک صوبیدار کے ماتحت کئی کئی صوبے رکھے جاتے تھے اور ہر صوبیدار ایک ایک علاقے کے لیے خود ماتحت حاکم مقرر کر لیتا تھا۔ ایک وقت میں اندلس بھی افریقہ کے صوبیدار کے ماتحت تھا۔ اور قیروان سے اس پر حکومت کی جاتی تھی۔

نظم و نسق نظم و نسق میں آہستہ آہستہ تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ بڑے صیغے تین تھے: فوج، مالیات اور عدالت۔ صوبیدار تمام فوجی معاملات کا ذمہ دار ہوتا تھا اگرچہ وہ مرکز کی اجازت کے بغیر کسی علاقے پر حملہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ حجاج کو جب سندھ پر حملہ کرنے کی ضرورت پڑی تو مرکز سے اجازت منگائی۔ اسی طرح موسٰے بن نصیر نے اندلس پر حملہ اجازت حاصل کرنے کے بعد کیا۔ مالیات کے محکمے کے افسر کو "صاحب الخراج" کہتے تھے۔ ہر علاقے سے وصول شدہ روپیہ فوج، نظم و نسق اور دوسرے ضروری کاموں پر صرف ہوتا تھا۔

جو رقم بچ رہتی تھی وہ مرکزی بیت المال میں داخل کی جاتی تھی۔
ابتداء میں خلفاء خود فریادیں سنتے تھے۔ امیر معاویہؓ کے عہد تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ سلطنت پھیل گئی اور خلیفوں کے طریقے بدل گئے تو عدالت کا سارا نظام قاضیوں کے حوالے ہو گیا۔

امیر معاویہؓ نے اپنے احکام و خطوط کی نقلیں رکھنے کا انتظام بھی کیا تھا۔ اس طرح ریکارڈ آفس وجود میں آ گیا۔

فوج فوج عام طور پر پانچ حصوں میں تقسیم ہوتی تھی: قلب، میمنہ، میسرہ، عقب، ہراول۔ یہی طریقہ پہلے سے جاری تھا اور اسی پر امویوں کے عہد میں عمل ہوتا رہا۔ سواروں کے لیے گھوڑے اہتمام سے پالے جاتے تھے۔ چھاؤنیاں حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں قائم ہو گئی تھیں۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے چراگاہیں بھی بن گئی تھیں۔ پھر اس نظام میں توسیع ہوتی رہی۔ تیر، کمان، تلوار اور برچھا عام ہتھیار تھے۔ بھاری قلعوں کو توڑنے کے لیے تین قسم کے آلے استعمال کیے جاتے تھے جن کے نام یہ تھے: عرادہ۔ منجنیق۔ دبابہ یا کبش۔ محمد بن قاسم نے دیبل پر جو منجنیق استعمال کی تھی، اسے پانسو آدمی چلاتے تھے۔ خاندانِ معاویہؓ کے عہد میں باقاعدہ فوج ساٹھ ہزار تھی۔ جس پر سال میں چھ کروڑ درم خرچ ہوتے تھے۔ بعد میں تعداد بڑھ گئی۔

بحریات بحری فوج کی بنیاد اس زمانے میں پڑی جب امیر معاویہؓ نے شام میں اور عبداللہ بن ابی سرح نے مصر میں جہاز سازی کے پرانے کارخانوں کو نئے سرے سے

جاری کیا۔ مسلمانوں نے اس شعبے میں جلد ترقی کرلی۔ شام و اسکندریہ کے علاوہ ٹیونس میں بھی جہاز سازی کا بہت بڑا کارخانہ بن گیا۔ صرف موسیٰ بن نصیر نے اپنی گورنری کے زمانے میں اس کارخانے سے ایک سو جہاز تیار کرائے۔

علمی ترقیات علمی ترقیات خاص توجہ کی مستحق ہیں۔ اموی خلفا میں سے اکثر ذوقِ شعر و ادب رکھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے ادب و شعر کی سرپرستی دل کھول کر کی۔ علاوہ بریں صرف و نحو، حدیث، فقہ، تفسیر، طب، مغازی اور تاریخ میں کتابیں لکھی گئیں۔

بڑے بڑے عالموں نے جگہ جگہ حلقہ ہائے درس قائم کیے تھے۔ علم کے شائق دور دور سے آکر ان میں شریک ہوتے۔ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ دینی علوم کے سرچشمے تھے۔

متفرق امور ذمیوں کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ لیکن یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ مسلمان قاضی صرف مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ غیر مسلموں کے مقدمات کا فیصلہ ان کے مذہبی پیشواؤں سے کرایا جاتا تھا۔ اس زمانے میں امیر لوگوں کی تفریحات عموماً یہ تھیں: شکار، گھوڑ دوڑ، چوگان بازی یعنی پولو۔

اسباب زوال بنو امیہ کے زوال کے اسباب مورخوں نے بہت بیان کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ انھوں نے جمہوری اور شورائی طرز حکومت کو چھوڑ کر مطلق العنان شخصی حکومت کا سلسلہ قائم کردیا یا یہ کہ تقریباً ہر ایک خلیفہ اپنے بعد ایک ایک نہیں بلکہ دو دو آدمیوں کو نامزد کرتا رہا۔ لیکن اصلی اور

حقیقی سبب یہ ہے۔ کہ جس وقت تک بیدار مغز، مدبر اور منتظم خلیفے مسند نشین ہوتے رہے، سلطنت ترقی کرتی رہی، جب نالائق خلیفے برسر اقتدار آئے سلطنت کمزور ہو گئی۔ اسے سب سے زیادہ نقصان باہمی خانہ جنگی سے پہنچا۔ ایک سبب یہ بھی ہے کہ سلیمان نے سلطنت کے بہترین خدمت گزاروں کے ساتھ حد درجہ بدسلوکی کی۔ اس طرح قابل واصلح آدمیوں کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ ایک سبب یہ ہے کہ عرب آپس میں لڑتے رہے۔ عجمیوں نے عربوں سے انتقام کے لیے سرگرمی سے کام شروع کر دیا۔ عباسیوں کی دعوت صرف عجمیوں ہی کی بدولت کامیاب ہوئی تھی۔ عجمیوں نے دراصل عباسیوں کی طرفداری نہیں کی تھی، بلکہ عربوں سے اپنی شکست کا بدلہ لیا تھا۔ عباسی اس بدلے میں عجمیوں کے آلۂ کار بن گئے۔

آٹھواں باب

عباسیوں کا ابتدائی دور

نومبر ۷۴۹ء۔ ستمبر ۷۸۶ء

عباسی خلافت کی اہمیت بغداد میں عباسی خلافت پانسو برس قائم رہی۔ بنو امیہ کی طرح یہ بھی مطلق العنان حکومت تھی اور اس میں عجمی بادشاہی کی تمام خصوصیتیں جمع ہو گئی تھیں۔ اس عہد میں علوم و فنون اوجِ کمال پر پہنچ گئے۔ چونکہ یہ بڑی

شجرہ خاندان عباسیہ

عباس رضؓ بن عبدالمطلب

عبداللہ

علی

محمد

(۲) ابوجعفر منصور ۷۵۳ء　　(۱) ابوالعباس السفاح ۷۴۹ء

(۳) مہدی ۷۷۵ء

(۴) ہادی ۷۸۵ء　　(۵) ہارون الرشید ۷۸۶ء

(۸) معتصم باللہ ۸۳۳ء　　(۷) مامون الرشید ۸۱۳ء　　(۶) امین الرشید ۸۰۹ء

(۱۰) متوکل علی اللہ ۸۴۷ء　　(۹) واثق باللہ ۸۴۲ء　　محمد

(۱۴) مہتدی باللہ ۸۶۹ء　　(۱۲) مستعین باللہ ۸۶۲ء

موفق　　(۱۵) معتمد علی اللہ ۸۷۰ء　　(۱۳) معتز باللہ ۸۶۶ء　　(۱۱) منتصر باللہ ۸۶۱ء

(۱۶) معتضد باللہ ۸۹۲ء

(۱۷) مکتفی باللہ ۹۰۲ء　　(۱۸) مقتدر باللہ ۹۰۷ء　　(۱۹) قاہر باللہ ۹۳۲ء

(۲۲) مستکفی باللہ ۹۲۴ء

(باقی دوسرے صفحہ پر)

(۲۰) راضی باللہ سنہ ۹۳۴ء
(۲۳) مطیع للہ سنہ ۹۴۶ء
(۲۱) متقی للہ سنہ ۹۴۰ء
(۲۴) طائع للہ سنہ ۹۷۴ء
(۲۵) قادر باللہ سنہ ۹۹۱ء
(۲۶) قائم بامراللہ سنہ ۱۰۳۱ء
(۲۷) مقتدی بامراللہ سنہ ۱۰۷۵ء
(۲۸) مستنظہر باللہ سنہ ۱۰۹۴ء
(۲۹) مسترشد باللہ سنہ ۱۱۱۱ء
(۳۰) راشد باللہ سنہ ۱۱۳۴ء
(۳۱) مقتفی لامر اللہ سنہ ۱۱۳۵ء
(۳۲) مستنجد باللہ سنہ ۱۱۶۰ء
(۳۳) مستضی بامراللہ سنہ ۱۱۷۰ء
(۳۴) ناصر لدین اللہ سنہ ۱۱۸۰ء
(۳۵) ظاہر بامر اللہ سنہ ۱۲۲۵ء
(۳۶) مستنصر باللہ سنہ ۱۲۲۶ء
(۳۷) مستعصم باللہ سنہ ۱۲۵۸ء

خلفاء عباسیہ مصر

(۱) ابو القاسم احمد مستنصر باللہ بن ظاہر بامر اللہ ۱۲۶۳ء
(۲) ابو العباس احمد حاکم بامر اللہ از اولاد مسترشد باللہ
(۳) ابو ربیع سلیمان مستکفی باللہ اول ۱۲۶۳ء - ۱۳۰۱ء (فرزند ۲)
(۴) واثق باللہ ایک سال (۳ کا چچیرا بھائی)
(۵) حاکم بامر اللہ ثانی ۱۳۳۹ء (فرزند ۳)
(۶) معتضد باللہ اول ۱۳۴۷ء (۵ کا بھائی)
(۷) متوکل علے اللہ اول ۱۳۶۲ء (فرزند ۶)
(۸) واثق باللہ ۱۳۸۳ء (بن ابراہیم بن مستکفی باللہ)
(۹) مستعصم باللہ ۱۳۸۳ء (۸ کا بھائی)
(۱۰) متوکل علے اللہ بار دیگر ۱۳۸۹ء (فرزند ۶)
(۱۱) مستعین باللہ ۱۴۰۵ء (فرزند ۱۰)
(۱۲) معتضد باللہ ۱۴۱۳ء (برادر ۱۱)
(۱۳) مستکفی باللہ ثانی ۱۴۴۱ء (فرزند ۱۲)
(۱۴) قائم بامر اللہ ۱۴۵۵ء (۱۳ کا بھائی)
(۱۵) مستنجد باللہ ۱۴۵۵ء
(۱۶) متوکل علے اللہ ثانی ۱۴۷۶ء (برادر زادہ ۱۵)
(۱۷) مستمسک باللہ ۱۴۹۷ء (فرزند نمبر ۱۶)
(۱۸) متوکل علی اللہ ثالث ۱۵۱۴ء (۱۶ کا بھائی)

نوٹ ۱- بغداد اور قاہرہ کے عباسی خلفا اسی ترتیب سے مسند نشین ہوئے جس ترتیب سے ان کے ناموں کے سامنے نمبر لگے ہوئے ہیں۔

(۲) بغداد میں عباسیوں کی خلافت ۵۰۹ برس رہی۔
(۳) عباسیانِ قاہرہ کی مدّت خلافت ۲۵۴ برس تھی۔
(۴) قاہرہ کے آخری عباسی خلیفہ متوکل ثالث نے سلطان سلیم عثمانی کے حق میں خلافت چھوڑ دی اور اس وقت سے منصب خلافت عثمانی ترکوں کے قبضے میں آیا ؛

لمبی مدت تک قائم رہی - اور اس کا مرکز دمشق کی جگہ بغداد تھا۔ اس وجہ سے ایشیا کے مختلف حصوں پر اس کا اثر بہت زیادہ پڑا۔ یہ حالت پیدا ہوگئی کہ اگرچہ اس خلافت کے ماتحت ایشیا کے مختلف حصوں میں بڑی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوگئیں مثلاً ساسانی سلطنت، غزنوی سلطنت، سلجوقی سلطنت یا خوارزم شاہی سلطنت لیکن سارے سلطان عباسی خلافت کے دربار ہی سے حکمرانی کے پروانے لیتے تھے۔ ہندوستان کے بادشاہوں کے نزدیک بھی بغداد سے خلعت حاصل کرنا سب سے بڑا اعزاز تھا۔ جب یہ خلافت مٹ گئی اور اس کے بچے کھچے افراد مصر پہنچے تو وہاں کے بادشاہوں نے ان کے لیے مرکز خلافت قائم کر دیا۔ اس طرح اختیارات حکمرانی کے بغیر بھی عباسی خلافت دو سو چھپن برس تک جاری رہی۔

تین دور بغداد کی عباسی خلافت کو تین دوروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور جس میں عباسی خود مختار رہے اور اس دور میں ایرانیوں کو عروج حاصل ہوا۔ دوسرا دور جس میں ترکوں نے امورِ خلافت میں عمل دخل حاصل کر لیا۔ اس میں عباسیوں کا زوال شروع ہوا۔ تیسرا دور وہ ہے جس میں زوال آخری منزل پر پہنچا یہ دور تاتاریوں کی یورش تک قائم رہا۔ پھر بغداد کی ساری عظمت گرد راہ بن کر اڑ گئی۔ عباسیوں کے چوتھے دور خلافت کا تعلق بغداد سے نہیں مصر سے ہے۔ ہم ان دوروں کے حالات اختصار سے بیان کریں گے۔

سفّاح جیسا کہ ہم پچھلے باب میں ہم کہہ چکے ہیں، پہلا عباسی خلیفہ ابو العباس عبداللہ بن محمد تھا جو تاریخ میں سفّاح کے نام سے مشہور۔ سفاح کے معنی ہیں خونریز۔ چونکہ عبداللہ بن محمد نے

امویوں کا خون بڑی بے دردی سے بہایا تھا، اس لیے اس نے یہ لقب پایا۔ وہ خراسان، عراق، عرب اور شام کو لے چکا تھا۔ امویوں نے مصر کا رخ کیا۔ سفاح نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام اموی افریقہ ہوتا ہُوا اندلس پہنچ گیا اور وہاں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی جسے عباسی فتح نہ کر سکے۔ اس طرح دنیائے اسلام مستقل طور پر دو حصوں میں بٹ گئی۔ سفاح نے باقی علاقے آہستہ آہستہ قبضے میں کر لیے۔ شام کی جگہ عراق کو اپنا مرکز بنایا۔ اموی مٹ چکے تھے۔ اہل بیت نبوی اور دوسرے علوی باقی تھے جو عام لوگوں کی نظروں میں حسب نسب کے اعتبار سے افضل تھے۔ ان سے عباسیوں کو خطرہ ہو سکتا تھا۔ سفاح نے حسن سلوک کے ذریعہ سے انھیں مطمئن رکھنے کی کوشش کی۔ چار برس آٹھ مہینے کی خلافت کے بعد ۱۳ ذی حجہ ۱۳۶ھ (۹ جون ۷۵۵ء) کو وفات پائی۔ سفاح پہلا خلیفہ ہے جس نے وزارت کا عہدہ قائم کیا اور اس پر ابو سلمہ حفص بن سلیمان کو مقرر کیا۔ امویوں پر جو ظلم کیے ان سے قطع نظر کرتے ہوئے سفاح بڑا مدبر اور فیاض حکمران تھا۔

ابو جعفر منصور

سفاح نے اپنے بھائی ابو جعفر کو جانشین نام زد کیا تھا، جو المنصور کے لقب سے مشہور ہے۔ اس کے خلیفہ بنتے ہی عبداللہ بن علی نے (جو منصور کا چچا تھا) بغاوت کی۔ ابو مسلم خراسانی کو اس کے خلاف بھیجا گیا۔ عبداللہ نے شکست کھائی اور سارا مال و متاع ابو مسلم کے ہاتھ آیا۔ منصور نے اس مال کے لیے اپنا آدمی بھیج دیا۔ ابو مسلم اس پر بہت بگڑا۔ اصل میں وہ سمجھتا تھا کہ عباسیوں کو اس کا احسان اس طرح ماننا چاہیے کہ گویا

سلطنت کا اصل مالک وہی ہے۔ منصور اس طرز عمل کو کب گوارا کر سکتا تھا؟ اس وقت سے ابو مسلم کے خلاف دل میں گرہ بیٹھ گئی۔

ابو مسلم کا قتل

ابو مسلم سیدھا خراسان چلا گیا۔ جہاں کا وہ حاکم تھا اور اس وقت سے فیصلہ کر لیا کہ منصور کی بیعت توڑ کر اہل بیت نبوی یا علویوں میں سے کسی کو خلیفہ بنائے۔ منصور کو اس کے ارادوں کا علم ہو گیا۔ وہ بڑا با تدبیر آدمی تھا۔ چکنی چپڑی باتیں بنا کر ابو مسلم کو بلایا اور ہر ممکن ذریعہ سے یقین دلایا کہ اس کے خلاف کوئی رنج نہیں، بلکہ وہ پہلے کی طرح معزز ہے۔ جب ابو مسلم کے دل سے وسوسے دور ہو گئے تو ایک روز آدمیوں کو تلواریں دے کر چھپا دیا۔ پھر ابو مسلم کو بلایا اور ایک ایک کر کے اس کے جرم گنانے شروع کئے۔ ابو مسلم ہر الزام کے جواب میں عذر پیش کرتا رہا۔ منصور نے تالی بجائی۔ قاتلوں نے گھات سے نکل کر ابو مسلم کا کام تمام کر دیا۔

منصور کے عہد میں کئی بغاوتیں ہوئیں لیکن فرو کر دی گئیں۔ افریقہ کے حالات ایسے ہو گئے کہ وہ محض برائے نام خلافت بغداد کے ماتحت رہ گیا۔ عملاً خود مختار ہو گیا۔

نفس زکیہ

منصور کے عہد کا ایک نہایت اہم واقعہ یہ ہے کہ نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم نے جنگ کی۔ نفس زکیہ کا نام محمد تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے: محمد (نفس زکیہ) ابن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؓ بن حضرت علیؓ بن ابی طالب۔ علم وفضل اور زہد تقویٰ میں وہ اپنے عہد کے بے مثال آدمی تھے اور بڑے حوصلہ مند تھے۔ لوگوں کی توجہ ان کی طرف ہوئی اور خفیہ خفیہ ان کی دعوت بہت پھیل گئی۔

منصور کو خبر ملی تو تعاقب شروع کیا۔ لیکن نفس زکیہ گرفتار نہ ہو سکے۔ منصور نے غصّے میں آکر حکم دے دیا کہ حضرت امام حسنؓ کی پوری اولاد کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ نفس زکیہ کے والد عبداللہ اور خاندان سادات کے دوسرے لوگوں کو پابجولاں مدینے سے عراق لایا گیا اور ان پر بڑی سختیاں ہوئیں۔ آخر نفس زکیہ نے جنگ کی اور شہید ہو گئے۔ مدینے میں امام مالکؒ بھی ان کے طرفدار تھے۔

ابراہیم بن عبداللہ

نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم کوفے پہنچ گئے تھے۔ وہاں ہزاروں آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ امام اعظمؒ بھی ان کے مددگار تھے۔ ابراہیم ایک لاکھ آدمی لے کر منصور کے مقابلے کے لیے نکلے۔ اتفاقیہ ایک تیر ان کے حلق میں لگا اور شہید ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی فوج بھی بکھر گئی۔

نفس زکیہ کے بیٹوں اور بھائیوں نے مختلف حصوں میں دعوت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان میں سے بعض شہید ہو گئے، بعض کو گرفتار کر لیا گیا۔ منصور کے عہد میں اہل بیتؓ پر جو ظلم ہوئے وہ بڑے ہی دردانگیز تھے۔

بغداد

منصور کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عراق میں دریائے دجلہ کے کنارے ایک موزوں جگہ تجویز کر کے بغداد کی بنیاد رکھی، جو پانچ صدیوں تک عباسی سلطنت کا مرکز رہا اور دنیا کا عظیم ترین شہر بن گیا۔ اس شہر کی شکل گول تھی۔ عین وسط میں منصور کا محل تھا۔ پھر سرکاری دفاتر، ان کے بعد امرا اور کارکنانِ حکومت کے محل اور مکانات، پھر بازار۔

اس شہر میں ہر قبیلے اور ہر طبقے کی آبادی الگ الگ تھی، شہر کے گرد دوہری سنگین فصیل بنوائی جو ۳۵ گز اونچی تھی۔ سڑکیں بہت چوڑی تھیں۔ شہر کے چار دروازے تھے: باب الشام، باب الکوفہ، باب البصرہ اور باب الخراسان۔ دجلے سے نہریں نکال کر شہر کے مختلف حصوں میں پھرادی گئی تھیں۔ پھر یہ شہر اتنا پھیلا کہ دجلے کے دونوں کناروں پر دور دور تک اس کی آبادی چلی گئی۔

سیرت

منصور ۱۵۸ھ (اکتوبر ۷۷۵ء) میں حج کے لیے نکلا۔ راستے میں بیمار ہوگیا۔ وہ ذی حجہ میں پیدا ہوا تھا۔ ذی حجہ میں تخت پر بیٹھا اور اسے خیال تھا کہ ذی حجہ ہی میں موت ہو گی۔ احرام باندھ چکا تھا۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا تو وفات پائی۔ وہیں دفن ہوا۔ سوا بائیس برس حکومت کی۔ بڑا دانشمند۔ مدبر، جری اور باجبروت خلیفہ تھا۔ اس کا قول تھا کہ حکومت کے چار ستون ہیں: اول ایسے قاضی جو حق و انصاف کے مقابلے میں کسی کا ڈر نہ رکھیں اور کسی کی رعایت نہ کریں۔ دوسرے پولیس والے جو طاقتوروں کے مقابلے میں کمزوروں کی امداد کریں۔ تیسرے مالیہ وصول کرنے والے لوگ جو دمڑی دمڑی وصول کریں اور کسی پر سختی نہ ہونے دیں۔ چوتھے اخبار نویس[1] جو ایک ایک بات کے متعلق ٹھیک ٹھیک اطلاعات دیتے رہیں۔

---

[1] اخبار نویسوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں حکمران مختلف حصوں میں اس غرض سے مقرر کر دیتے تھے کہ وہ تمام حالات کی رپوٹیں حکمران کو براہِ راست پہنچاتے رہیں۔ ان کو پرچہ نگار اور وقائع نگار بھی کہتے تھے۔

مہدی اور ہادی

منصور کے بعد اس کا بیٹا محمد "مہدی" کے لقب سے خلیفہ بنا۔ اس نے سادات اور دوسرے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ منصور کی سخت گیری کے خلاف نرمی برتی۔ مہدی کے عہد میں مرو (خراسان) میں مقنّع کا فتنہ اٹھا۔ یہ خدائی کا دعویدار تھا۔ اور بڑا شعبدہ باز تھا۔ چونکہ کانا تھا اس لیے سنہری نقاب بنوا لیا تھا۔ جسے ہر وقت پہنے رہتا۔ مہدی نے اس کے خلاف فوج بھیجی۔ مقنّع نے مقابلہ کیا۔ جب دیکھا کہ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تو اہل وعیال کو زہر دے دیا۔ اپنے لیے ایک بڑا الاؤ سلگایا اور دہکتی ہوئی آگ میں کود کر جل مرا۔ اس زمانے میں رومیوں سے بھی جنگیں ہوئیں۔ مہدی نے ۲۲ محرم ۱۶۶ھ (۲۵ جولائی ۷۸۵ء) کو وفات پائی۔

مہدی کے بعد اس کا بیٹا موسٰے "ہادی" کے لقب سے خلیفہ بنا۔ اس نے ایک برس دو مہینے کی حکومت کے بعد وفات پائی :۔

نواں باب

خلافت عباسیہ کا عہدِ شباب

۷۸۶ء ۔ ۸۳۳ء

ہارون الرشید ہادی کی وفات کے بعد اس کا بھائی ہارون بن مہدی مسند نشین ہوا۔ اس کا لقب الرشید تھا۔ اور عام لوگ اسے ہارون الرشید کہتے ہیں۔ ہارون اور اس کا بیٹا مامون الرشید عباسی

خاندان کے سب سے بڑے خلیفہ گزرے ہیں۔ انھیں کے عہد میں عباسی خلافت اوجِ کمال پر پہنچی۔ پھر اس کے اقبال کا سورج ڈھلنے لگا۔ علوم و فنون کی ترقی، سلطنت کے جاہ و جلال اور خلافت کے داب و عظمت کا کوئی دور عباسیوں میں ہارون اور مامون کے عہد جیسا نہیں ہؤا۔

ہارون جس رات مسند نشین ہؤا، اسی رات اس کے گھر مامون پیدا ہؤا یہ عجیب اتفاق ہے کہ اسی رات ایک، خلیفہ فوت ہؤا، دوسرے کو مسند حکومت ملی اور تیسرے نے دنیا میں قدم رکھا۔

یحیٰی برمکی کی وزارت یحیٰی بن خالد برمکی ہارون الرشید کا اتالیق رہ چکا تھا۔ ہارون نے یحیٰی کی بیوی کا دودھ بھی پیا تھا۔ ہارون کی ماں خیزران نے یحیٰی کے بیٹے فضل کو اپنا دودھ پلایا تھا۔ اس بنا پر ہارون اور برمکیوں میں دودھ کا رشتہ بھی تھا۔ جب ہادی ہارون کو جانشینی سے الگ کرنے کی تدبیریں کر رہا تھا۔ تو یحیٰی ہی نے اسے باز رکھا اور اس وجہ سے قید بھی ہؤا۔ ہارون خلیفہ ہؤا تو اس نے یحیٰی کو وزیرِ اعظم بنا دیا۔ گویا سلطنت کے سارے کام اور سارے اختیارات اس کے حوالے کر دیے۔

برامکہ برامکہ اصل میں بدھ مت کے مشہور مذہبی مرکز نوبہار (بلخ) کے پروہت تھے۔ غلطی سے نوبہار کو آتشکدہ اور برامکہ کو آتش پرست سمجھا جاتا رہا۔ ان میں سے یحیٰی کا دادا اور خالد کا باپ غالبًا مسلمان ہؤا۔ خالد بڑا باتدبیر اور دور اندیش آدمی تھا۔ وہ ابومسلم کے ساتھ مل کر عباسیوں کی خلافت کے لیے کام کرتا رہا۔ عباسی خلافت میں عہدے بھی پائے۔ یحیٰی کو وزارت ملی تو برامکہ

انتہائی عروج پر پہنچ گئے۔ پوری عباسی سلطنت میں ان کے جوڑ کا کوئی خاندان نہ رہا۔

یحییٰ کے چار بیٹے تھے: فضل، جعفر، موسیٰ اور محمد ان کی دولت و ثروت، جاہ و جلال اور فیاضی کی جو داستانیں تاریخوں میں بیان ہوئی ہیں آج محض خیالی داستانیں معلوم ہوں گی، لیکن یہ ساری حقیقت پر مبنی تھیں۔ سنہ ۱۷۰ھ (سنہ ۷۸۶ء) میں ان کا عروج شروع ہوا۔ سولہ سترہ برس تک وہ پوری عباسی سلطنت کے مختار کل رہے۔ ہارون الرشید اور بغداد کی شہرت و عظمت میں بہت بڑا حصہ انھیں کا ہے۔ علوم و فنون کی سرپرستی میں بھی انھوں نے کمال کر دکھایا۔

برامکہ کا زوال

فضل، ہارون کا دودھ بھائی تھا۔ فیاضی اور علم دوستی میں وہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ جعفر اپنے باپ یحییٰ سے بھی دانش و تدبر میں برتر تھا۔ پورے خاندان برامکہ میں اس سے بڑا آدمی کوئی نہیں ہوا۔ ہارون کے مزاج میں اسے اتنا دخل تھا کہ ایک لمحہ کے لیے ہارون کو اس کی جدائی گوارا نہ تھی۔ سنہ ۱۸۷ھ (سنہ ۸۰۳ء) میں اس خاندان کا زوال شروع ہوا۔ اسی سال ہارون نے جعفر کو قتل کرا دیا اور فضل و یحییٰ کو جیل خانے میں ڈال دیا۔ وہیں انھوں نے چند سال مصیبتوں میں گزار کر وفات پائی۔ زوال کے بڑے سبب دو ہیں: ایک یہ کہ برامکہ کے اختیارات اور ہر دلعزیزی کے سامنے ہارون کی حیثیت کچھ بھی نہیں رہی تھی، دوسرے خاندان برامکہ کو اہل بیت نبوی سے بڑی عقیدت تھی اور ہارون ہی کو نہیں بلکہ پورے عباسی خاندان کو اس عقیدت کی بناء پر یقین سا ہو گیا تھا کہ یہ لوگ کسی وقت

عباسیوں کا کانٹا نکال کر اہل بیت کو خلافت کی مسند پر بٹھا دیں گے۔

رومیوں سے جنگیں

قسطنطنیہ کی ملکہ ہارون کو خراج دیتی تھی۔ پھر رومیوں نے اسے معزول کر کے ایک سردار کو گدی پر بٹھا دیا جس کا نام بینسی فور تھا۔ عرب اسے نقفور کہتے ہیں۔ اس نے ہارون کو بڑے گھمنڈ سے لکھا کہ "ملکہ ضعف عقل کے باعث خراج دیتی رہی، حالانکہ خراج تم سے وصول کرنا چاہیئے تھا۔ اب تمھیں چاہیئے کہ ساری وصول کی ہوئی رقم واپس کر دو"۔ ہارون نے یہ خط پڑھا تو آگ بگولا ہو گیا۔ اسی وقت لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امیر المومنین ہارون الرشید کی طرف سے اسگ روم کے نام۔ میں نے تجھ کافر بچے کا خط پڑھا۔ اس کا جواب تو آنکھوں سے دیکھے گا"۔

جواب بھیجتے ہی فوجوں کو کوچ کا حکم دے دیا۔ ایشائے کوچک پر اس زور کا حملہ کیا کہ بینسی فور کے چھکے چھوٹ گئے۔ اس نے خراج ادا کرنے کا وعدہ کر کے صلح کی۔ ہارون لوٹا تو بینسی فور جھٹ قول سے پھر گیا۔ ہارون راستے سے پلٹ پڑا اور اس نے ایشیائے کوچک کے مختلف حصوں کو پامال کر ڈالا۔ بینسی فور نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور جنگ میں اس کے چالیس ہزار آدمی مارے گئے۔ پھر کوڑی کوڑی خراج ادا کیا اور کچھ علاقہ بھی دیا۔

متفرق حالات

ہارون کے عہد میں مختلف حصوں میں شورشیں بھی اٹھیں جو فرو کر دی گئیں۔ لیکن افریقہ اور مراکش میں اغلبیوں اور ادریسیوں کی مستقل حکومتیں بن گئیں۔ ہارون کو ان کی خودمختاری ماننی پڑی۔

ہارون بڑا دیندار آدمی تھا۔ ۲۳ برس حکومت کی اور اس میں

دس مرتبہ حج کیا۔ علم و فضل کا قدردان اور مربی تھا۔ رفاہ عامہ کے کاموں میں فراخ دلی سے روپیہ صرف کرتا تھا۔ اس کی ملکہ زبیدہ خاتون بھی بڑی فیاض تھی۔ اس نے کئی سرائیں اور نہریں بنوائیں۔ ان میں سے مکہ مکرمہ کی نہر زبیدہ بہت مشہور ہے۔

ہارون ایک شورش کو مٹانے کے لیے خراسان آیا تھا۔ طوس پہنچ کر بیمار ہوگیا۔ جمادی الثانی ۱۹۳ھ (مارچ ۸۰۹ء) میں فوت ہوا۔ طوس کے قریب ہی اسے دفن کیا گیا، جہاں بعد میں امام علی رضا کا روضہ بنا اور آج کل یہ مقام مشہد کے نام سے مشہور عالم ہے۔

امین الرشید

ہارون نے اپنے بیٹے (زبیدہ خاتون کے بطن سے) محمد الامین کو جانشین نامزد کیا تھا اور اس کے بعد دوسرے بیٹے عبداللہ المامون کو رکھا تھا جو ہارون کی اولاد میں سب سے زیادہ قابل تھا۔ شہزادگی کے زمانے میں مامون کو خراسان کا گورنر بنا دیا تھا اور مرو اس کا مرکز تھا۔ امین عقلمند اور دور اندیش نہ تھا۔ وہ اپنے مشیروں کے فریب میں آگیا اور مامون سے جنگ کی ٹھان لی۔ فضل بن سہل جس نے بعد میں ذوالریاستین کا لقب پایا مامون کا خاص مشیر تھا۔ مامون جنگ کا خواہاں نہ تھا لیکن مجبور ہو کر میدان میں نکلنا پڑا۔ امین نے پچاس ہزار فوج مامون کے خلاف بھیجی۔ وہ آتے ہی شکست کھا گئی۔ دوسری فوج بھیجی، وہ بھی ناکام رہی۔ یہاں تک کہ مامون کی فوجیں بغداد کے دروازے پر پہنچ گئیں۔ مامون اپنے بھائی کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن خراسانی فوج کے سالار طاہر بن حسین نے امین کو گرفتار کرتے ہی قتل کرا دیا۔ اس نے صرف چار برس آٹھ مہینے حکومت کی۔

مامون الرشید

محرم ۱۹۸ھ (ستمبر ۸۱۳ء) میں مامون مسند خلافت پر بیٹھا۔ یہ عباسی خاندان کا سب سے

بڑا خلیفہ تھا اور ذاتی اوصاف و فضائل میں اپنے باپ ہارون سے بھی بڑھا ہُوا تھا۔ اس نے بیس برس حکومت کی۔ اس عہد میں عباسی خلافت کی عظمت ایک ایک دل پر نقش ہو گئی۔

مامون نے فضل بن سہل ذوالریاستین کو تمام معاملات کا مختار بنا دیا تھا۔ اور خود زیادہ وقت مرو میں گزارتا تھا۔ اس دوران میں کئی شورشیں اٹھیں جو دبا دی گئیں۔ لیکن فضل بن سہل مامون کو صحیح حالات کی خبر نہیں دیتا تھا۔ جو خبر جس رنگ میں چاہتا پیش کرتا اور مامون اسی کی بات پر یقین کرتا۔

امام علی رضاؒ کی ولی عہدی

مامون کو اہل بیت سے بڑی عقیدت تھی۔ اس نے خلافت کے دوسرے سال عباسی خاندان کے آدمیوں کو مرو میں اپنے پاس بلایا اور مہینوں مہمان رکھا۔ اس اثنا میں غور کرتا رہا کہ اپنے بعد کس کو جانشین نامزد کر دے۔ جب کسی کو بھی اپنے معیار کے مطابق اہل نہ پایا، تو اہل بیت میں سے امام علی رضاؒ بن امام موسیٰ کاظمؒ کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا اور اپنی ایک لڑکی امام علی رضاؒ سے اور دوسری لڑکی امام موصوف کے صاحبزادے سے بیاہ دی۔ سیاہ لباس عباسیوں کا خاص شعار بن گیا تھا، مامون نے امام علی رضاؒ کی ولی عہدی کا اعلان کرتے ہی اس شعار کو بھی ترک کر دیا۔ سبز لباس پہننے لگا جو اہل بیت کا خاص رنگ تھا۔

نئی شورش

اس واقعہ نے عباسیوں کو مامون سے برہم کر دیا۔ اور عباسی خاندان کے ہوا خواہوں نے مامون کے چچا ابراہیم بن مہدی کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کر لی۔ ابراہیم نے اہل بغداد سے بیعت لے کر فوجیوں کو چھ چھ مہینے کی تنخواہ پیشگی دینے کا وعدہ کر لیا اور کوفے

پر قبضہ کر کے اپنا اثر بڑھانا شروع کیا۔ فضل بن سہل نے یہ خبر بھی مامون سے پوشیدہ رکھی۔ آخر مختلف لوگ امام علی رضاؒ کے پاس پہنچے کہ آپ مامون کو صحیح حالات بتائیں، امام نے سب کچھ صاف صاف بتادیا۔ اور یہ بھی کہ دیا کہ عباسی میری ولی عہدی کے باعث جوش میں آگئے ہیں۔ یہ سب کچھ سن کر مامون نے حالات درست کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ شورش مٹائی۔ ملک میں امن قائم کیا۔ اسی وقت سے وہ مرو کو چھوڑ کر بغداد میں رہنے لگا۔ فضل بن سہل کو دشمنوں نے قتل کر دیا۔

امام علی رضاؒ کی وفات

افسوس کہ امام علی رضاؒ نے اچانک وفات پائی۔ مامون کو اتنا قلق ہوا کہ آپ کے جنازے کے ساتھ ننگے سر چلا۔ اور پکارتا جا رہا تھا" اے ابوالحسن (امام علی رضاؒ کی کنیت) آپ کے بعد میں کیا کروں اور کہاں جاؤں؟" بعض مورخین کا خیال ہے کہ امام علی رضاؒ کو زہر دیا گیا اور اس کا ذمہ دار خود مامون تھا۔ اس شبہ کے لیے گنجائش یقیناً موجود ہے۔ مامون نے جب سنا ہو گا کہ امام علی رضاؒ کو ولی عہد بنانے کی وجہ سے سارے عباسی ناراض ہو گئے ہیں اور حکومت ہاتھ سے نکلی جارہی ہے تو یہ بات بعید نہیں کہ اس نے عافیت اسی میں سمجھی ہو کہ امام ممدوح بیچ میں سے نکل جائیں لیکن مورخین کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مامون کو اہل بیت سے جو گہری عقیدت تھی اسے مدنظر رکھتے ہوئے امام علی رضاؒ کو شہید کرانے کا الزام سراسر بے بنیاد ہے۔

طاہر بن حسین

اس دور میں طاہر بن حسین نے مامون کو بہت مدد دی تھی۔ مامون نے اسے ذوالیمینین کا لقب دے

کر خراسان کا گورنر بنا دیا۔ اس وقت سے خراسان عملاً خلافتِ عباسیہ سے الگ ہو گیا۔ طاہر کے جانشینوں نے ایک خود مختار حکومت کی طرح ڈال دی۔ جس کی حدیں افغانستان کی مشرقی سرحد تک پہنچی ہوئی تھیں۔ یہ حکومت کم وبیش پچاس برس تک قائم رہی۔

رومیوں سے جنگ رومیوں کی طرف سے سرکشی ظاہر ہوئی تو مامون الرشید خود فوج لے کر رومی علاقوں پر حملہ آور ہوا۔ اس کے بیٹے عباس اور اس کے بھائی معتصم نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا۔ معتصم مصر و شام کا گورنر تھا۔ بھاری فوج لے کر مامون کی امداد کے لیے پہنچا اور جنگ میں مردانگی کے جوہر دکھائے۔ آخر رومیوں نے عاجز ہو کر معافی مانگی اور صلح کر لی۔

دو برس بعد رومیوں نے پھر شرارتیں شروع کر دیں۔ مامون پھر فوج لے کر بڑھا۔ ایک برس بعد تیسری مرتبہ اسے رومیوں کی گوشمالی کے لیے نکلنا پڑا۔

وفات آخری مرتبہ روم کے سفر سے واپس آ رہا تھا راستے میں ایک مقام پر دریا کے پانی میں پاؤں لٹکا کر بیٹھا رہا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے تازہ کھجوریں کھائیں اور دریا کا پانی پیا۔ تھوڑی دیر بعد سخت بخار آ گیا۔ یہی بخار موت کا بہانہ بن گیا۔ ۱۳ جمادی الثانی ۲۱۸ھ (۶ جولائی ۸۳۳ء) کو فوت ہوا۔ مرنے سے پہلے اپنے بھائی معتصم کو جانشین نامزد کیا۔

سیرت مامون تدبیر و دانش، فہم و فراست، عدل و انصاف اور شجاعت و سخاوت میں کامل تھا۔ اس کے فضل و کمال کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ وقت کے تمام علوم میں یگانہ مانا

جاتا تھا۔ تفسیر، فقہ، فرائض، ادب، شعر، طب، فلسفہ، نجوم اور ریاضی وغیرہ علوم شوق سے سیکھے اور ان میں کمال بہم پہنچایا۔ عباسی خلیفوں میں ان اوصاف اور ان کمالات کا آدمی کوئی نہیں ہوا۔ پھر بڑا حلیم، بردبار اور متواضع شخص تھا۔ حاجت مندوں کو کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹاتا۔ اسلامی مساوات کا پابند تھا۔ مقدمات میں اگر خود فریق ہوتا تو بے تکلف مدعی کے برابر جا کھڑا ہو جاتا۔ سرکاری کارکنوں کے تمام کاموں پر نظر رکھتا اور ذراسی فروگذاشت بھی نہ ہونے دیتا۔ اتوار کے دن صبح سے لے کر ظہر تک رعایا کی شکایتیں خود سنتا اور ان کی عرضیاں لیتا۔ اپنے بیٹے کے ہوتے ہوئے بھائی کو اہل سمجھ کر جانشین بنایا۔

علمی ترقیات یونانی کتابوں کے ترجموں کا سلسلہ خلیفہ منصور کے عہد میں شروع ہوا تھا۔ مامون نے اس کام کو کمال پر پہنچا دیا۔ ہر مقام پر آدمی بھیج بھیج کر اور مختلف حکمرانوں کو لکھ لکھ کر یونانی علما و اکابر کی کتابیں منگائیں اور ایک دار الترجمہ قائم کر کے مختلف علوم کے ماہروں کو ان کے ترجموں پر لگا دیا۔ اس طرح افلاطون و ارسطو کی کتابوں کے علاوہ یونانی طب اور ریاضیات وغیرہ کی کتابیں عربی میں منتقل ہو گئیں۔ سنسکرت کی علمی کتابوں کے بھی ترجمے کرائے۔ تھوڑی ہی مدت میں مسلمانوں نے ان علوم کو ترقی دے کر کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اور عالم اسلام سے وہ عالم، فلاسفر اور طبیب اٹھے جن کی کتابیں صدیوں تک یورپ کی درسگاہوں میں نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی رہیں۔ خلیفہ وقت کی قدر دانی دیکھ کر عام لوگوں میں علم کا ذوق پیدا ہو گیا۔ اور بغداد سرچشمۂ علوم بن گیا۔

ہارون اور مامون خلفا عباسیہ کے سرتاج تھے۔ انھیں کی

قائم کی ہوئی عظمت کے بل پر دورِ زوال کے عباسی خلیفوں نے ضعف و کمزوری کے باوجود چار سو برس تک ساری مشرقی دنیا سے عزت و احترام کا خراج وصول کیا۔

دسواں باب

معتصم، واثق اور متوکل

سنہ ۸۳۳ء سے سنہ ۸۶۱ء

ایرانی اور ترک عباسی خلافت ایرانیوں کی کوشش سے قائم ہوئی تھی اس لیے اس کے آغاز ہی سے ایرانیوں کو بہت اقتدار حاصل ہو گیا تھا اور عربوں کی حیثیت معمولی رہ گئی تھی۔ مامون الرشید کی کامیابی ہی خراسانی فوج کی ہمت کا نتیجہ تھی۔ اسی وقت سے نہ محض ملکی کاروبار بلکہ تمدن میں بھی ایرانیوں کو غلبہ حاصل ہو گیا اور عربی خصوصیات ایک ایک کر کے مٹ گئیں۔ معتصم باللہ کا زمانہ آیا تو اس نے ترکی فوج بھرتی کی اور ان کے لیے بڑی خوبصورت وردیاں بنوائیں۔ اس طرح معتصم کے عہد سے ترک عباسی خلافت میں دخل کے مجاز بنے۔ اسی دخل سے عباسی خلافت کے ضعف کی ابتدا ہوئی اور سلطنت آہستہ آہستہ مستقل حکومتوں میں بٹتی گئی۔ یہاں تک کہ خلیفہ محض برائے نام رہ گئے۔

سامرّا کی آبادی ترک بڑے اکھڑ اور وحشی تھے۔ ان کے

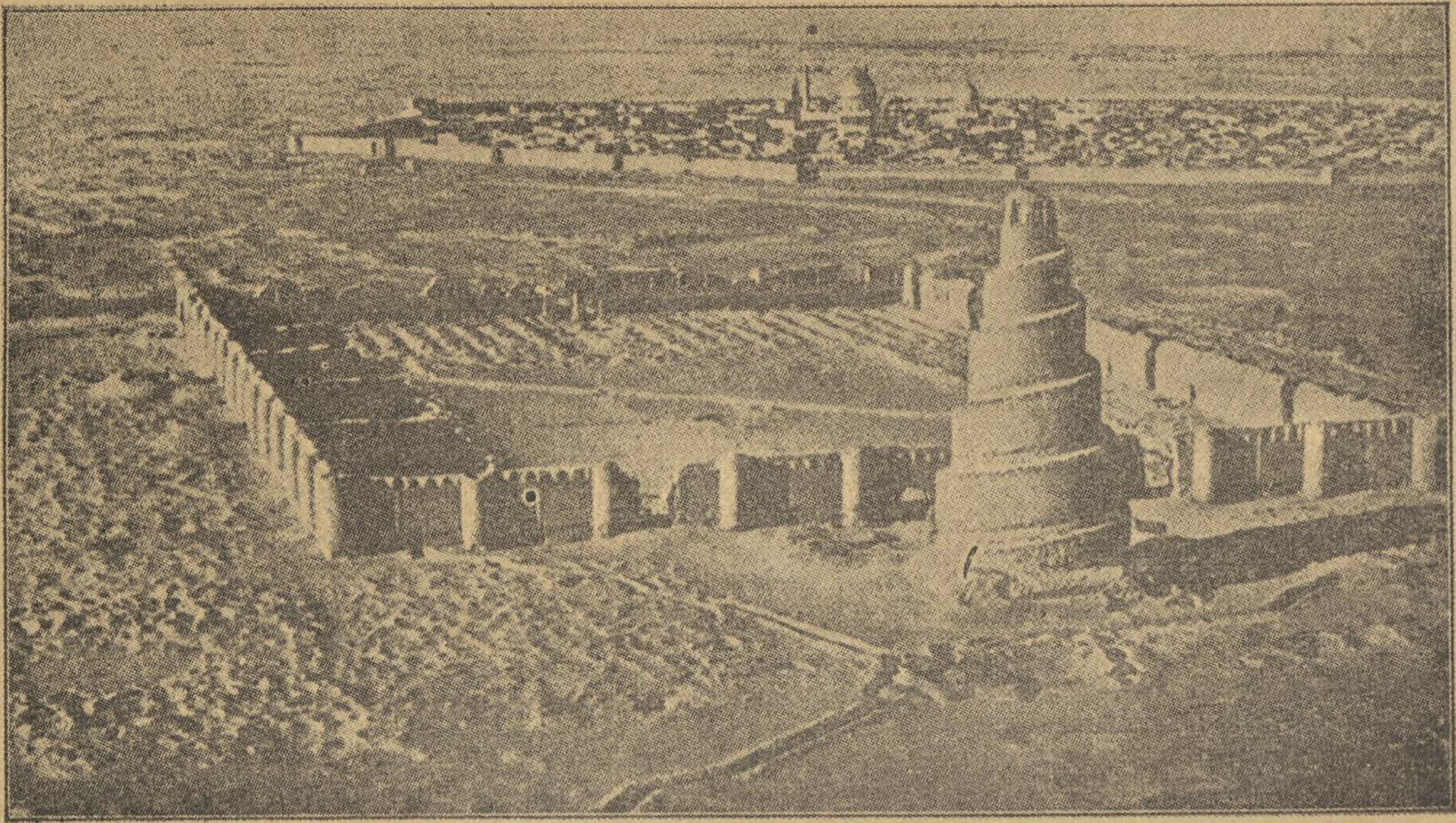
چھوٹے بڑے دستے بغداد کے بازاروں میں پھرنے لگے تو بات بات پر جھگڑے اٹھنے شروع ہوئے۔ لوگوں کو ان کی وجہ سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ معتصم نے ان جھگڑوں کو ختم کرنے کی تدبیر یہ سوچی کہ ترکوں کے لیے بغداد سے الگ ایک نئی چھاؤنی بنا دی جائے۔ چنانچہ بغداد کے شمال میں ساٹھ میل پر ایک مقام تجویز کیا۔ جس کا ابتدائی نام "سُرَّ مَنْ رَاٰے" (یعنی جس نے دیکھا خوش ہوا) تھا۔ یہی جملہ عوام کی زبانوں پر چڑھا تو "سامُرّا" بن گیا۔

اس چھاؤنی میں معتصم نے اپنے لیے ایک محل بنوایا۔ امرا نے بھی وہاں مکان بنا لیے اور خاصی بڑی آبادی بن گئی۔ بغداد کی جگہ سامرّا ہی تقریباً ساٹھ برس تک خلافت عباسیہ کا مرکز بنا رہا۔ یہاں بڑی عالیشان عمارتیں اور مسجدیں بنیں ان کے آثار اب تک موجود ہیں۔ شیعہ حضرات کے نزدیک آخری امام کی زیارت بھی وہیں ہے۔

اہم واقعات

معتصم زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ لیکن بہادری و جنگ آزمائی میں اس کا پایہ بہت بلند تھا۔ اس نے بھی رومیوں سے جنگ کی۔ اس سلسلے میں عموریہ[1] کی فتح کا واقعہ بڑا شاندار ہے۔ عموریہ ایشیائے کوچک میں رومیوں کا مرکز تھا۔ قیصر نے اسلامی علاقے پر حملہ کر دیا تھا۔ ایک مقام پر مسلمان مردوں کو قتل کر کے عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔ معتصم نے دربار میں بیٹھے بیٹھے یہ خبر سنی تو اسی وقت تخت سے اٹھا اور فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ جب کسی نے بتایا کہ ایک خاتون نے گرفتار ہوتے وقت کہا تھا: "اے معتصم! میری مدد کو پہنچ" تو "لبیک لبیک" (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں) کہتا ہوا چل پڑا۔ سخت لڑائی کی اور

[1] عموریہ انگورہ اور قریہ حصار کے درمیان تھا۔



جامع سامرا معه جديد شهر

عموریہ کو فتح کر لیا۔
معتصم عموریہ کی فتح کے بعد قسطنطنیہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن عباس بن مامون کی بغاوت کی خبر پہنچی، اس لیے واپس ہونا پڑا۔

بابک خرمی کا فتنہ مامون کے عہد میں اٹھا تھا۔ معتصم کے عہد میں بابک کا خاتمہ ہوا۔
معتصم نے محرم ۲۲۷ھ (اکتوبر ۸۴۱ء) میں وفات پائی اور اپنے بیٹے ہارون کو جانشین نامزد کیا۔ جو واثق باللہ کے لقب سے مسند نشین ہوا۔

واثق

واثق باللہ کے عہد میں کئی شورشیں اٹھیں جنھیں دبا دیا گیا۔ مسلمان پہلے ہی سے صقلیہ (سسلی) پر حملہ کر چکے تھے۔ جس کے اسباب و تفصیلات موقع پر بیان ہوں گے۔ واثق کے عہد میں مسلمانوں کو سسلی میں خاصی فتوحات حاصل ہوئیں۔

واثق اپنے باپ معتصم سے بھی بڑھ کر ترک افسروں اور فوجیوں پر مہربان تھا۔ پونے چھ برس کی حکومت کے بعد اس نے ذی حجہ ۲۳۳ھ (جولائی ۸۴۷ء) میں وفات پائی۔

متوکل علے اللہ

واثق باللہ کی وفات پر اس کا بھائی جعفر متوکل علے اللہ کے لقب سے خلیفہ بنا۔ اس کے عہد کے قابل ذکر واقعات یہ ہیں:
(۱) آرمینیا اور حمص میں بغاوتیں ہوئیں جنھیں فرو کر دیا گیا۔
(۲) تین رومی سردار سو کشتیاں لے کر مصر کے ساحلی مقام دمیاط پر چڑھ آئے۔ دمیاط میں جو فوج تھی وہ اس وقت باہر گئی ہوئی تھی۔ رومیوں نے شہر کو لوٹا اور عورتوں کو قید کر لیا۔ ایک

مسلمان سردار جیل خانے میں تھا۔ اسے خبر ملی تو بیڑیاں توڑ کر نکلا اور کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر ایسا سخت حملہ کیا کہ رومی بھاگ نکلے اس واقعہ کے بعد دمیاط میں قلعہ بنانے کا حکم دے دیا۔

۳۔ سسلی میں مزید فتوحات ہوئیں۔

مسلمان قیدیوں کا قتل

رومیوں کے پاس کم وبیش بارہ ہزار مسلمان اسیران جنگ تھے۔ ملکہ قسطنطنیہ کے دل میں جوش پیدا ہوا۔ اس نے ان اسیروں کے سامنے عیسائیت پیش کی۔ انکار پر قتل کر دیے گئے۔ اسیران جنگ کو یوں بحالت مجبوری قتل کرنے کا واقعہ بڑا دردناک تھا۔ متوکل کو خبر ملی تو اس نے باقی قیدیوں کو فدیہ بھیج کر چھڑا لیا۔ یہ تقریباً ایک ہزار تھے۔

زوال خلافت کی ابتدا

متوکل کے زمانے تک ترک فوجیوں نے سلطنت کے تمام کاموں میں عمل دخل حاصل کر لیا تھا۔ وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ متوکل نے ان کا زور توڑنا چاہا اور ایک ترک سالار کو قید بھی کر دیا۔ اس نے قید ہی میں وفات پائی۔

پھر اس نے اپنے دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے جانشینی کے لیے نامزد کیا۔ ان میں سے ایک کو منتصر باللہ اور دوسرے کو معتز باللہ کے لقب دیے۔ شروع میں منتصر کو پہلے رکھا تھا۔ پھر معتز کو منتصر سے پہلے کر دیا۔ اس پر منتصر بگڑ گیا اور باپ سے بعض اور باتوں میں بھی اس کا اختلاف ہو گیا۔

متوکل کا قتل

منتصر نے آہستہ آہستہ بعض ترک سالاروں کو ساتھ ملا کر باپ کے خلاف سازش کی۔


دولتِ اسلامیہ
عہد بنو عباس میں
پیمانہ
۱۰۰ ۸۰۰ ۶۰۰ ۴۰۰ ۲۰۰ ۰
افریقہ
عرب
بحیرۂ عرب
بحیرۂ اسود
بحیرۂ قزوین
یونان
اٹلی
صقلیہ
کریٹ (قریطش)
قبرص
سکندریہ
فسطاط
انطاکیہ
بغداد
ہمدان
کوفہ
بصرہ
شیراز
خیبر
مدینہ منورہ
مکہ معظمہ
نجد
بحرین
خلیج فارس
عمان
بحیرۂ قلزم
صنعا
یمن
حضرموت
بخارا
مرو
بلخ
غزنین
نیشاپور
ہرات
قندھار
دریائے سندھ

اور اسے قتل کرادیا۔ یہ ۴ شوال ۲۴۷ھ (۱۰ دسمبر ۸۶۱ء) کی رات کا واقعہ ہے۔

عباسی خلافت کے اقبال کا سورج تو دراصل مامون کی وفات کے بعد ہی ڈھلنے لگا تھا، لیکن متوکل کے قتل سے اس میں ضعف کے آثار بڑھتے گئے اور نئی نئی طاقتیں بروئے کار آتی گئیں جن کے سرسری حالات ہم اگلے بابوں میں بیان کریں گے۔

اس طرح عباسی خلافت میں تقریباً ایک سو پندرہ برس کے بعد زوال کا دور شروع ہوگیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی اس کا سکہ چار سو برس تک چلتا رہا۔

گیارھواں باب

زوال کا پہلا دور

۸۶۱ء۔ ۹۴۵ء

مرکز سامرّہ سامرہ میں عباسی خلفاء کا قیام معتصم باللہ کے وقت سے شروع ہوا تھا۔ اس زمانے سے ترکوں کے عہد تغلب کا آغاز ہوا، جس کا نشان متوکل علے اللہ کے قتل کی صورت میں سامنے آیا۔ اس وقت سے خلافت کی باگ ڈور عملاً ترک سپہ سالاروں کے ہاتھ میں رہی۔ وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے، جسے چاہتے تھے، مسند پر بٹھا دیتے تھے۔

خلفا ان کے ہاتھ میں قیدیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ حرم خلافت میں کنیزیں ان ترک سپہ سالاروں اور امیروں کے ساتھ جوڑ توڑ کرتی رہتی تھیں۔

خلفا جب تک سامرہ خلافت کا مرکز رہا اس وقت کے خلفا کی فہرست ذیل میں درج ہے۔ ہم نے معتصم باللہ، واثق باللہ اور متوکل علے اللہ کے نام اس فہرست میں درج نہیں کیے، ان کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں:

نام	آغاز حکومت	اختتام حکومت
منتصر باللہ بن متوکل	۸۶۱ء	۸۶۲ء
مستعین باللہ بن محمد بن معتصم	۸۶۲ء	۸۶۵ء
معتز باللہ بن متوکل	۸۶۵ء	۸۶۹ء
مہتدی باللہ بن واثق باللہ	۸۶۹ء	۸۷۰ء
معتمد علے اللہ بن متوکل	۸۷۰ء	۸۹۲ء

قابل ذکر حالات اب اس عہد کے قابل ذکر حالات سن لینے چاہئیں:

(۱) منتصر صرف چھ مہینے کی خلافت کے بعد بیمار پڑ گیا۔ طبیبوں نے فصد کی رائے دی۔ فصد کے لیے جو نشتر استعمال کیا گیا، وہ زہر میں بجھا ہوا تھا۔ اس سے زہر جسم میں سرایت کر گیا اور منتصر فوت ہو گیا۔

(۲) مستعین باللہ محمد بن معتصم کا بیٹا تھا۔ تین برس میں ترک سردار اس کے بھی خلاف ہو گئے۔ وہ سامرا سے بھاگ کر بغداد پہنچا۔ ترکوں نے معتز بن متوکل کو خلیفہ بنا دیا۔ مستعین کو مجبور ہو کر دست بردار ہونا پڑا۔ آخر میں جان بھی گئی۔

(۳) معتز کے خلاف تنخواہ نہ ملنے کے باعث شورش اٹھی۔ ترک اسے محل سے پکڑ کر باہر لائے۔ اتنا پیٹا کہ قمیص کے پرزے اڑ گئے۔ پھر ننگے پاؤں تپتی ہوئی زمین پر کھڑا کر دیا۔ وہ پاؤں اٹھاتا تو ترک تھپڑ مارتے۔ بعد میں اسے معزول کر کے ایک ترک کے حوالے کر دیا۔ اس نے بے بس خلیفہ پر کھانا پانی بند رکھا۔ آخر وہ خلافت سے دست بردار ہو گیا۔

(۴) مہتدی بڑا بیدار مغز، حق شناس اور رعایا پرور خلیفہ تھا۔ اس نے تمام غیر شرعی رسمیں مٹا دیں اور شریعت کے احکام جاری کیے۔ حق ناشناس لوگ اس کے خلاف ہو گئے۔ ایک ترک نے نشے کی حالت میں اسے شہید کر ڈالا۔ صرف ساڑھے گیارہ مہینے حکومت کی۔

(۵) معتمد علی اللہ نے اگرچہ ۲۳ برس حکومت کی لیکن اس کی حکومت محض برائے نام تھی۔ اختیارات اس کے بھائی موفق باللہ کے ہاتھ میں تھے۔

حبشیوں کی شورش

مہتدی باللہ کے زمانے میں عراق میں حبشی غلاموں کی شورش بپا ہوئی۔ اس شورش کا بانی ایک شخص علی بن عبدالرحیم تھا۔ جو "صاحب الزنج" کے لقب سے مشہور ہے۔ اس کے عقائد خارجیوں کے سے تھے۔ لیکن جب مصلحت دیکھتا تو علویوں کا حامی بن جاتا۔ یہ فتنہ چودہ پندرہ برس جاری رہا۔ ہزاروں آدمی تہ تیغ ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق اس فتنے میں پانچ لاکھ آدمی مارے گئے۔ بصرہ۔ واسط، اہواز اور ابلہ کے علاقے بڑے شاداب و زرخیز تھے۔ حبشی فتنے میں وہ سب ویران ہو گئے۔ معتمد علی اللہ کے زمانے میں صاحب الزنج

مارا گیا، اس طرح فتنہ کا خاتمہ ہُوا۔

مستقل حکومتیں

اس عہد میں کئی مستقل حکومتیں بنیں۔ ان میں سے پہلی حکومت طاہر بن حسین ذوالیمینین کی اولاد کی تھی، جو دولتِ طاہریہ کے نام سے مشہور ہے۔ دولت طاہریہ سے طبرستان اور جرجان کا علاقہ چھین کر حسن بن زید نے دولت علویہ کی بنیاد رکھی۔ مراکش میں ادریسی حکومت اور ٹیونس میں اغلبی حکومت پہلے قائم ہو چکی تھی۔ فرغانہ کے ایک ترک احمد بن طولون کو شام و مصر کا گورنر بنایا گیا۔ اس نے ۸۶۸ء میں دولت طولونیہ قائم کر لی۔ احمد بن طولون کے دو بیٹے اور تین پوتے یکے بعد دیگرے ۹۰۵ء تک اس حکومت پر قابض رہے۔ پھر ان کی جگہ اخشیدیوں نے لے لی۔ اخشیدیوں سے شام کا علاقہ حمدانی خاندان کے لوگوں نے چھین لیا۔ اس خاندان کا مشہور حکمران سیف الدولہ تھا۔

دولت صفّاریہ

مشرق میں طاہریوں اور علویوں کے بعد پہلی قابلِ ذکر حکومت صفاریوں کی تھی اس کا بانی یعقوب ابن اللیث الصفّار (ٹھٹھیرا یعنی تانبے کے برتن بنانے والا) تھا وہ بڑا عالی دماغ اور سجلا آدمی تھا۔ چند ساتھیوں کو لے کر ڈاکے مارنے لگا۔ چونکہ بڑا بہادر تھا اس لیے سجستان (سیستان) کے حاکم نے اسے اپنی فوج کی کمان سونپ دی۔ جب حاکم مرگیا تو یعقوب نے اس کی جگہ لے لی پھر آہستہ آہستہ پورے ایران کا مالک بن گیا۔ بعد میں خلیفہ سے ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو گئی۔ اس جنگ میں یعقوب زخمی ہُوا اور بھاگ کر جان بچائی۔ جب وہ فوت ہُوا تو صفاری حکومت کو یعقوب کے بھائی عمرو نے سنبھال لیا۔ اس حکومت کا خاتمہ سامانیوں نے کیا۔

سامانی سلطنت

سامان بلخ کا ایک امیر تھا۔ وہ زردشتی مذہب کو

چھوڑ کر مسلمان ہو گیا۔ اس کے اخلاف میں سے نصر بن احمد (۸۷۴ء - ۸۹۲ء) نے دولتِ سامانیہ کی بنیاد رکھی لیکن یہ سلطنت نصر کے بھائی اسماعیل کے عہد میں مستحکم ہوئی۔ سامانی ابتدا میں دولت طاہریہ کی طرف سے چھوٹے چھوٹے علاقوں کے حاکم بنے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے اقتدار کا دائرہ بڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ ماوراء النہر[1] اور خراسان کے علاوہ سجستان، کرمان، جرجان، طبرستان اور رے بھی ان کے قبضے میں آ گئے۔ بخارا ان کا مرکز تھا۔

یہ ظاہرا دربار بغداد کے ماتحت رہے اور ہر نیا بادشاہ اپنے لیے دربار سے پروانہ حاصل کرتا تھا۔ لیکن اپنے علاقوں میں ہر لحاظ سے خود مختار تھے۔ انھوں نے علوم و فنون کی سرپرستی کو کمال پر پہنچا دیا۔ اور سمرقند و بخارا انھیں کے عہد میں علوم کے سرچشمے بنے۔ سامانی سلطنت کو غزنویوں اور ترکستان کے ایلک خانیوں نے ختم کیا۔ یہ کم و بیش سوا سو برس قائم رہی۔

اسماعیلیہ اور قرامطہ

اسماعیلیہ فرقے کا دعویٰ یہ ہے کہ امامت حضرت امام جعفر رضؓ صادق کے بعد آپ کے فرزند امام موسیٰ رضؓ کاظم کو نہیں بلکہ دوسرے فرزند اسماعیل کو ملی جو امام جعفر رضؓ صادق سے پانچ برس پیشتر انتقال کر گئے تھے۔ اور ان کا روضہ مدینہ منورہ میں ہے۔ اسی وجہ سے فرقے کا نام اسماعیلیہ پڑا۔ وہ حضرت اسماعیل کو امام غائب مانتے ہیں۔ اس فرقے کو باطنیہ بھی کہتے ہیں۔ اسماعیلیہ سے ایک نیا فرقہ پیدا ہوا جو

---

[1] ماوراء النہر کے معنی ہیں دریا پار کا علاقہ۔ عربوں نے سغدیانہ یعنی علاقہ سمرقند و بخارا کو یہ نام دیا تھا جو عرب کی سمت سے جیحوں کے پار تھا۔

حمدان قرمط کے نام سے قرمطی مشہور ہوا۔ حمدان نے ۸۹۰ء میں کوفہ کے قریب ایک خانقاہ دارالہجرۃ کے نام سے بنائی۔ یہی خانقاہ اس کی خفیہ دعوت کا مرکز بن گئی۔ یہ تحریک کئی سالوں میں بہت پھیلی۔

خوفناک ظلم و ستم قرمط کے ایک داعی ابوسعید الحسن الجنابی کی قیادت میں قرمطیوں نے بحرین[1] میں ایک مستقل حکومت قائم کر لی۔ پھر یمامہ (جنوبی نجد) پر سخت حملے کیے۔ حاجیوں کے راستے روک دیے۔ الجنابی کے بیٹے ابو طاہر سلیمان نے سارے عراق کو اپنی ترکتازوں سے تباہ کر ڈالا۔ ۹۳۰ء میں وہ مکہ مکرمہ پہنچا۔ ہزاروں حاجیوں کو اس نے قتل کیا۔ آخر ابو طاہر قتل ہوا۔ وہ حجر اسود کو کعبے کی دیوار سے اکھاڑ کر لے آیا تھا، تئیس برس کے بعد حجر اسود واپس ہوا۔ قرمطیوں نے سندھ اور ملتان میں بھی اپنے مرکز قائم کر لیے تھے۔ جنھیں تباہ کرنے کی غرض سے محمود غزنوی کو ملتان پر حملے کرنے پڑے۔

بارھواں باب

زوال کا دوسرا دور

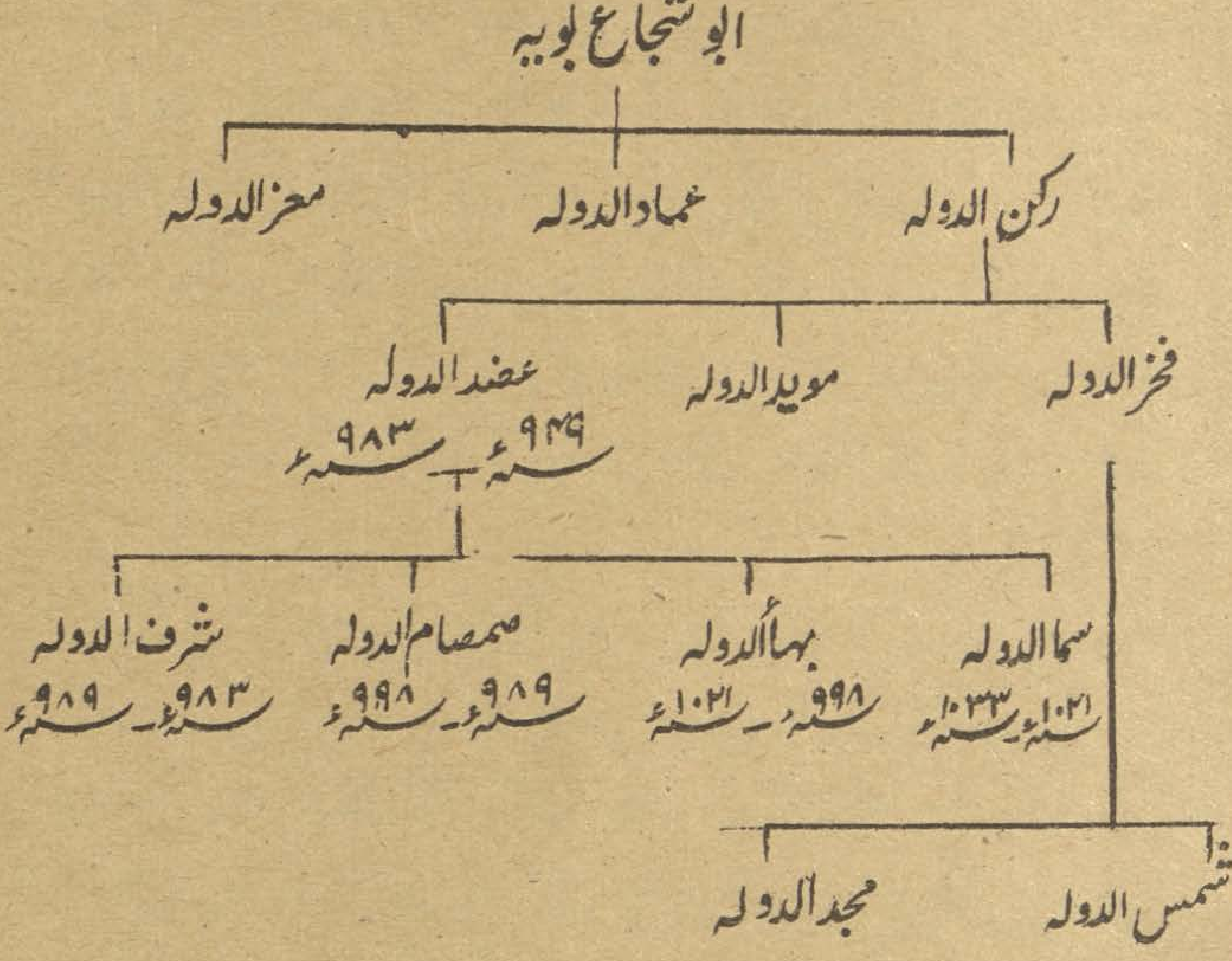
آل بویہ، غزنوی، سلجوقی اور فاطمی

۸۹۲ء سے ۱۰۷۴ء

تمہید معتمد علی اللہ، عباسی خاندان کا پندرھواں خلیفہ تھا۔ اس

[1] بحرین نجد کے صوبے الحسا کا پرانا نام ہے۔

خاندان بویہ کا شجرہ



کے بعد معتضد باللہ خلیفہ بنا۔ جو معتمد کے بھائی موفق کا بیٹا تھا۔ معتضد نے سامرّا کو چھوڑ کر بغداد کو مرکز بنایا۔ اس طرح مرکز حکومت اگرچہ بدل گیا، لیکن حالات کی رفتار میں کوئی تغیر نہ ہُوا معتضد سے لے کر قائم بامراللہ تک گیارہ خلفاء یکے بعد دیگرے مسند نشین ہوئے۔ ان میں سے بعض اچھے حکمران بھی تھے۔ لیکن خلافت کا بکھرا ہُوا شیرازہ پھر نہ بندھ سکا اور نئی نئی حکومتیں وجود میں آتی رہیں۔ جو اگرچہ خلافت کے ماتحت تھیں لیکن عملاً سارے اختیارات انھیں کے ہاتھ میں تھے۔ وہ جسے چاہتیں خلیفہ بنا دیتیں، جسے چاہتیں الگ کر دیتیں۔ ان خلیفوں کے نام اور مدت حکومت کا حال عباسی خاندان کے شجرے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

مقتدر باللہ معتضد دس برس حکمران رہا۔ پھر اس کے تین بیٹوں نے یکے بعد دیگرے بتیس برس حکومت کی۔ ان میں سے مقتدر باللہ قابل ذکر ہے جو ۹۰۸ء سے لے کر ۹۳۲ء تک خلیفہ رہا۔ اس کے عہد میں قاہرہ میں فاطمی خلافت قائم ہوئی۔ اندلس میں عبدالرحمٰن ثالث نے خلافت کا دعوےٰ کر دیا۔ گویا ایک ہی زمانے میں دنیائے اسلام میں تین خلیفے ہو گئے۔ مقتدر نے سارے اختیارات اپنے وزیر مونس المظفر کے حوالے کر دیے تھے اور اسے امیرالامرا کا عہدہ دے دیا تھا۔ اس شخص نے پاؤں جما کر مقتدر کو معزول کر کے اس کے بھائی قاہر باللہ کو خلیفہ بنا یا۔ پھر قاہر کو الگ کر کے مقتدر کو بحال کر دیا۔ اس کے بعد اسے قتل کرا دیا اور قاہر کو دوبارہ خلیفہ بنا دیا۔ بعد میں اسے معزول کر کے آنکھوں میں سلائی پھرا دی۔ اور وہ بیچارہ آخری عمر میں بغداد کی گلیوں میں بھیک مانگ کر گزارا

کرتا رہا۔

باقی خلفا قاہر کے بعد مقتدر کا بیٹا راضی باللہ خلیفہ بنا۔ وہ بڑا قابل شخص تھا، لیکن بالآخر قتل ہوا۔ یہ آخری خلیفہ تھا جو جمعہ کی نماز میں خود خطبہ دیتا تھا۔ اس کے بعد سلطنت کے سارے اختیارات امیر الامرا کے قبضے میں آ گئے۔ مستکفی باللہ کے عہد میں بویہ خاندان بغداد پہنچا اور احمد ابن بویہ (جسے معز الدولہ کا لقب دیا گیا تھا) امیر الامرا بن کر تمام اختیارات کا مالک بن گیا۔ مطیع للہ کے عہد میں غزلوی خاندان کی بنیاد پڑی۔ قادر باللہ نے سلطان محمود غزلوی کو یمین الدولہ اور امین الملت کے خطابات دیے تھے۔ اس کے بیٹے قائم بامر اللہ کے عہد میں سلجوقی تمام امور سلطنت پر قابض ہو گئے۔

خاندان بویہ بویہ خاندان کا بانی ابو شجاع بویہ تھا جو دیلم[1] کا باشندہ تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ احمد۔ علی اور حسن۔ ان تینوں کو معز الدولہ، عماد الدولہ، اور رکن الدولہ کے خطابات عطا ہوئے تھے۔ انھوں نے آہستہ آہستہ ایران کے بڑے حصے پر قبضہ جما لیا اور شیراز کو اپنا دار الحکومت بنایا۔ معز الدولہ نے بغداد پہنچ کر امیر الامرا کا خطاب حاصل کیا اور خلیفہ کو اس بات پر مجبور کیا کہ جمعہ کے خطبے میں خلیفہ کے ساتھ امیر الامرا کا نام بھی لیا جائے۔ معز الدولہ ہی نے مستکفی باللہ کو اندھا کر کے اس کی جگہ مطیع للہ کو خلیفہ بنایا تھا۔ اس عہد میں بغداد کی پہلی حیثیت زائل ہو گئی تھی۔ اس لیے کہ شیراز، غزنہ، قاہرہ اور قرطبہ (اندلس) بڑی عظمت کے مالک بن گئے تھے۔

عضد الدولہ معز الدولہ ۹۴۹ء میں فوت ہوا اس کے کوئی

[1] دیلم بحیرۂ قزوین کے مغرب میں گیلان کے قریب ہے

اولاد نہ تھی اس لیے اپنے بھائی رکن الدولہ کے بیٹے عضد الدولہ کو متبنّیٰ بنا لیا تھا۔ تدبر، حسن انتظام اور رعایا پروری میں عضد الدولہ بویہ خاندان میں سب سے اونچا مانا جاتا ہے۔ اس کی سلطنت ہارون الرشید کی سلطنت کے برابر تھی۔ خلافت پر قبضہ کرنے کی تدبیروں کے سلسلے میں عضد الدولہ نے اپنی بیٹی خلیفہ طائع للہ سے بیاہ دی اور خود خلیفہ کی بیٹی سے شادی کرلی۔ شاہنشاہ کا لقب بھی پہلے پہل اسی نے اختیار کیا۔ جگہ جگہ مسجدیں، ہسپتال سرائیں اور پل بنوائے۔ اگرچہ اس کا اپنا پایۂ تخت شیراز تھا لیکن بغداد میں بھی بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ ان میں سے ایک بڑا شفاخانہ تھا جس کا نام بیمارستان تھا۔ اس کے لیے ایک لاکھ دینار وقف کیے۔ نجف اشرف میں حضرت علی رضؓ کا روضہ بھی اسی نے تعمیر کرایا۔

جانشینی

عضد الدولہ ۹۸۳ء میں فوت ہوا تو اس کا بیٹا شرف الدولہ مسند نشین ہوا۔ پھر دوسرے بیٹوں صمصام الدولہ، بہاء الدولہ وغیرہ کو حکومت ملی۔ لیکن جلد ہی خاندان میں لڑائیاں جھگڑے شروع ہو گئے اور خاندان بویہ کا اقتدار کمزور ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ سلجوقیوں کے اقبال کا ستارہ طلوع ہوا۔ ۱۰۵۵ء میں بویہ خاندان تاریخ ماضی کا ایک افسانہ بن گیا۔

غزنوی سلطنت

خاندان بویہ کے بعد مشرق میں غزنویوں کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ اس سلطنت کی بنیاد الپ تگین نے رکھی تھی۔ جو سامانی خاندان کا غلام تھا، لیکن اپنی قابلیت سے خراسان کا گورنر بن گیا۔ الپ تگین کے بعد اس کے داماد سبک تگین کے عہد حکومت میں غزنوی سلطنت نے ابتدائی

شہرت حاصل کی۔ سبک تگین کے بیٹے محمود نے غزنویوں کی ناموری کو چار دانگ عالم میں پہنچا دیا۔ اس خاندان میں سولہ بادشاہ ہوئے، ان کی سلطنت ایک زمانے میں پورے عراق عجم خراسان، پورے افغانستان، سجستان، پنجاب اور ماوراء النہر کے ایک حصے پر پھیلی ہوئی تھی۔

سلطان محمود سلطان محمود ۹۹۹ء میں تخت نشین ہوا۔ ہندوستان کے راجاؤں نے اس کے باپ سبک تگین کے وقت ہی میں لڑائیاں چھیڑ دی تھیں۔ محمود پر بھی انھوں نے دو مرتبہ یورشیں کیں۔ انھیں شکست دے کر محمود نے پچیس برس کی مدت میں پے در پے ہندوستان پر حملے کیے۔ قنوج، کالنجر، گوالیار اور متھرا تک پہنچا۔ اس کا سب سے بڑا حملہ سومنات (کاٹھیاواڑ) پر تھا۔ لیکن پنجاب کے سوا کسی علاقے پر مستقل حکومت قائم نہ کی۔ ۱۰۳۰ء میں فوت ہوا۔ اس کے عہد میں غزنہ، جسے عام لوگ غزنی کہتے ہیں، ایشیا کا نہایت عظیم الشان شہر بن گیا تھا، اور اس کی آبادی پندرہ سولہ میل میں پھیل گئی تھی۔

محمود خود بڑا عالم اور خوش ذوق بادشاہ تھا۔ عمر بھر علم و ادب کی سرپرستی کرتا رہا۔ سامانیوں کے بعد اسی کے عہد میں فارسی ادب نے ترقی کی ابتدائی منزلیں طے کیں۔ فردوسی اور عنصری اس کے درباری شاعر تھے۔ البیرونی کو بھی اس نے خوارزم سے بلا کر اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا۔ تاریخ یمینی کا مصنف العتبی بھی اس کا درباری تھا۔

سلجوقیوں کا ظہور غزنوی سلطنت کمزور ہوئی تو افغانستان

میں غوری برسر اقتدار آ گئے۔ ماورالنہر کے علاقے میں ایک نئے ترک قبیلے کا ظہور ہوا۔ جنھیں تاریخ میں سلجوقی کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس قبیلے نے اپنے سردار سلجوق کے عہد میں اہم حیثیت حاصل کی تھی۔ سلجوق کے پوتے طغرل اور اس کے بھائی چغر بیگ داؤد نے قدم آگے بڑھائے۔ انھوں نے غزنویوں سے مرو اور نیشاپور کے علاقے چھینے۔ پھر جرجان خوارزم، طبرستان اصفہان اور ہمدان کو فتح کرتے ہوئے ۱۸ دسمبر ۱۰۵۵ء کو بغداد کے دروازوں پر جا پہنچے۔ یہ قائم بامر اللہ کا زمانہ تھا۔ اس وقت سے عباسی خلافت سلجوقیوں کے زیر اثر آ گئی۔ اس عہد کے حالات ہم آیندہ باب میں بیان کریں گے۔

فاطمی خلافت

فاطمی خلافت کے بانی عبید اللہ المہدی کا نام سعید تھا۔ اس کے والد محمد الحبیب سلمیہ میں رہتے تھے جو شام میں حمص کے قریب ایک مقام ہے۔ یہ اسماعیل بن امام جعفر رح صادق کی اولاد میں سے ہونے کے دعویدار تھے۔ بعض مورخوں نے ان کے اس دعوے سے اختلاف کیا ہے۔ بہرحال محمد الحبیب خفیہ خفیہ اپنی دعوت پھیلاتے رہے اور یمن کے بہت سے لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ یمن ہی سے ایک داعی کو جس کا نام ابو عبداللہ حسن بن محمد تھا ٹیونس، الجزائر اور مراکش کی طرف بربریوں میں دعوت کے لیے بھیجا گیا۔ جب اسے کامیابی کا یقین ہو گیا تو سعید کو سلمیہ سے بلا لیا۔ وہ تاجر کے بھیس میں پہنچے لیکن گرفتار ہو گئے۔ اور اغلبی سلطنت کے حکمران زیادۃ اللہ نے انھیں قید میں ڈال دیا۔ حسن نے بھاری لشکر جمع کر کے انھیں قید سے چھڑایا اور سعید ۹۰۹ء میں

رقادہ[1] کے مقام پر عبید اللہ المہدی کے لقب سے خلیفہ بن گئے۔ اور اپنے آپ کو فاطمی کہنے لگے۔ ۹۲۰ء میں قیروان سے سولہ میل جنوب مشرق میں ساحل بحر پر ایک نیا شہر بسایا جس کا نام مہدیہ رکھا۔ اس کو مرکز حکومت بنایا۔ عبید اللہ المہدی کو اغلبیوں کا طاقتور بیڑا بھی ہاتھ لگا تھا۔ اس بیڑے کو لے کر اس نے مالٹا، سارڈینیا۔ کارسیکا اور بعض دوسرے جزیروں پر سخت حملے کیے۔

قاہرہ کی بنیاد

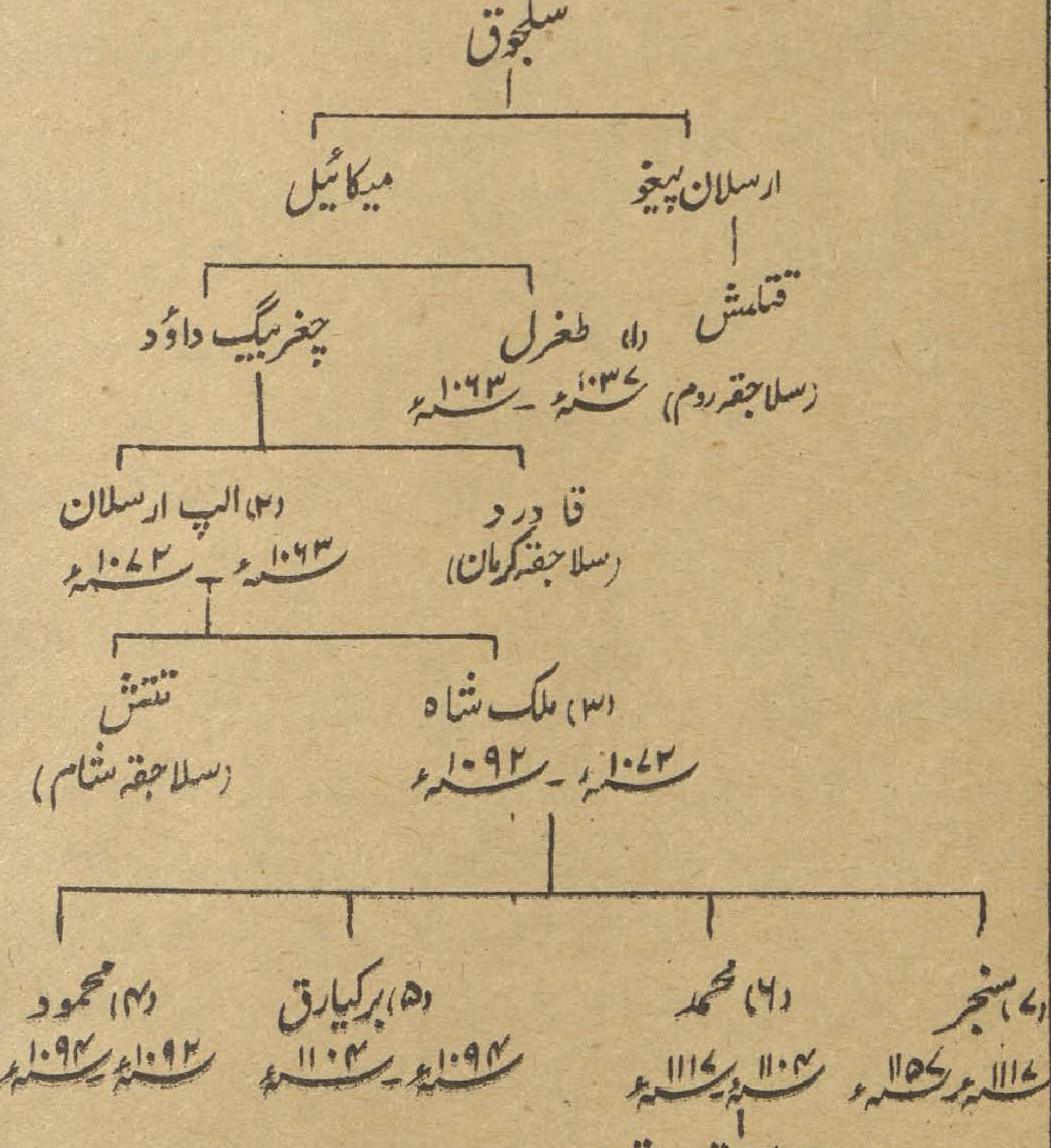
اس خاندان میں تقریباً دو سو باسٹھ برس حکومت رہی۔ کل چودہ خلفا ہوئے۔ ۹۶۹ء میں ان کے سپہ سالار جوہر الصقلی نے جو جوہر رومی بھی کہلاتا ہے، مصر پر قبضہ کر لیا اور فسطاط کے پاس ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی جس کا نام قاہرہ رکھا۔ اس وقت سے قاہرہ ہی مصر کا پایۂ تخت بن گیا۔ جوہر ہی نے ۹۷۲ء میں مسجد ازہر بنائی جو بعد میں اسلامی و عربی علوم کی شہرۂ آفاق یونیورسٹی بن گئی۔ پانچویں خلیفہ العزیز (۹۷۵ء۔ ۹۹۶ء) نے قاہرہ کو بے حد خوبصورت شہر بنا دیا۔ الازہر کو یونیورسٹی بھی اسی نے بنایا۔ اس کے بیٹے الحاکم (۹۹۶ء۔ ۱۰۲۱ء) کے بعد سے فاطمی خلافت میں زوال کا دور شروع ہو گیا۔

ایک لطیفہ

العزیز نے بیس لاکھ دینار خرچ کر کے ایک محل صرف اس غرض سے بنایا تھا کہ وہ بغداد کو فتح کر کے عباسی خاندان کے آدمیوں کو گرفتار کر کے لائے گا تو اس محل میں رکھے گا۔ اسی طرح العزیز نے اندلس کے اموی حکمران کو تحقیر آمیز خط لکھا۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا "تم نے ہماری ہنسی اڑائی، اس لیے

[1] رقادہ ٹیونس میں قیروان کے پاس ایک مقام ہے۔ اغلبی حکمران اس مقام پر رہتے تھے

شجرۂ خاندان سلجوق



کہ ہمارا نام سُن چکے ہو۔ اگر ہم نے تمہارا نام سنا ہوتا تو مذاق کا ضرور جواب دیتے ؛

یعنی اندلسی حکمرانوں کو تو بہ ہر حال اتنی شہرت حاصل تھی کہ العزیز کو انھیں خط لکھنے کا خیال آیا۔ العزیز اور فاطمیوں کا نام بھی اندلس نہیں پہنچا تھا۔ اتنے بے حقیقت لوگوں کو کیا جواب دیا جاتا :

تیرھواں باب

سلجوقی سلطنت

۱۰۵۵ء - ۱۱۹۴ء

سلجوقی سلطنت اور عباسی خلفاء

سلجوقی سلطنت تاریخ کی نہایت عظیم الشان سلطنتوں میں سے ہے۔ اس کی شوکت و حشمت، جاہ و جلال اور وسعت و پہنائی کا مقابلہ دنیا کی بہت کم سلطنتیں کر سکتی ہیں۔ یہ قائم بامراللہ کے زمانے میں قائم ہوئی تھی، جو عباسی خاندان کا چھبیسواں خلیفہ تھا۔ اور چونتیسویں خلیفہ ناصر لدین اللہ کے زمانے میں اس کا اقتدار ختم ہُوا۔ ساتھ ہی اس سے کئی اور سلطنتیں پیدا ہو گئیں، جن کا ذکر موقع پر آئے گا۔

اس مدت میں قائم بامراللہ کے بعد آٹھ خلیفہ ہوئے: مقتدی بامراللہ، مستظہر باللہ، مسترشد باللہ، راشد باللہ، مقتفی لامراللہ، مستنجد باللہ، مستضی بامراللہ اور ناصر لدین اللہ۔ یہ سب بالکل بے حیثیت تھے۔ مسترشد اور راشد دونوں قتل ہوئے۔

طغرل طغرل بغداد پہنچا تو اس سے پہلے ترک سپہ سالار بساسیری بھاگ گیا اور اس نے فاطمی خلیفہ کے ساتھ ساز باز کر لیا۔ قائم نے بڑی شان و شکوہ سے طغرل کا استقبال کیا اور اسے ملک الشرق والغرب بنا کر سلطنت کے کل انتظامات سونپ دیے۔ وہ واپس گیا تو بساسیری ۱۰۵۶ء میں فوج لے کر بغداد پر حملہ آور ہوا۔ شہر پر قبضہ کر کے قائم سے ایک دستاویز پر دستخط لیے۔ جس کے مطابق خلافت کے تمام اختیارات فاطمیوں کے حوالے کیے گئے تھے۔ طغرل واپس آیا تو بساسیری کو موت کی سزا دی۔ بساسیری کا بھروسا دیلمی فوجوں پر تھا، جو خاندان بویہ کے وقت سے اس کے ساتھ تھیں۔ طغرل نے یہ فوجیں بھی برطرف کر دیں اور اور بویہ کو کچل کر رکھ دیا۔

الپ ارسلان طغرل ۱۰۶۳ء میں فوت ہوا۔ وہ لاولد تھا، اس لیے اپنے بھتیجے سلیمان بن جعفر بیگ داؤد کو جانشین بنایا۔ سلیمان الپ ارسلان کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ طغرل کے ایک چچیرے بھائی قتلمش نے الپ ارسلان کی جانشینی قبول نہ کی اور مقابلہ کیا۔ اس میں ہار گیا۔ اس طرح الپ ارسلان کی جانشینی مسلم ہو گئی۔ خلیفہ نے الپ ارسلان کو ضیاء الدین عضد الدولہ کا خطاب دیا۔

الپ ارسلان نے اس کے بعد آرمینیا اور جارجیا کی طرف پیش قدمی کی۔ اس سلسلے میں رومی علاقے بھی فتح ہوئے۔ قیصر روم نے تین لاکھ فوج تیار کی اور اس طوفانِ عظیم کو لے کر لڑائی کے لیے نکلا۔ الپ ارسلان کے پاس صرف پندرہ ہزار جانباز تھے۔ مزید تیاری کا موقع نہ تھا۔ اس لیے پندرہ ہزار ہی

کو لے کر مقابلے کے لیے روانہ ہو گیا۔

ملاذ کرد کی لڑائی

قیصر روم رومانوس[1] کے ساتھ مقابلے سے سے پہلے الپ ارسلان نے صلح کا پیغام بھیجا۔ ارمانوس نے جواب دیا کہ اب صلح تمھارے دارالحکومت ہی میں پہنچ کر ہوگی۔ اس پر جنگ ناگزیر ہوگئی۔ جمعہ کی نماز کے بعد الپ ارسلان پندرہ ہزار جانبازوں کو لے کر رومیوں کے انبوہ عظیم میں گھس گیا۔ خون کا دریا بہ نکلا۔ اور ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ آخر رومی شکست کھا کر بھاگے اور قیصر رومانوس گرفتار ہو گیا۔ پندرہ ہزار اور تین لاکھ میں کیا نسبت تھی۔ سلجوقیوں نے اس موقع پر جو بہادری و جوانمردی دکھائی وہ تاریخ میں ہمیشہ درخشاں رہے گی۔ ملاذ کرد کی لڑائی دنیا کی چند نہایت نادر لڑائیوں میں سے ہے اور الپ ارسلان کی مردانگی کا بہت ہی بڑا کارنامہ ہے۔

مسلمان کی شانِ عفو

لڑائی کے بعد الپ ارسلان نے قیصر رومانوس سے پوچھا کہ تمھیں مجھ سے کس سلوک کی امید ہے؟ اس کو اپنا قول یاد تھا کہ صلح سلجوقیوں کے دارالحکومت میں ہوگی۔ جواب دیا یا مجھے قتل کروگے یا رسوائی کے لیے ساتھ رکھوگے۔ الپ ارسلان نے کہا: نہیں میں تمھیں چھوڑتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ جنگ کا تاوان دو۔ جتنے مسلمان قیدی تمھارے پاس ہیں انھیں رہا کردو۔ اور آئندہ جب کبھی مجھے مدد کی ضرورت ہو مدد دینے کا عہد کرو۔

یہی نہیں بلکہ رومانوس کو شاہی خیمے میں ٹھہرایا۔ دس ہزار

---

[1] Romanus Diogenes

اشرفیاں اسے زادِ راہ کے لیے دیں۔ پادریوں کی ایک جماعت بھی اسیرانِ جنگ میں تھی، انھیں رہا کیا، خلعت دیے اور رومالونس کے ساتھ بھیجا۔ رومالونس الپ ارسلان کے سلوک سے اتنا متاثر ہوا کہ پچاس برس کے لیے غیر جانبداری کا عہدنامہ الپ ارسلان کے ساتھ کر لیا۔

الپ ارسلان نے اور بھی فتوحات حاصل کیں۔ افسوس کہ دس برس کی حکومت کے بعد وہ ایک اتفاقی حادثے سے اچانک شہید ہو گیا۔ مرو میں اسے باپ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

ملک شاہ الپ ارسلان کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ تاج و تخت کا وارث بنا۔ اس کے عہد میں سلجوقی سلطنت عروجِ کمال کو پہنچ گئی۔ ملک شاہ نے جگہ جگہ پل اور سرائیں بنوائیں خصوصاً مکہ مکرمہ کو جانے والا کوئی راستہ بھی سراؤں سے خالی نہ چھوڑا۔ تاکہ لوگوں کو حج کرنے میں تکلیف نہ ہو۔

طغرل نے اپنا مرکز مرو میں رکھا تھا۔ الپ ارسلان نے اصفہان کو اس غرض کے لیے چنا۔ ملک شاہ نے بھی خاصی مدت اصفہان ہی میں گزار دی مرنے سے ایک دو برس پہلے بغداد میں ڈیرا جما لیا۔ ۱۰۸۷ء میں خلیفہ مقتدی نے ملک شاہ کی لڑکی سے شادی کی۔ اس سے لڑکا پیدا ہوا۔ ملک شاہ اسے سلطنت اور خلافت دونوں کا مالک بنانا چاہتا تھا۔ لیکن یہ امید پوری نہ ہوئی ۱۰۹۲ء میں ملک شاہ نے وفات پائی۔

نظام الملک الپ ارسلان اور ملک شاہ کے عہد میں ملک کے حسنِ انتظام کا سہرا ان کے مشہور وزیر نظام الملک طوسی کے سر رہا۔ اس کا نام ابوعلی حسن بن علی تھا۔

بڑا فاضل اور مدبر آدمی تھا۔ "سیاست" نامہ یا "دستورالوزرا" اس کی مشہور کتاب ہے۔ ملک کا انتظام اعلیٰ پیمانے پر پہنچا دینے کے علاوہ نظام الملک نے اعلیٰ تعلیم کے لیے کئی درسگاہیں قائم کیں جن میں سے نظامیہ بغداد بہت مشہور ہوئی۔ امام غزالیؒ بھی اس درسگاہ میں استاد رہے۔ نظام الملک کو ایک باطنی فدائی نے ۱۰۹۲ء میں شہید کیا۔

حسن بن صباح

اسماعیلی تحریک سے پہلے باطنی نکلے۔ پھر قرمطی۔ حسن بن صباح نے اس سے "فدائیوں" کی ایک جماعت پیدا کی۔ جو اپنی نوعیت کی نہایت عجیب جماعت تھی۔ حسن بن صباح کی تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ وہ ۱۱۲۴ء میں فوت ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت ایک سو بیس برس کی عمر ہو چکی تھی۔ اتنی نہ ہو لیکن اس نے خاصی لمبی عمر پائی۔ وہ غالباً طوس میں پیدا ہوا۔ رے میں تعلیم پائی۔ وہیں باطنی تحریک میں شامل ہوا۔ پھر اس نے مستقل حیثیت پیدا کر لی۔ ۱۰۹۰ء میں اسے قزوین کے پہاڑی علاقے میں الموت نام ایک مقام مل گیا تھا جو سطح بحر سے دس ہزار فٹ بلند تھا۔ کہتے ہیں کہ وہاں اس نے ایک "جنت" بنائی تھی۔ لوگوں کو بھنگ (حشیش) پلا کر بے ہوش کرتا۔ پھر اس "جنت" میں لے جاتا۔ بعد ازاں بے ہوش کر کے باہر پہنچا دیتا۔ جو لوگ ایک مرتبہ جنت میں ہو آتے وہ فدائی بن جاتے۔ ان کی سب سے بڑی آرزو یہی ہوتی کہ جان دیں اور اس جنت میں جا بیٹھیں۔

یہ فدائی اس قدر جانباز تھے کہ جسے قتل کرنے کا حکم ہوتا

احاطوں اور پہروں سے گزرتے ہوئے جان پر کھیل کر قتل کر آتے۔

سلجوقیوں کا زوال ملک شاہ کی وفات کے بعد سلجوقیوں کا زوال شروع ہو گیا۔ اس کے چار بیٹے یکے بعد دیگرے سلطان بنے۔ پہلے محمود، پھر برکیارق، اس کے بعد محمد اور آخر میں سنجر۔ خانہ جنگی نے سلطنت کو کمزور کر دیا۔ نظام الملک نے غالباً فوجی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سلجوقی خاندان کے مختلف لوگوں کو جگہ جگہ موروثی جاگیریں دے دی تھیں۔ جب مرکزی سلطنت کمزور ہوئی تو جاگیردار خودمختار بن گئے۔

پانچ ماتحت شاخیں سلجوقیوں کی مندرجہ ذیل ماتحت شاخیں قابل ذکر ہیں۔

	شاخ	آغازِ حکومت	اختتامِ حکومت
(۱)	سلاجقۂ شام	سنہ ۱۰۹۴ء	سنہ ۱۱۱۷ء
(۲)	سلاجقۂ کرمان	سنہ ۱۰۴۱ء	سنہ ۱۱۸۷ء
(۳)	سلاجقۂ عراق	سنہ ۱۱۱۷ء	سنہ ۱۱۹۴ء
(۴)	سلاجقۂ روم	سنہ ۱۰۷۷ء	سنہ ۱۳۰۰ء
(۵)	سلاجقۂ اراض روم	سنہ ۱۱۸۸ء	سنہ ۱۳۰۰ء

آخرالذکر سلاجقۂ روم کی ایک شاخ تھے۔

خوارزم شاہی ان کے علاوہ سلجوقیوں کے غلاموں میں سے کئی حکمران خاندان پیدا ہوئے جنھیں اتابک کہتے تھے۔ ان میں سے اتابکان موصل و شام کا ذکر اگلے باب میں آئے گا۔

خوارزم شاہی خاندان کا بانی الو نشتگین بھی سلجوقی غلام تھا۔

اس نے خوارزم (موجودہ خیوا، جو آج کل جمہوریہ روس میں ہے) کی حکومت پائی تو خودمختاری کی بنیاد رکھ دی۔ اس کے جانشینوں میں سے قطب الدین محمد، اتسنر، ارسلان شاہ اور سلطان شاہ معمولی بادشاہ تھے۔ آخری تین سلطان: تکش، علاؤالدین اور جلال الدین بڑے بہادر اور باتدبیر تھے۔ خصوصاً جلال الدین کی بہادری و جوانمردی تو ساری دنیا سے خراج عزت لے چکی ہے ؛

چودھواں باب

زنگی اور ایوبی

صلیبی جنگیں

یورپ آج تہذیب اور رواداری کا پیکر بنا ہوا ہے۔ زیادہ مدت نہیں گزری جب اس پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور مذہبی تعصبات نے لوگوں کو حق و انصاف کے عام تقاضوں سے بھی بے پروا بنا دیا تھا۔ بیت المقدس (یروشلم) یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں تینوں کے نزدیک مقدس تھا۔ تینوں اس کا احترام کرتے تھے۔ یہودیوں کو وہاں سے رومیوں نے نکالا تھا۔ جب رومیوں نے مسیحیت قبول کر لی تو تعصب کے جوش میں رہے سہے یہودیوں کو بھی وہاں سے نکال باہر کیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ مسلمانوں نے کبھی کسی

عیسائی یا یہودی پر اس مقدس شہر کے دروازے بند نہیں کیے تھے۔ ایک پادری کو خدا جانے کیا سوجھی کہ اس نے یورپ بھر میں پھر پھر کر مسلمانوں کے ظلم وجور کی گھڑی ہوئی داستانیں سنائیں اور لوگوں کو جوش دلا کر بیت المقدس کی فتح کے لیے چڑھا لایا۔ پوپ اور دوسرے پادری بھی اس کام میں شریک ہو گئے۔ اس طرح جو لڑائیاں ہوئیں انھیں صلیبی جنگیں کہتے ہیں۔ اس لیئے کہ حملہ آور فرنگیوں کا نشانِ جنگ صلیب تھا۔

جنگوں کی کیفیت

صلیبی جنگوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں سات مرتبہ صلیبیوں نے حملے کیئے، بعض کہتے ہیں نو مرتبہ۔ ہمارے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ جنگوں کی ابتداء ۱۰۹۶ء میں ہوئی۔ اور یہ سلسلہ ۱۲۹۳ء تک قائم رہا۔ یعنی تقریباً دو سو برس۔ اس اثنا میں بار بار حملہ آوروں کے سیل شام و فلسطین پہنچتے رہے۔ شروع میں انھیں کامیابی حاصل ہوئی اس لیے کہ حملہ اچانک ہوا تھا۔ ۱۰۹۹ء میں صلیبی فوجیں بیت المقدس پہنچیں۔ شہر کو فتح کرکے مسلم آبادی کو بڑی بے دردی اور سنگ دلی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پہلے گاڈ فرے کو بادشاہ بنایا گیا پھر اس کے بھائی بالڈون کے سر پر تاج رکھا گیا

زنگی خاندان

عباسی خلافت یا سلجوقی سلطنت نے ان جنگوں میں کوئی حصہ نہ لیا۔ سیاسی کشمکش نے حسن بن صباح کے فدائیوں اور فاطمی خلیفوں کو عام مسلمانوں کا دشمن بنا دیا تھا۔ اس لیے وہ لوگ صلیبیوں کو وقتاً فوقتاً مدد

دیتے رہتے تھے۔

اس اثنا میں عماد الدین زنگی اتابک موصل نے سب سے پہلے صلیبیوں کے مقابلے کے لیے بہادرانہ قدم اٹھایا۔ عماد الدین ملک شاہ کا غلام تھا۔ اس نے موصل، حرّان اور حلب کے علاقے اپنے قبضے میں کر لیے۔ ۱۱۴۷ء میں ایک غلام نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کا بیٹا سلطان نور الدین زنگی جانشین بنا۔ یہ بڑا ہی نیک دل، حق شناس، عادل اور جوانمرد سلطان تھا عمر بھر بیت المال سے ایک کوڑی نہ لی۔ جتنا روپیہ خزانے میں آتا۔ فوج اور قلعوں کی درستی یا رعایا کی تعلیم اور دوسری ضروریات پر صرف کر دیتا۔ نور الدین نے ۱۱۵۴ء میں دمشق فتح کر لیا اور اسی کو مرکز بنایا۔ یہ بیت المقدس کو واپس لینے کی طرف پہلا قدم تھا۔

ایوبی عماد الدین کے زمانے میں دو کرد بھائی زنگی سلطنت کے دست و بازو بن گئے تھے۔ ایک کا نام نجم الدین ایوب تھا، دوسرے کا شیرکوہ. نجم الدین ایوب کا بیٹا سلطان صلاح الدین تھا جس نے صلیبی جنگوں میں سب سے بڑھ کر ناموری حاصل کی۔ عماد الدین اور نور الدین کے شروع کیے ہوئے کام کو پورا کیا اور ایوبی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

نور الدین بیت المقدس پر حملے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ لیکن اسے یہ اندیشہ لگا ہوا تھا کہ صلیبی حملہ آور کہیں مصر کی سمت سے اسے نقصان نہ پہنچائیں، جہاں فاطمی حکمران تھے اور وہ صلیبیوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اس نے شیرکوہ کو ۱۱۶۹ء میں مصر بھیج دیا تاکہ وہاں کے حالات پر قابو پا کر

صلیبیوں کے لیے مصر کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ شیر کوہ اپنے بھتیجے صلاح الدین کو بھی ساتھ لے گیا۔ شیر کوہ نے فاطمی خلیفہ کو تو نہ چھیڑا البتہ مصر کے سارے انتظامات خود سنبھال لیے۔ وہ فوت ہوا تو صلاح الدین نے اس کی جگہ لے لی۔ ۱۱۷۱ء میں فاطمی خلیفہ کا نام خطبے سے خارج کر کے عباسی خلیفہ کا نام پڑھوا دیا۔ اس طرح مصر نور الدین زنگی کا ایک صوبہ بن گیا۔ اور اس کا تعلق باقی دنیائے اسلام سے استوار ہو گیا۔

صلاح الدین کی بادشاہی

۱۱۷۴ء میں نور الدین زنگی فوت ہوا۔ اس کے کمسن بیٹے کے خلاف شام میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ صلاح الدین فوج لے کر مصر سے شام پہنچا اور سارے انتظامات درست کیے۔ چونکہ اہم معرکے درپیش تھے۔ اس لیے دانشمندوں نے سلطنت اسی کے حوالے کر دی۔

اب اس نے فلسطین اور بیت المقدس کو واپس لینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ باطنی فدائیوں نے صلیبیوں کی امداد میں دو مرتبہ اس پر قاتلانہ حملے کیے لیکن خدا نے اسے بچا لیا۔ آخر اس نے شام کے باطنی مرکز کو ختم کر دیا۔

بیت المقدس پر قبضہ

تیاریوں کے بعد صلاح الدین نے صلیبیوں کے خلاف پیش قدمی شروع کی یکم جولائی ۱۱۸۷ء کو اس نے طبریہ لے لیا۔ دو روز بعد حطین کے مقام پر خوفناک جنگ ہوئی۔ جس میں صلیبیوں نے فاش شکست کھائی۔ ۲۔ اکتوبر ۱۱۸۷ء کو بیت المقدس بھی ایک ہفتے کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ سلطان نے ساری مسیحی آبادی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا۔ اس کے ساتھ ہی فلسطین کے اکثر

شہر واپس مل گئے۔ بڑے بڑے شہروں میں سے صرف انطاکیہ
طرابلس الشام۔ عکہ اور صور صلیبیوں کے قبضے میں رہ گئے۔

صلح

پھر یورپ سے صلیبیوں کا نیا سیلاب آگیا، رچرڈ "شیر دل"
بھی شریک تھا۔ جنگ بڑی شدت سے ہوتی رہی۔ اس
میں عکہ کا محاصرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ یہ دو برس جاری رہا۔
جولائی ۱۱۹۱ء میں شہر ان شرطوں پر سلطان صلاح الدین کے حوالے
ہوا کہ صلیب مقدس صلیبیوں کو دے دی جائے اور وہ دو لاکھ
اشرفیاں دے کر محصور فوج کو نکال لے جائیں۔

اسی موقع پر رچرڈ نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ میری بہن سلطان
صلاح الدین کے بھائی ملک العادل سے بیاہ دی جائے اور
بیت المقدس اس جوڑے کو دے دیا جائے۔ غرض گفتگو کے بعد
۲۔ نومبر ۱۱۹۱ء کو صلح ہوگئی۔ جس کے مطابق یہ اعلان کر دیا گیا
کہ بیت المقدس کی زیارت کے لیے آنے والے تمام اشخاص
شوق سے آئیں، انھیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ چند ماہ بعد صلاح الدین
نے وفات پائی۔ وہ بڑا عادل، دیندار اور علم پرور سلطان تھا۔

ایوبی خاندان

صلاح الدین کے بعد اس کے خاندان میں سے
آٹھ بادشاہ ہوئے۔ پھر مصر و شام میں مملوکوں
کی سلطنت بن گئی۔ ان میں سے بحری مملوک ۱۲۵۰ء سے ۱۳۸۲ء تک
قابض رہے۔ پھر برجی مملوک برسرِ اقتدار آگئے۔ ان کی حکومت
۱۵۱۷ء تک رہی۔ سلیم عثمانی نے ان سے مصر چھینا۔
صلیبی جنگیں مملوکوں کے زمانے میں بھی جاری رہیں۔ ۱۲۹۳ء
میں ان کا خاتمہ ہوا۔

پندرھواں باب

عباسی خلافت کا خاتمہ

خلیفہ ناصر عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ ۱۱۷۹ئہ میں مسند نشین ہوا۔ اور ۱۲۲۵ئہ میں اس نے وفات پائی۔ گویا ۴۶ برس حکومت کی عباسی خاندان میں سے کسی خلیفہ کو بھی اتنی لمبی مدت تک حکومت کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے عہد میں سلجوقیوں کا اقتدار گھٹتے گھٹتے برائے نام رہ گیا تھا۔ خوارزم شاہیوں اور سلجوقیوں کی کشمکش پیدا ہو چکی تھی۔ ناصر نے بڑی بے تکلفی سے سلطان تکش والی خوارزم کو قاصد بھیج کر اس بات پر آمادہ کیا کہ عراق عجم کے سلجوقیوں کو ختم کردو۔ سلطان تکش نے عراق عجم کے سلجوقی سلطان طغرل کو ۱۱۹۴ئہ میں شکست دے دی۔ اس کے بعد خود خلافت کا مختار بن کر بیٹھ گیا اور خلیفہ کی حیثیت پہلے سے بھی بدتر ہو گئی۔

عجیب اتفاق تکش کے بعد اس کے بیٹے علاؤ الدین محمد نے ایران بخارا، سمرقند اور غزنہ کو بھی فتح کر لیا۔ اس کا فیصلہ یہ تھا کہ بغداد پر بھی قبضہ جمالے اور عباسیوں کا خاتمہ کر کے خلافت علویوں کے حوالے کر دے۔ اس دوران میں منگولیا میں چنگیز خان اپنی قوم کو ایک مرکز پر جمع کر کے خوفناک قوت کا مالک بن چکا تھا۔ ۱۲۱۶ئہ میں خلیفہ ناصر نے پریشان ہو کر چنگیز کے پاس پیغام بھیجا کہ خوارزم شاہ کا خاتمہ کردو۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ تکش کو امداد کے لیے بلایا اور وہ زیادہ بڑی مصیبت کا باعث

بن گیا۔ اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے چنگیز کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ چنگیز ہی کا پوتا عباسی خلافت اور بغداد کی تباہی کا باعث بنا۔

خوارزم شاہ اور چنگیز اس اثنا میں چنگیز اور محمد خوارزم شاہ کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا۔ چنگیز نے کچھ آدمی سفیر بنا کر محمد خوارزم شاہ کے پاس بھیجے تھے۔ شاہ کے سرحدی صوبیدار نے انھیں جاسوس سمجھ کر قتل کرا دیا۔ چنگیز نے تلافی کے لیے لکھا۔ شاہ لڑائی کے لیے تیار ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی چنگیز وحشیوں کے گروہوں کو لے کر ہولناک آندھی کی طرح اٹھا۔ شاہ نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ پھر اس پر ایسا ہراس طاری ہوا کہ کہیں بھی ٹھہر نہ سکا۔ وہ چھپتا پھرتا رہا۔ چنگیزی اس کی جستجو میں اسلامی آبادیوں کو آگ اور خون کی بازیگاہ بناتے ہوئے پیچھے پیچھے بڑھتے رہے۔ آخر محمد خوارزم شاہ نے بحیرۂ قزوین کے ایک جزیرے میں پناہ لی۔ اور وہیں ۱۲۲۰ء میں فوت ہوا۔

تاتاریوں نے سمرقند، بخارا، نیشاپور، بلخ، ہرات، اصفہان اور تمام دوسرے بڑے بڑے شہروں کو کھنڈر بنا کر رکھ دیا۔ خوارزم شاہ کے بیٹے جلال الدین نے بڑی مردانگی سے جنگیں کیں لیکن تاتاریوں کے سیل کو وہ بھی نہ روک سکا اور ایک دشمن کے ہاتھ سے شہید ہو گیا۔

عباسی خلفا ناصر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ظاہر بامر اللہ خلیفہ بنا۔ دو برس بعد مستنصر باللہ کو خلافت ملی۔ وہ ۱۲۴۳ء میں فوت ہوا۔ پھر اس کا بیٹا مستعصم باللہ مسند خلافت پر بیٹھا۔ یہ عباسی خاندان کا آخری خلیفہ تھا۔

ان تینوں کے عہد میں سخت اندیشہ لگا رہا کہ تاتاری کہیں بغداد پر نہ چڑھ آئیں لیکن وہ رکے رہے اور عراق عجم سے آگے نہ بڑھے۔

ہلاکو ایران میں چنگیز ۱۲۲۷ء میں مرا۔ اس کے چار بیٹے تھے: جوجی۔ اکتائی، چغتائی اور تولی۔ اس نے مرکزی حکومت کا مالک اوکتائی کو بنایا۔ وہ مرا تو اس کا بیٹا پھر اس کا چچیرا بھائی منکوخان (بن تولی) تاتاری مرکز پر قابض ہوا۔ اس کے زمانے میں فدائیوں نے بڑا اودھم مچایا اور وسیع پیمانے پر بڑے بڑے لوگوں کو خفیہ قتل کرنے لگے۔ مظلوموں کی فریاد منکو کے پاس پہنچی تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی ہلاکو کو فدائیوں کا فتنہ مٹانے کی غرض سے ایران بھیج دیا۔

ہلاکو بھاری فوج لے کر آیا اور خلیفہ کو بھی لکھا کہ اس کام میں مدد دو۔ خلیفہ نے کوئی توجہ نہ کی۔ ہلاکو نے ۱۲۵۶ء میں الموت پر قبضہ کر کے فدائیوں کا خاتمہ کر دیا اور اس بے دردی سے کشت و خون کیا کہ شیر خوار بچے بھی زندہ نہ چھوڑے۔ واپسی کے وقت خلیفہ کو لکھا کہ اطاعت کا اقرار کر لو اور بغداد کی فصیل گرا دو۔ اس کے جواب میں لیت و لعل شروع ہوئی تو ہلاکو اپنے خونخوار لشکر کو لے کر جنوری ۱۲۵۸ء میں بغداد کے دروازے پر پہنچ گیا۔

بغداد کی حالت بغداد کی حالت بڑی دردناک تھی۔ شیعہ اور سنی آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے۔ ان میں لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ خلیفہ مستعصم باللہ نے خرچ گھٹانے کے خیال سے فوج کا ایک

حصہ برطرف کر دیا۔ جو فوج باقی رہ گئی اس کا خرچ مختلف علاقوں پر ڈال دیا۔ فوجی قوت گھٹی تو لوگوں کی باہمی لڑائیاں اور بڑھ گئیں۔

مستعصم کا وزیر ابن علقمی تھا۔ جس کے متعلق اکثر مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ تاتاریوں سے ملا ہُوا تھا۔ اور اسی نے خط لکھ لکھ کر ہلاکو کو بغداد بلایا تھا۔ مستعصم کو ابن علقمی برابر غلط مشورے دیتا رہا۔ فوج بھی اسی نے برطرف کرائی تھی۔

ہلاکو کا تامل ہلاکو کو اگرچہ دین و اخلاق سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ لیکن مختلف لوگ اسے سناتے رہتے تھے کہ خلیفہ بغداد مارا گیا تو خدا جانے کیا قیامت آجائے گی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی ہلاکو کا مشیر خاص تھا۔ اس نے کہا کہ عباسی خلیفہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے تو بڑا نہیں؟ جب ان کی شہادت پر کچھ نہ ہُوا اور دنیا بدستور چلتی رہی تو عباسی خلیفہ کے مارے جانے سے کیا ہوگا۔

خلیفہ اور اکابر کا قتل بغداد کے ایک بہادر و مخلص جرنیل نے فوج جمع کر کے تاتاریوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ تاتاریوں نے اس فوج کے تمام آدمیوں کو قتل کر دیا۔ ۱۰۔ فروری کو تاتاری شہر میں داخل ہو گئے خلیفہ اور تین سو اکابر نے جن میں قاضی اور فقیہ بھی شامل تھے، ہلاکو کے پاس حاضر ہو کر بلا شرط اطاعت قبول کر لی، لیکن ظالم تاتاریوں نے ان سب کو مروا دیا۔ مستعصم کو ڈنڈے سے پیٹ پیٹ کر قتل کرایا۔

قتل عام اور لوٹ تاتاری شہر میں گھسے تو قتل عام شروع کر دیا

بہت سے آدمی مارے گئے۔ ان میں خاندان خلافت کے لوگ بھی شامل تھے۔ سب کچھ لوٹ لیا گیا۔ کتابوں کو آگ لگا دی گئی یا دریا میں ڈال دیا گیا۔ لاشیں بازاروں میں پڑی سڑتی رہیں۔ انھیں دفن کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بدبو اتنی پھیلی ہوئی تھی کہ ہلاکو چند روز کے لیے شہر کو چھوڑ کر باہر جانے پر مجبور ہو گیا۔ ایک مورخ نے لکھا ہے:

"تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کے قتل عام اور وحشیانہ لوٹ کا سرسری ذکر سننا بھی بڑی بات ہے۔ تفصیل سننے کی تاب کون لا سکتا ہے؟ اس شہر پر جو کچھ گزری گزر گئی۔ اس کی کیفیت نظر انداز کی جاتی ہے۔ صرف قیاس کر لو، حال نہ پوچھو۔"

عباسی خلافت مصر میں

بغداد کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، وہاں عباسی خلافت کا نشان بھی باقی نہ رہا۔ لیکن عباسی خلافت نہ مٹی۔ ظاہر بامراللہ کا ایک بیٹا مصر پہنچ گیا۔ وہاں کے مملوک سلطان بیبرس نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس نے مستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا۔ بیبرس نے دس لاکھ روپے سے ایک فوج تیار کر دی، جسے لے کر خلیفہ بغداد کو تاتاریوں سے چھیننے کے لیے نکلا۔ اس فوج نے راستے ہی میں شکست کھائی۔ پھر مستنصر باللہ کا سراغ نہ مل سکا۔ خیال یہ ہے کہ وہ لڑائی میں مارا گیا۔

اس کے بعد خاندان کا ایک اور فرد حاکم بامراللہ کے لقب سے ۱۲۶۳ء میں خلیفہ بنا۔ اس کی اولاد میں سے سولہ خلیفہ یکے بعد دیگرے مسند نشین ہوئے اور یہ خلافت ۱۵۱۷ء تک قائم رہی۔ ان خلیفوں کے پاس نہ کوئی ملک تھا، نہ اختیارات

تھے۔ وظیفہ ملتا تھا اور برائے نام ان کی طرف سے حکومت ہوتی تھی۔

آخری خلیفہ متوکل علے اللہ ثالث تھا، جسے سلیم عثمانی اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا اور اس نے سلطان کے حق میں خلافت چھوڑ دی۔ اس وقت سے عثمانی ترکوں کو منصب خلافت ملا اور وہ حرمین شریفین کے خادم بنے۔ غرض جو عباسی خلافت ۷۴۹ء میں بنی تھی، وہ زمانے کی گردش کے مختلف دوروں سے گزرتی ہوئی سات سو ارسٹھ برس گے بعد ۱۵۱۷ء میں ختم ہوئی۔ رہے نام اللہ کا ؛

سولھواں باب

عباسیوں کا عہد حکومت

نظام حکومت اب عباسیوں کے عہد حکومت پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیے۔

امویوں کی طرح عباسی خلافت بھی محض نام کی خلافت تھی، حقیقت میں مطلق العنان بادشاہی تھی۔ اختیارات کا مرکز خلیفہ تھا۔ اس نے تین بڑے محکموں کو تین ذمہ دار افسروں کے حوالے کر رکھا تھا۔ ملکی انتظام کا ذمہ دار وزیر اعظم تھا، سررشتۂ عدل کا ذمہ دار قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس اور فوج کا ذمہ دار سپہ سالار تھا، جسے امیر کہتے تھے۔ عباسیوں کے عہد

میں خلیفہ کے مذہبی تقدس پر بہت زور دیا گیا۔ اسے "خلیفۃ اللہ" اور "ظل اللہ علے الارض" (زمین پر خدا کا سایہ) کہنے لگے۔ یہ القاب بھی اس بات کا ثبوت ہیں کہ عربوں کی سادگی کی جگہ عجمی تکلفات نے لے لی تھی۔

ہر خلیفہ امویوں کی طرح اپنے جانشین نامزد کرتا تھا۔ بعض خلیفوں نے دو دو جانشین نامزد کیے۔ امویوں کی طرح ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ پہلے خلیفہ کے نامزد جانشینوں کو دوسرے خلیفہ نے بدل دیا۔ وزیر اعظم کے ماتحت کئی صیغے تھے۔ بعض وقت ان صیغوں کے بڑے افسروں کو بھی وزیر کہا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ خلیفوں کے اختیارات گھٹتے گئے اور وزیر اعظم کے اختیارات میں اضافہ ہوتا گیا۔ ترکوں کا غلبہ ہوا تو "امیر الامرا" کا عہدہ نکلا۔ خاندانِ بویہ کے زمانے میں اس کے اختیارات سب سے بڑھ گئے۔

محکمہ مالیات وزیر اعظم کے ماتحت محکموں میں سے مالیات کا محکمہ بہت اہم تھا۔ اسے "دیوان الخراج" کہتے تھے۔ آمدنی کی بڑی مدیں یہ تھیں: زمین کا مالیہ، مختلف حکومتوں سے خراج، جزیہ، زکوٰۃ اور محصول تجارت۔ خرچ یا تو فوج پر ہوتا یا رفاہ عامہ کے کاموں یعنی سڑکیں، پل، نہریں اور مسجدیں بنانے پر۔ خزانے میں بڑی بڑی رقمیں جمع ہو جاتی تھیں۔ مثلاً خلیفہ منصور فوت ہوا تو خزانے میں ساٹھ کروڑ درہم اور ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار موجود تھے۔ جواہرات ان کے علاوہ تھے۔ ہارون کے پاس ایک یاقوت تھا جس کی قیمت چالیس ہزار دینار بتائی جاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اسے اندھیرے میں رکھ دیتے تو اجالا ہو جاتا۔

فوج فوج کے دو حصے تھے: ایک باقاعدہ فوج جو مستقل طور پر چھاؤنیوں میں موجود رہتی۔ اس کے تمام آدمیوں کو تنخواہیں بھی ملتیں اور راشن بھی دیا جاتا۔ دوسری فوج کو جسے بے قاعدہ سمجھنا چاہیئے، ضرورت کے وقت جمع کر لیا جاتا۔ جب یہ لوگ کام پر ہوتے تو انھیں راشن دیا جاتا، تنخواہ بھی پاتے۔ جب ضرورت نہ رہتی تو اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے۔

پھر فوج کی مختلف شاخیں تھیں۔ مثلاً: رسالہ، تیر انداز نفت انداز، جو آتش بار تیر پھینکتے تھے۔ منجنیقیں اور اس قسم کے دوسرے قلعہ شکن آلے چلانے والے لوگ الگ ہوتے۔ فوج ٹولیوں میں تقسیم ہوتی۔ سب سے چھوٹی ٹولی دس آدمیوں کی تھی۔ پوری فوج ایسی ایک ہزار ٹولیوں سے بنتی۔ اس کے افسر کو امیر کہتے تھے۔

متفرق محکمے ان کے علاوہ متفرق محکمے تھے۔ مثلاً:
(۱) مالیات کی جانچ پڑتال کا محکمہ۔
(۲) خط و کتابت کا محکمہ۔
(۳) شکایات کا محکمہ۔
(۴) پولیس کا محکمہ۔
(۵) ڈاک کا محکمہ جو بہت پھیل گیا تھا۔
(۶) احتساب کا محکمہ۔ جس کا کام یہ تھا کہ بازاروں میں نرخوں اور وزنوں کی نگرانی کرے۔ نیز لوگوں کو بداخلاقی کے کاموں سے روکے۔
(۷) خفیہ پولیس یعنی پرچہ نگاروں یا اخبار نویسوں کا محکمہ۔ پیغامات جلد پہنچانے کے لیے کبوتر بھی سدھائے گئے تھے۔

بابک خرمی کے فتنے میں ان کبوتروں نے بڑا کام دیا۔

تجارت و زراعت

تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ شروع شروع میں تجارت کا کام زیادہ تر یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھ میں تھا۔ پھر مسلمانوں نے بھی اس میدان میں قدم رکھا۔ مغرب میں مراکش و اندلس تک اور مشرق میں چین تک ان کا کاروبار پھیل گیا تھا۔ ہر سمندر میں ان کے جہاز پھرتے تھے۔ راستے کے ہر ملک اور ہر جزیرے میں ان کی تجارتی کوٹھیاں موجود تھیں۔

اسی طرح زراعت کو بہت ترقی ہوئی۔ نیز جا بجا عالی شان باغات لگ گئے۔

صنعت اور دولت

پارچہ بافی اور قالین بافی کی صنعت بھی بہت پھیلی۔ ظروف بھی عمدہ سے عمدہ بنتے تھے۔ باریک کام بھی نہایت شاندار ہوتا تھا۔ کپڑے کے کارخانے ہر مقام پر کھل گئے تھے۔ اس کا ثبوت یوں ملتا ہے کہ عباسیوں کے زمانے میں کپڑے مختلف شہروں کے نام سے مشہور تھے۔ مثلاً ایک کپڑے کا نام دمیاطی تھا۔ اور ایک کا دابقی۔ یہ دونوں مصر کے شہروں دمیاط اور دابق میں بنتے تھے۔

صنعت میں شیشے اور کاغذ کا ذکر خاص طور پر ضروری ہے۔ کاغذ کے کارخانے بغداد، سمرقند اور مصر میں موجود تھے۔

یحییٰ برمکی کے پاس جواہرات کا ایک ڈبہ بکنے کے لیے آیا، جو قیمتی پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ اس کی قیمت ستر لاکھ درم ٹھہری۔ خلیفہ مستعین باللہ کی والدہ نے ایک قالین بنوایا جس کی

قیمت ایک کروڑ تیس لاکھ درم کی تھی۔

دولت و ثروت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ بغداد کے ایک جوہری سے ایک خلیفہ نے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ دینار زبردستی لے لیے۔ اس کے بعد بھی اس کے پاس اتنی دولت رہ گئی کہ وقت کے بڑے امیروں میں گنا جاتا تھا۔

حمام اس زمانے میں حماموں کا دستور عام تھا کہتے ہیں کہ بغداد میں ایک وقت میں ساٹھ ہزار حمام تھے۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا محلہ بھی حماموں سے خالی نہ تھا۔ بعض حمام صرف عورتوں کے لیے تھے۔ بعض حمام ایسے تھے کہ ان میں عورتوں کے جانے کے لیے دن مقرر تھے۔ ان دنوں میں کوئی مرد ان حماموں میں نہیں جا سکتا تھا۔

علوم عباسیوں کے عہد میں علوم کمال پر پہنچ گئے۔ ہر علم میں بہتر سے بہتر کتابیں لکھی گئیں۔ تفسیر، حدیث فقہ، تاریخ، جغرافیہ، طب، ادب، اخلاق کون سا علم ہے جس میں بہتر سے بہتر آدمی پیدا نہ ہوئے۔ طب میں ابوبکر رازی اور بوعلی سینا۔ فلسفے میں کندی، فارابی اور رسائل اخوان الصفا کے مصنف۔ ریاضیات میں الخوارزمی (جس کا نام لاگرتھم[1] کی شکل میں زندہ ہے) البیرونی، خیام، تفسیر و تاریخ میں ابو جعفر محمد بن جریر الطبری اور مسعودی۔ ادب و شعر میں جن لوگوں نے امتیاز حاصل کیا ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

[1] لاگرتھم الخوارزمی ہی کا بگاڑ ہے۔

حدیث کی چھ مشہور کتابیں (صحاح ستہ) اسی عہد میں مرتب ہوئیں۔ اسلامی فقہ کے چاروں امام بھی عباسیوں ہی کے عہد میں گزرے۔

تعلیم ابتدائی تعلیم ہر جگہ مسجدوں میں ہوتی تھی اور کوئی بستی ان مدرسوں سے خالی نہ تھی۔ پھر اعلےٰ تعلیم کے لیے بڑے بڑے عالموں نے درس قائم کیے۔ لوگ گروہ در گروہ ان کے پاس جا کر پڑھتے۔ بڑی بڑی درسگاہیں بھی بن گئیں مثلاً بغداد کی نظامیہ اور قاہرہ کی الازہر۔

بالغوں کی تعلیم پر خاص توجہ کی جاتی تھی۔ کتب خانوں کے قائم ہونے سے بھی علوم کی اشاعت کو بڑی مدد ملی۔ ان کتب خانوں کا شمار مشکل ہے لیکن تمام بڑے بڑے شہروں میں مختلف لوگوں نے کتابیں جمع کر کے علمی مرکز بنا دیے تھے۔ معجم البلدان کا مصنف یاقوت جب اپنی کتاب لکھنے کے لیے معلومات جمع کر رہا تھا تو اس نے خاصی مدت نیشاپور اور مرو و خوارزم میں گزاری اس لیے کہ ان شہروں میں بہترین کتب خانے تھے۔ سامانیوں کے عہد میں بخارا بھی کتابوں کا بیش بہا خزانہ تھا۔

رفاہ عامہ رفاہِ عام کے کاموں کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں مختلف شہروں میں ہسپتال تھے۔ عضد الدولہ نے بغداد میں "بیمارستان" کے نام سے جو ہسپتال بنایا تھا۔ اس کی کیفیت خاندان بویہ کے سلسلے میں بیان ہو چکی ہے۔ پلوں، سراؤں، سڑکوں، نہروں، بندوں وغیرہ کی تفصیل کے لیے دفتر درکار ہیں۔

عربی اور فارسی عربوں کی دوسری نادر قومی خصوصیتوں کے

ذکر کا یہ موقع نہیں۔ لیکن اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ وہ جہاں گئے عربی کو اس طرح رائج کر دیا۔ کہ وہی علمی زبان رہ گئی۔ مختلف علوم کی بڑی بڑی کتابیں اٹھالو، پھر ان کے مصنّفوں کو دیکھو۔ ان میں سے اکثر عجمی نکلیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سو ڈیڑھ سو برس ہی میں عربی اتنی پھیل گئی تھی کہ سمرقند، بخارا، مرو، نیشاپور۔ غزنہ، اصفہان، شیراز، رے اور ہمدان میں اس کے ہزاروں عالم ملتے تھے۔ سامانیوں، غزنویوں اور سلجوقیوں کے زمانے میں فارسی نے بھی خوب ترقی کی۔ نثر و نظم میں اس عہد کی کتابیں فارسی ادب کا گراں بہا سرمایہ ہیں ؏

تیسرا حصّہ

(فتحِ اندلس اور عہدِ اموی سے
سنہ ۱۹۵۰ء تک)

فہرست مضامین

پہلا باب

فتحِ اندلس

اندلس کا نام ہسپانیہ یورپ کے جنوب مغرب میں بہت بڑا جزیرہ نما ہے - آج کل یہ دو ملکوں میں بٹا ہوا ہے: ایک ہسپانیہ، دوسرا پرتگال - اسے پرانے زمانے میں جزیرہ نما آئی بیریا بھی کہتے تھے - جب ونڈال قوم اس ملک پر مسلط ہوئی تو اس کا نام "ونڈالوشیہ" پڑ گیا - یہی نام عربوں کی زبان پر اندلس بنا - آج کل اندلس ہسپانیہ کے تیرہ صوبوں میں سے ایک صوبے کا نام ہے - جس کے بڑے بڑے شہر غرناطہ[1]، قرطبہ[2] - اشبیلیہ[3] اور قادس[4] ہیں - عرب پورے ملک کو اندلس کہتے تھے - ہم اپنے بیان میں اسے اندلس ہی لکھیں گے، ہسپانیہ نہیں لکھیں گے -

جغرافیائی حالات اس کا رقبہ ایک لاکھ چورانوے ہزار آٹھ سو مربع میل اور آبادی دو کروڑ ۳۵ لاکھ ہے - زمین خاصی زرخیز ہے - عربوں کے زمانے میں اندلس صنعت و زراعت کا عالی شان مرکز بن گیا تھا - مختلف علاقوں کی آب و ہوا مختلف ہے - بارش بعض جگہ بہت ہوتی ہے، بعض جگہ کم - اس میں جابجا پہاڑیاں ہیں - بڑا سلسلۂ کوہ پیرنیز (جبل البرتات) ہے، جو فرانس

(1) Granada. (2) Cordova. (3) Seville.
(4) Cadiz.

اور اندلس کے درمیان دیوار کی طرح کھڑا ہے۔ بحیرۂ روم میں جو دریا گرتے ہیں، ان میں سے بڑا دریا ابرو ہے۔ جس کے کنارے سرقسطہ[2] آباد ہے۔ باقی بڑے بڑے دریا بحرِ محیط (اٹلانٹک) میں گرتے ہیں۔ مثلاً ڈورو، ٹیگس (تاجو)، وادی آنہ اور وادی کبیر۔

پرانی سرگزشت اندلس میں پہلے پہل فنیقی پہنچے، پھر یونانیوں نے نوآبادیاں قائم کیں۔ فنیقیوں کی نوآبادی قرطاجنہ (کارتھیج) کو عروج حاصل ہوا، تو اُس نے اندلس پر قبضہ کر لیا۔ پھر رومی اس کے مالک بن گئے۔ جب رومی سلطنت پر وحشی قبیلوں کے حملوں کا سیلاب امڈا، تو گاتھ اور ونڈال اندلس پہنچ گئے۔ بعد میں وہاں گاتھ سلطنت بن گئی۔ ان گاتھوں کو وزی گاتھ کہتے ہیں، یعنی، مغربی گاتھ، اس لیے کہ یورپ کے مغرب میں پہنچے۔ جو مشرقی علاقوں میں رہ گئے وہ آسٹرو گاتھ یعنی، مشرقی گاتھ کہلاتے ہیں۔ راڈرک گاتھ قوم کا آخری بادشاہ تھا، جو مسلمانوں کے مقابلے میں شکست کھا کر مارا گیا۔ اس سمیت گاتھ خاندان کے کل تئیس بادشاہ اندلس پر حکمران رہے۔

اقتصادی، انتظامی حالات تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گاتھ بادشاہوں کے عہد میں اہلِ ملک کی حالت بہت خراب تھی۔ جب سے یہ لوگ عیسائی ہوئے تھے، پادریوں کو بہت عروج حاصل ہو گیا تھا۔ انھوں نے بڑی بڑی جاگیریں سنبھال لی تھیں۔ اور عیش و کامرانی کی زندگیاں بسر کرتے تھے۔ عام لوگ بہت ہی خستہ حال تھے۔ گاتھ امیر بھی ہر قسم کی تمدنی برائیوں میں ڈوبے ہوئے

(1) Ebro (2) Sargossa.

تھے۔ ویمبا[1] نام ایک بادشاہ (۶۷۲ء۔۶۸۰ء) نے انتظامات کو درست کرنے کی کوشش کی، اُسے زہر دے دیا گیا۔ پھر وٹیزا[2] نے پادریوں کا زور توڑنا چاہا تاکہ ان کی سنبھالی ہوئی جاگیروں کا ایک حصہ[3] عوام کو مل جائے اور اس طرح ان کی اقتصادی حالت کچھ بہتر ہو جائے۔ وٹیزا ۶۹۷ء میں تخت نشین ہوا۔ جب اُس نے اصلاحات شروع کیں، تو پادری اس کے دشمن بن گئے۔ یہودیوں پر بھی بڑے ظلم ہوتے تھے، وٹیزا نے ان ظلموں کو بھی روک دیا۔ پادریوں نے پوپ کے پاس شکایت پہنچائی۔ وہاں سے حکم آیا کہ وٹیزا نے پادریوں کی جاگیریں چھیننے کے متعلق جتنے حکم دیے ہیں وہ سب منسوخ کر دیے جائیں۔ وٹیزا دردمند آدمی تھا، وہ غریبوں کی خستہ حالی کو برداشت نہ کر سکا اور اپنے حکم منسوخ کرنے سے انکار کر دیا۔ پادریوں نے سازش کی اور ۷۱۰ء میں اُسے تخت سے اتار کر دربار کے ایک امیر راڈرک کو بادشاہ بنا دیا، جو پادریوں کی ہر خواہش کو آنکھیں بند کر کے ماننے کے لیے تیار تھا۔ عام لوگوں کو اطمینان سے سانس لینے کی جو امید پیدا ہوئی تھی راڈرک نے اس کو بھی ختم کر دیا۔

موسےٰ کے پاس عرضداشتیں ہم بنو امیہ کے حالات میں بیان کر چکے ہیں کہ ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں موسےٰ بن نصیر کو افریقہ (طرابلس، ٹیونس، الجزائر اور مراکش) کا گورنر بنایا گیا تھا اور قیروان اس کا مرکز تھا۔ اس کے پاس اندلس سے پے بہ پے التجائیں اور عرضداشتیں پہنچنے لگیں۔ کہ آؤ اور اندلسیوں کو گاتھ بادشاہوں کے ظلم سے نجات دلاؤ۔ ان التجاؤں میں شمالی افریقہ کے چھوٹے

1 Wamba (2) Witiza ۳ عربی میں غیطشہ

سے علاقہ سبطہ کا عیسائی گورنر[1] بہت پیش پیش تھا۔ کہتے ہیں کہ اُسے راڈرک سے سخت دشمنی تھی اس لیے کہ راڈرک نے اس کی پیاری بیٹی کی آبرو پر حملہ کیا تھا۔ موسیٰ نے پہلے اپنے ایک بہادر سردار طریف کو چار سو پیادے اور ایک سو سوار دے کر اندلس بھیجا۔ طریف کامیاب حملے کے بعد واپس آگیا۔ اندلس کے جنوبی و مغربی گوشے میں طریفہ نام ایک مقام اب تک اس پہلے مسلمان غازی کی ترکتاز کا زندہ گواہ ہے۔

طارق ابنِ زیاد پہلی ترکتاز سے اندلس کے عام حالات کا اندازہ کرنے کے بعد موسیٰ نے چار یا پانچ ہزار آدمیوں کی ایک فوج تیار کی اور طارق ابن زیاد کو اس کا سپہ سالار بنا کر ۹۱ھ میں اندلس بھیج دیا۔ طارق اس مقام پر اُترا، جو بعد میں اُس کے نام پر جبلِ طارق (جبرالٹر) مشہور ہوا۔ اس نے جہاز جلا دیے۔ گویا اپنے غازیوں پر واضح کر دیا کہ اندلس کو فتح کیے بغیر واپس جانا غیر ممکن ہے۔ پھر مزید دو ہزار آدمی اس کے پاس پہنچ گئے۔ ۱۹۔جولائی ۱۱ھ کو جھیل لاجنڈا کے قریب دریائے برباط[2] کے کنارے راڈرک نے طارق سے جنگ کی۔ گاتھ فوج کے بارے میں بیانات مختلف ہیں۔ بعض لوگ لکھتے ہیں کہ کل ۲۵ ہزار آدمی تھے اکثر ساٹھ ہزار بتاتے ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ فوج نوّے ہزار سے کم نہ تھی۔ طارق

---

[1] عام لوگوں نے اس کا نام جولیئن لکھا ہے۔ مستند مورخ اس کا نام یلیان بتاتے ہیں۔ تازہ تحقیقات یہ ہے کہ اس کا نام اُربان *Urban* یا اُلبان *Olban* تھا۔

[2] عرب مورخ اس دریا کو وادی بکہ لکھتے ہیں۔ بعض مورخوں نے اسے وادی لیت یا وادی لد لکھا ہے جو دریائے برباط کے شمال میں تقریباً بیس میل پر ہے۔ لیکن یہ آخری بیان بالکل غلط ہے۔ برباط پہلے لاجنڈا جھیل میں گرتا ہے پھر اس سے نکل کر سمندر میں جا ملتا ہے۔

نے اس موقع پر جو تقریر کی اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں کے مقابلے میں گاتھ فوج بہت زیادہ تھی اور ہر قسم کے سامانِ جنگ سے لیس تھی۔ بایں ہمہ گاتھوں نے شکست کھائی۔ راڈرک کا سراغ نہ ملا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دریا میں ڈوب گیا، بعض کا خیال ہے کہ وہ کسی مسیحی خانقاہ میں جا چھپا اور گمنامی کی حالت میں فوت ہوا۔ وادی برباط کی جنگ نے اندلس کی فتح کا دروازہ کھول دیا۔

طارق کی پیش قدمی جنگِ برباط کے بعد طارق نے طلیطلہ[1] کا رُخ کرلیا جو گاتھ بادشاہوں کا پائے تخت تھا۔ تھوڑی سی فوج اپنے ساتھ رکھی باقی فوج کے تین حصے کردیے اور اُنھیں مختلف سمتوں میں بڑھنے کا حکم دے دیا۔ عام لوگ گاتھ بادشاہوں کے ظلموں اور بدنظمیوں سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے دلی جوش کے ساتھ اسلامی فوج کا خیر مقدم کیا۔ صرف ایک سالار مغیث الرومی کو قرطبہ کے فتح کرنے میں تھوڑی سی دِقّت پیش آئی۔ دو مہینے محاصرہ جاری رہا۔ ایک رات جبکہ سخت بارش ہو رہی تھی، مغیث ایک سو آدمی لے کر نکلا۔ فصیل کے پاس ایک درخت تھا۔ اس پر چڑھا۔ وہاں سے فصیل پر پہنچا اور اندر کی طرف کود گیا۔ پہرے داروں کو مار کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ اس طرح اسلامی فوج اندر داخل ہوئی اور قرطبہ پر اسلامی جھنڈا گڑ گیا۔

موسےٰ اندلس میں طارق کی فتوحات جاری رہیں۔ جون ۷۱۲ء میں خود موسےٰ دس ہزار غازیوں کے ساتھ اندلس پہنچ گیا۔ تھوڑی ہی مدت میں طارق اور موسےٰ نے اندلس کے بڑے بڑے شہر اور صوبے فتح کرلیے۔ ۷۱۳ء میں خلیفہ ولید نے موسیٰ اور طارق دونوں کو دمشق بلا لیا۔

[1] (TOLEDO.)

موسےٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اندلس کا انتظام سونپا اور خود دمشق چلا گیا۔ اس کے ساتھ مالِ غنیمت کے نادر ذخیرے اور کم و بیش چار سو گاتھ شہزادے اور امیر تھے۔ مالِ غنیمت میں "مائدۂ سلیمانی" بھی تھا جسے صنعت کا ایک نادر نمونہ بتایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ مائدہ حضرت سلیمانؑ نے بنوایا تھا۔ پھر یہ فلسطین سے اندلس پہنچ گیا۔

سلیمان بن عبدالملک موسےٰ کے دمشق پہنچنے سے تھوڑے دن بعد ولید نے وفات پائی اور اس کا بھائی سلیمان خلیفہ بنا۔ وہ صرف موسیٰ ہی نہیں بلکہ ولید کے تمام بڑے بڑے مشیروں اور سپہ سالاروں کا جانی دشمن بن گیا تھا۔ اس لیے کہ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ یہ سب لوگ اسے (سلیمان کو) خلافت سے محروم کرنے میں ولید کے حامی تھے۔ غرض سلیمان موسےٰ اور طارق دونوں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آیا، پھر اُن سے کوئی کام نہ لیا، حالانکہ یہ دونوں پکّا ارادہ کر چکے تھے کہ اندلس سے فرانس اور دوسرے یورپی ملکوں کو چیرتے ہوئے قسطنطنیہ پہنچیں گے اور فتوحات کے ثمرات دمشق میں خلیفہ کے قدموں پر ڈال دیں گے۔

موسےٰ کا بیٹا عبدالعزیز بھی بڑا قابل اور بہادر شخص تھا۔ اس بیچارے کو بھی مروا دیا گیا۔

امرا کا دور اندلس میں طارق کے داخلے (جولائی ۷۱۱ء) سے لے کر امیر عبدالرحمٰن اموی کی حکومت قائم ہونے (۷۵۶ء) تک چوالیس برس کی مدت میں چوبیس امیر مقرر ہوئے۔ ان میں سے پہلا طارق تھا جس کے حالات ہم بیان کر چکے ہیں۔ آخری یوسف الفہری تھا، جس کا ذکر ابھی آئے گا۔ بیچ کے امیروں یا گورنروں میں سے زیادہ قابلِ ذکر تین ہیں:

(۱) حُر بن عبدالرحمٰن ثقفی: اس نے ۷۱۸ء میں فرانس و اندلس کے بیچ کی کوہستانی دیوار (کوہ پیرینیز یا جبل البرتات) کو پھاند کر جنوبی

فرانس پر ترکتاز کا آغاز کیا۔

(۲) حُر کے بعد سمح بن مالک خولانی نے ۷۲۰ء میں جنوبی فرانس پر منظم حملہ کر کے ناربون(۱) کو فتح کر لیا۔ جو جنوبی فرانس کی مشہور بندرگاہ ہے۔ عرب اسے "اربونہ" کہتے تھے۔ سمح نے یہاں ایک مضبوط قلعہ بنا کر اس میں اسلحہ خانہ قائم کیا، تاکہ آیندہ پیش قدمی کے لیے باہر سے سامانِ جنگ لانے کی ضرورت نہ رہے۔ سن ۷۲۱ء میں بہادر سمح نے طولوز(۲) پر حملہ کیا۔ جو جنوبی و مغربی فرانس کا مشہور شہر ہے۔ یہاں جنگ کے دوران میں اتفاقیہ ایک تیر سمح کے حلق میں لگا اور اس نے شہادت پائی۔ اس وجہ سے اسلامی فوج بھی پیچھے ہٹ گئی۔

(۳) تیسرا قابلِ ذکر امیر عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی ہے۔ اس نے ۷۳۲ء میں کوہ پیرینیز کو شمالی سمت سے عبور کیا اور دریائے گارون سے گزر کر بورڈو(۳) پر قبضہ کر لیا، جو خلیج بسکے کے کنارے فرانس کی عظیم الشان بندرگاہ ہے۔ اس کے بعد پوئیٹئیہ(۴) کے پاس سے گزرتا ہوا وہ طورس(۵) کے قریب جا پہنچا۔

جنگ طورش طورش کے قریب چارلس مارٹل سے مقابلہ ہوا۔ چارلس کی فوج بہت زیادہ تھی، غافقی کے غازیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ سات دن تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ پھر غافقی نے حملہ کیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ اتفاق سے غافقی میدانِ جنگ میں شہید ہو گیا۔ یہ اکتوبر ۷۳۲ء کا واقعہ ہے۔ اس سے اسلامی فوج کا دل ٹوٹ گیا۔ رات کی تاریکی میں وہ چپ چاپ واپس ہو گئی۔ چارلس دیر تک دبدا میں پڑا رہا اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ کی۔ اسے یقین تھا

(1) Narbonne. (2) Toulouse
(3) Bordeaux (4) Poitiers. (5) Tours.

کہ مسلمانوں نے کوئی چال چلی ہے۔

جنگ طورش اہلِ یورپ کے نزدیک بہت اہم تھی اس لیے کہ اس جنگ کے بعد فرانس اور دوسرے یورپی ملکوں پر مسلمانوں کی ترکتاز رُک گئی ورنہ گبن کے قول کے مطابق آج سارے یورپ میں انجیل کی جگہ قرآن پڑھا جاتا۔ اس اتفاقی کامیابی نے چارلس مارٹل کو یورپ کا ہیرو بنا دیا۔

اس کے بعد بھی مسلمان فرانس پر حملے کرتے رہے اور بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن طورش سے آگے وہ نہ بڑھ سکے۔ گویا مغربی سمت سے یورپ میں اسلامی پیش قدمی کا آخری مقام طورش ہی رہا۔

یوسف الفہری اندلس کے عرب قبیلوں میں کئی مرتبہ سخت اختلافات پیدا ہوئے۔ ان میں مضریوں اور یمنیوں کا اختلاف خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ آخر ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ اندلس کا امیر ایک سال کے لیے مضری ہوا کرے اور دوسرے سال کے لیے یمنی۔ ۷۴۶ء میں مضری قبیلے نے یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری کو امیر چنا، جو عقبہ بن نافع فاتح افریقہ (بانی قیروان) کی اولاد میں سے تھا۔ پھر یوسف نے منصب امارت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ دس برس تک اطمینان سے حکومت کرتا رہا۔ یہاں تک عبدالرحمٰن بن معاویہ اموی اندلس پہنچ گیا اور اس کی آمد نے تاریخ کا نیا ورق اُلٹ دیا۔

یہاں یہ بتا دینا چاہیئے کہ گاتھ بادشاہوں کے زمانے میں طلیطلہ اندلس کا پایۂ تخت تھا۔ عبدالعزیز بن موسیٰ نے اشبیلیہ کو مرکزِ حکومت بنایا۔ سمح بن مالک خولانی کو قرطبہ اس غرض کے لیے پسند آیا۔ قرطبہ ہی امویوں کے عہد میں اندلس کا پایۂ تخت بنا رہا۔

عربوں کی حکومت اس وجہ سے جلد ہر دلعزیز ہو گئی کہ انہوں نے

سب طبقوں کے ساتھ دلی ہمدردی کا برتاؤ کیا اور گاتھ بادشاہوں کے عہد کی تمام بدنظمیاں اور بے دردیاں ختم کر دیں۔ یہودی اور عیسائی دونوں عربوں کے ماتحت خوشی اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

دُوسرا باب

اموی حکومت کا ابتدائی دَور

۷۵۶ء ـــــ ۹۱۲ء

عبد الرحمٰن بن معاویہ ہم بنو امیہ کے حالات میں بیان کر چکے ہیں کہ جب دمشق میں اموی حکومت کی بساط اُلٹی تو عباسیوں نے امیہ خاندان کے ایک ایک آدمی کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا۔ خلیفہ ہشام بن عبد الملک کا پوتا عبد الرحمٰن بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا اور دریائے فرات کے کنارے بدوؤں کے خیمے میں پناہ لی۔ عباسی وہاں بھی پہنچ گئے تو عبد الرحمٰن جان لے کر بھاگا۔ پہلے مصر، پھر افریقیہ ہوتا ہُوا مراکش چلا گیا۔ وہاں بیٹھ کر اندلس میں ان لوگوں کے پاس پیغام بھیجا جو بنو امیہ کے خیر خواہ تھے۔ انھوں نے عبد الرحمٰن کو اندلس بلا لیا۔ عام لوگ آئے دن کی خانہ جنگیوں سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے اموی شہزادے کی آمد کو اپنے لیے نیک فال سمجھا۔ یوسف الفہری نے مقابلے کی ٹھانی۔ ۱۴ مئی ۷۵۶ء کو وادی کبیر کے کنارے یوسف الفہری اور عبد الرحمٰن میں جنگ ہوئی۔ عبد الرحمٰن کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اس کے پاس جھنڈا بھی نہیں تھا۔ ایک سردار نے اپنی سبز دستار اتار کر برچھے کی نوک پر لگا دی۔ اس طرح جھنڈا تیار ہُوا۔ لیکن خدا نے

اسے کامیابی عطا کی - قرطبہ پر اس کا قبضہ ہو گیا - یوسف الفہری بھاگ گیا - عبدالرحمٰن نے عفوِ عام کا اعلان کر دیا -

نظم و نسق | عبدالرحمٰن کو خدا نے جنگ اور نظم و نسق دونوں کی خاص قابلیتیں عطا کی تھیں - چالیس پچاس برس کے بگڑے ہوئے حالات کو درست کرنے میں اُسے قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں لیکن وہ صابر، حلیم اور ہمت ور شخص تھا - آہستہ آہستہ ساری خرابیاں دور کر دیں اور پہلی مرتبہ اندلس میں ایسا امن قائم ہو گیا کہ ساری رعایا اس پر جانیں چھڑکنے لگی -

قرطبہ کو اس نے نہایت خوبصورت اور عالی شان شہر بنانے کی بنیاد رکھ دی - اس میں اپنے لیے ایک وسیع باغ بنایا جس میں دور دور سے ایسے درخت منگا کر لگائے جو پہلے اندلس میں موجود نہ تھے - ایک کھجور کا درخت بھی تھا جسے اجنبی سرزمین میں بڑھتا اور پھلتا پھولتا دیکھ کر عبدالرحمٰن کو اپنی حالت یاد آ گئی - وہ بھی شام سے نکل کر اجنبی سرزمین میں آیا تھا اور جان بچاتے بچاتے اس ملک میں مالکِ تخت بنا تھا - کھجور کے اس درخت کے متعلق اس نے چند شعر بھی کہے تھے، جو بڑے دردناک ہیں - علامہ اقبال نے ان کا ترجمہ اُردو میں فرمایا تھا -

مختلف فتنے | عباسی خلیفہ منصور اندلس کو فتح تو نہیں کر سکتا تھا - لیکن اس نے بدنظمی پیدا کرنے کی غرض سے ایک شخص کو گورنر بنا کر بھیج دیا تھا - عبدالرحمٰن نے اس فتنے کو دبا دیا - پھر یوسف الفہری کے داماد نے فرانس کے بادشاہ شارلمین کو ساتھ ملا کر ۷۷۸ء میں اندلس پر حملہ کرا دیا - شارلمین کی فوج سرقسطہ پہنچی تو اہلِ شہر نے دروازے بند کر لیے - شارلمین پریشان ہو کر واپس ہوا - راستے

میں اس کی فوج پر پہاڑی لوگوں نے حملے شروع کر دیے اور اسے سخت نقصان پہنچایا۔ شارلمین نے ایک موقع پر خود صلح کی درخواست کی اور اپنی لڑکی کو عبدالرحمٰن سے بیاہ دینے کا بھی وہ آرزومند تھا۔ عبدالرحمٰن نے صلح کر لی لیکن شادی سے انکار کر دیا۔

۷۷۳ء تک عباسی خلیفوں کا نام خطبے میں پڑھا جاتا تھا۔ پھر عبدالرحمٰن نے اس کی ممانعت کر دی۔ لیکن اپنے لیے خلیفہ کا نہیں صرف امیر کا لقب پسند کیا۔

تعمیری کارنامے عبدالرحمٰن بڑا حوصلہ مند، دُور اندیش، منتظم اور فیاض امیر تھا۔ اُسے رعایا کی خوشحالی اور اشاعتِ علم سے بڑی دلچسپی تھی۔ سارے ملک میں سڑکیں بنوائیں۔ ڈاک کا انتظام کیا۔ ہر پڑاؤ پر ڈاک کے لیے گھوڑے رکھے۔ غریبوں اور محتاجوں کی دستگیری کا خاص خیال رکھتا۔ ذمیوں کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آتا۔ ذمیوں سے جزیہ لیا جاتا جس کے تین درجے تھے غریبوں سے بارہ درم سالانہ، متوسط درجے کے لوگوں سے چوبیس درم اور امیروں سے اڑتالیس درم یعنی تقریباً تین روپے۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، محتاجوں اور راہبوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ کاشتکاروں سے پیداوار کا پانچواں حصّہ خراج میں لیا جاتا۔

قرطبہ کی شہرۂ آفاق مسجد کی بنیاد بھی عبدالرحمٰن ہی نے رکھی تھی۔ اس پر ہزاروں دینار خرچ کیے۔ خود اس کی تعمیر میں عام مزدوروں کی طرح کام کرتا رہا۔ ابھی مسجد مکمل نہیں ہوئی تھی کہ بیمار پڑ گیا اور زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ اس نے ایک دن مقرر کر کے اس مسجد میں نماز ادا کی اور خطبہ دیا۔ اس طرح مسجد کا افتتاح ہو گیا۔ بتیس برس کی حکومت کے بعد ۷۸۸ء میں وفات پائی۔ بیس اکیس برس کی عمر میں شام سے نکلا تھا۔ پانچ برس مارا مارا پھرتا رہا۔ انتقال کے وقت ۵۷ برس کی عمر تھی۔

جانشین عبدالرحمٰن کا فرزند ہشام بڑا نیک، دل، علم دوست اور رعایا پرور بادشاہ تھا۔ ہشام کا فرزند حکم باپ دادا کے طریقے کو چھوڑ کر عیش وعشرت اور سیر وتفریح میں ڈوب گیا۔ یہ بات عام لوگوں اور عالموں کو بہت بُری لگی اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ایک دن حکم پر لوگوں نے پتھر برسائے۔ قرطبہ کے جس حصّے میں یہ واقعہ پیش آیا تھا، حکم نے اس کے باشندوں کو تین دن کے اندر ملک سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آٹھ ہزار کنبے قرطبہ سے نکل کر مراکش پہنچے۔ کچھ وہیں آباد ہو گئے، باقی لوگوں نے اسکندریہ (مصر) کا رُخ کر لیا۔ وہاں سے بھی اُنھیں نکل جانے کا حکم ملا، تو جہاز لے کر جزیرہ کریٹ میں جا اُترے اور وہاں مستقل حکومت قائم کر لی جو پونے دوسو برس قائم رہی۔

حکم کے فرزند عبدالرحمٰن ثانی اور اس کے بعد محمد، منذر اور عبداللہ کے عہد میں سلطنت کا انتظام بہت بگڑ گیا۔ مختلف مقامات پر بغاوتیں ہوئیں۔ جگہ جگہ خود مختار حکومتیں بن گئیں۔ عبدالرحمٰن ثانی کے زمانے میں نارمن لوگ اندلس پر حملہ آور ہوئے اور انھوں نے ساحلی علاقوں میں بڑا ادھم مچایا۔ آخر شکست کھائی اور بھاگے۔ اسلامی بیڑے نے دُور تک، اُن کا پیچھا کیا۔ پھر عبدالرحمٰن نے سمندر کے کنارے قلعے بنانے کا حکم دے دیا۔

تمدنی ترقیات بدامنی اور بدنظمی کے باوجود یہ عہد تمدنی ترقیات کے لحاظ سے خاصا شاندار تھا۔ زراعت اور تجارت خوب پھیلی۔ سلطنت آمدنی بہت بڑھ گئی۔ نئی نئی عمارتیں بنیں۔ شہر قرطبہ کے لیے آبرسانی کا محکمہ قائم کیا گیا۔ جامع مسجد کی عمارت میں توسیع ہو گئی۔

لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ملک کی انتظامی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ بلکہ یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ عبدالرحمٰن اول

کی پیدا کی ہوئی سلطنت کا دائرۂ اختیار عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمٰن ثانی کے عہد میں گھٹتے گھٹتے صرف قرطبہ تک محدود ہو گیا تھا۔ پھر قدرت نے امویان اندلس میں سے ایک اور اولو العزم شخص پیدا کر دیا۔ جس نے ملک کی عظمت کا جھنڈا انتہائی بلندی پر پہنچا دیا۔ یہ عبد الرحمٰن ثالث تھا۔ جو الناصر لدین اللہ کے لقب سے مشہور ہُوا۔ وہ امویان اندلس میں سب سے بڑا حکمران گزرا ہے بلکہ دنیا کے چند نامور حکمرانوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے حالات اگلے باب میں پڑھو گے۔

تیسرا باب

عبد الرحمٰن ثالث

۹۱۲ئہ ــــ ۹۶۱ئہ

عبد الرحمٰن ثالث عبد الرحمٰن ثالث امیر عبد اللہ کا پوتا تھا۔ امیر کو اپنے بیٹے محمد کے متعلق شبہ ہو گیا کہ وہ حکومت حاصل کرنے کی غرض سے سازشوں میں لگا ہُوا ہے۔ اُسے قید خانے میں ڈال دیا۔ پھر اپنے دوسرے بیٹے کو نائب بنا کر قرطبہ سے باہر گیا۔ اس بیٹے نے اپنے لیے جانشینی کا راستہ صاف کرنے کے خیال سے اسیر بھائی کو قتل کرا دیا۔ امیر عبد اللہ واپس آیا، تو اسے اپنے بیٹے کے مارے جانے کا بڑا رنج ہُوا لیکن کر کچھ نہیں سکتا تھا۔ مقتول کے کم سن فرزند عبد الرحمٰن کو اپنی نگرانی میں پالا اور اسی کو ولی عہد بنایا۔ اس میں بہادری، ملک داری، تدبّر اور اولو العزمی کے جوہر کوٹ کوٹ کر بھرے ہُوئے تھے۔ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیتے ہی بدنظمی کو ختم

کرنے اور ملک کو ترقی دینے کا بیڑا اُٹھا لیا۔ چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں مملکتِ اندلس اس اعلےٰ پیمانے پر پہنچ گئی کہ امن و خوشحالی کا ایسا دور نہ اس سے پہلے نصیب ہُوا تھا نہ بعد میں نصیب ہُوا۔

حالات کا نقشہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ انتظامات میں خرابی کا آغاز حکم اوّل کے عہد سے شروع ہو گیا تھا۔ عبدالرحمٰن ثالث کی تخت نشینی حکم اول کی وفات سے نوے برس بعد عمل میں آئی۔ اس ساری مدت میں خرابیاں بڑھتی گئیں۔ خصوصاً آخری پچاس برس میں تو ابتری آخری منزل پر پہنچ گئی تھی۔ عرب امرا بھی خود سر ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے اپنے اپنے حلقوں میں تقریبًا خود مختار ریاستیں بنا لی تھیں۔ مسیحی امرا بھی اپنے چھنے ہُوئے علاقوں کو واپس لینے کے لیے میدان میں آ گئے تھے۔ ایک گروہ اُن امرا کا تھا جو مسلمان بن گئے تھے۔ لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ اپنی مستقل حکومتیں بنا لینے کا موقع نکل آیا ہے تو وہ اسلام کو چھوڑ کر پھر عیسائی ہو گئے۔ ان میں سے عمر بن حفصون خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ جس نے ۸۸۰ئہ میں قزاقوں کا ایک گروہ اپنے اردگرد جمع کر لیا۔ جب ایک حلقے میں پاؤں جما لیے تو حکومت اندلس کی رقیب اسلامی سلطنتوں یعنی، خلافتِ عباسیہ بغداد اور حکومت اغلبیہ افریقیہ سے نامہ وپیام شروع کر دیے۔ اس نے ایک طرف مصر کے فاطمی خلفا سے مدد حاصل کر لی، دوسری طرف شمالی اندلس کے عیسائی حکمرانوں سے تعلق استوار کر لیا۔ اموی خاندان کی حکومت صرف قرطبہ تک محدود رہ گئی تھی اور راستے اتنے مخدوش ہو گئے تھے کہ سات برس تک کوئی تجارتی قافلہ قرطبہ سے سرقسطہ نہیں جا سکا تھا۔

عبدالرحمٰن کے انتظامات عبدالرحمٰن نے مسند نشین ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ وہ تمام غیر شرعی محصول منسوخ کر دیے جو اس سے پہلے حکمرانوں نے

رعایا سے روپیہ حاصل کرنے کے لیے لگا رکھے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ رعایا کے دل میں اپنے نئے حکمران کے لیے خاص محبت و اُلفت پیدا ہو گئی۔ عبدالرحمٰن نے اس کے ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ تمام باغی اور خودسر سردار اگر فوراً فرمانبردار بن جائیں گے تو ان کے سارے جرم معاف کر دیے جائیں گے اور کسی کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ لوگ آئے دن کی کشمکشوں، خونریزیوں اور بدنظمیوں سے تنگ آئے ہوئے تھے، یہ اعلان سنتے ہی اکثر نے فرمانبرداری قبول کر لی۔ عبدالرحمٰن نے ان لوگوں کی دلداری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ پھر فوج تیار کر کے ان سرداروں پر یورشیں شروع کر دیں جنھوں نے اس کے اعلانِ عفوِ عام کو قبول نہیں کیا تھا۔ یکے بعدِ دیگرے سب کو زور و قوت سے فرمانبردار بنا لیا۔ طلیطلہ کے باشندے بڑے ہی سرکش اور خودرائے تھے۔ عبدالرحمٰن نے اُنھیں بھی موقع دیا کہ مخالفت چھوڑ کر راہِ راست پر آ جائیں۔ وہ نہ مانے تو طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ شہر کے باہر ایک نیا شہر آباد کر کے بیٹھ گیا اور سرکشوں کو ایسی سخت سزا دی کہ پھر اُنھیں عبدالرحمٰن کی زندگی میں کبھی سر اُٹھانے کی ہمت نہ پڑی۔ اِدھر سے فارغ ہوا تو عمر بن حفصون اور دوسرے عیسائی سرداروں کی گوشمالی میں بار بار لشکر کشی کی اور شکستیں دے دے کر سب کا زور توڑ دیا۔

خلافت اندلس کے اموی حکمرانوں نے حکومت تو قائم کر لی تھی، جس کا بغداد کے مرکز سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن اپنے لیے خلیفہ کا لقب اختیار نہیں کیا تھا۔ صرف امیر کہلاتے رہے۔ عبدالرحمٰن اول کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ خاص مدت تک عباسی خلیفوں کا نام خطبے میں پڑھا جاتا رہا، پھر عبدالرحمٰن نے اسے منسوخ کر دیا۔ عبدالرحمٰن ثالث نے ۱۶ جنوری ۹۲۹ء کو اپنی خلافت کی بیعت لی اور "الناصر لدین اللہ" کا لقب اختیار کیا۔

اسی وقت سے اُسے عبدالرحمٰن النّاصر کہنے لگے۔

قرطبہ | عبدالرحمٰن کے زمانے میں قرطبہ کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی اور یہ شہر زمانے بھر میں مشہور ہو گیا۔ اس کی آبادی باغات سمیت دریا کے ساتھ ساتھ چوبیس میل کی لمبائی میں پھیل گئی تھی اور چوڑائی چھ میل سے کم نہ تھی۔ قرطبہ کی عظمت کا سرسری اندازہ مندرجہ ذیل نقشے سے ہو سکتا ہے:

مکانات :	ایک لاکھ تیرہ ہزار
آبادی :	دس لاکھ
دکانیں :	دس ہزار چار سو
مسجدیں :	سات سو
حمام :	نو سو
تاجروں کے مالگدام :	چار ہزار تین سو
کارخانے :	پانچ ہزار

سڑکوں، بازاروں اور گلیوں میں باقاعدہ روشنی کا انتظام تھا۔ سارے بازاروں کے فرش پختہ تھے۔ شہر میں پانی کے نل لگے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ فوارے بنا دیے گئے تھے۔ مسافروں اور طالب علموں کے لیے سرائیں تھیں، جن میں سب کو مفت کھانا ملتا تھا۔ قدم قدم پر شفاخانے تھے۔ ان میں مریضوں کے لیے کمرے بنے ہوئے تھے۔ ہر مریض کو غذا بھی سرکار کی طرف سے ملتی تھی۔ کالجوں، درسگاہوں اور کتب خانوں کا شمار نہ تھا۔ قرطبہ کتابوں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا۔

مدینۃ الزہرا | عبدالرحمٰن نے قرطبہ سے چند میل کے فاصلے پر سرا مورینا پہاڑ کے دامن میں ایک نادر روزگار محل بنایا تھا جس کا نام عبدالرحمٰن کی ایک کنیز کے نام پر الزہرا پڑا۔ عبدالرحمٰن کے حرم میں ایک خاتون نے بہت سی

دولت چھوڑی تھی اور وصیت کی تھی کہ یہ دولت مختلف فرنگی سلطنتوں کے مسلمان اسیرانِ جنگ کو چھڑانے میں صرف کی جائے، مگر تلاش کے باوجود کوئی قیدی نہ ملا۔ پھر الزہرا نام کنیز نے یہ تجویز پیش کی کہ اس دولت سے محل تعمیر کرایا جائے۔ چنانچہ پہاڑ کے دامن میں مناسب جگہ تجویز کر کے محل کی بنیاد رکھ دی گئی، جو پچیس برس میں تیار ہوا اور کہا جاتا ہے کہ اس پر ۴۵ کروڑ روپے خرچ ہوئے۔

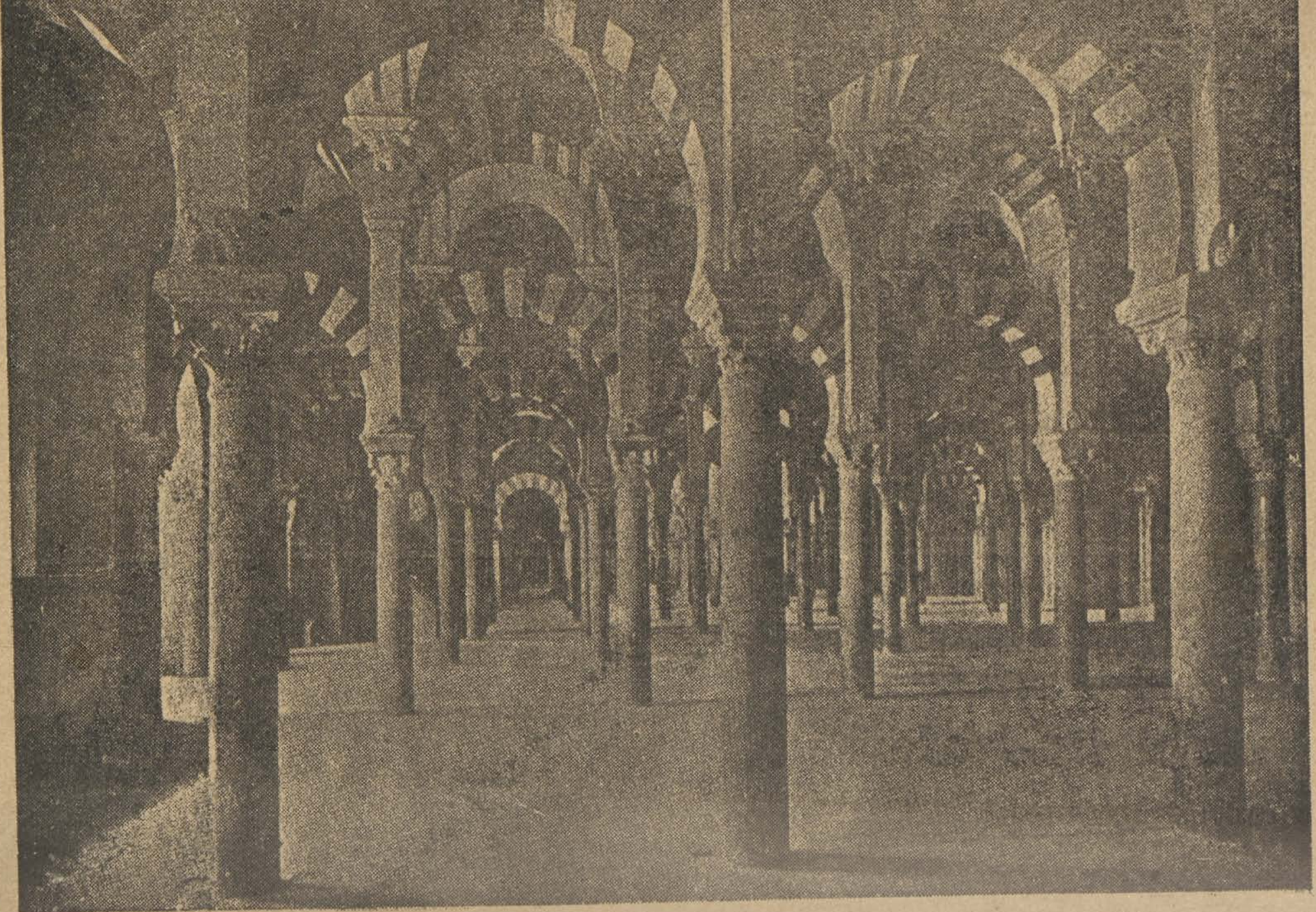
محل کے تین حصّے تھے۔ سب سے پیچھے پہاڑ کے ڈھلوان پر اصلی محل، پھر باغات، اس کے بعد بیچ میں محافظ فوج، خواجہ سراؤں اور شاہی غلاموں کے چار سو مکانات، اُن مکانات سے آگے پھر باغ اور اُن میں جابجا بارہ دریاں۔ باغات سے آگے کوشک اور صدر دروازہ۔ سارے قصر میں خوبصورت نہریں تھیں جو سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھیں اور ان میں فوارے لگے ہوئے تھے۔ شاہی محل سنگِ مرمر کے وسیع چبوترے پر بنا ہوا تھا اور اس میں چار سو کمرے تھے۔ کواڑ آبنوس کے تھے اور اُن پر سونے، چاندی اور ہاتھی دانت کا نہایت باریک کام تھا۔ اس محل کے ایک کمرے میں سنگِ سماق کا ایک بڑا حوض تھا جس میں بارہ بھر دیا گیا تھا۔ اس پر سورج کی کرنیں پڑتیں، تو اتنی چمک پیدا ہوتی کہ آنکھیں چندھیا جاتیں۔ پارے کو ذرا ہلا دیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ قصر میں زلزلہ آگیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت مسجد تھی۔ پھر امرا نے مکانات بنا لیے، بازار بن گیا اور پورا شہر آباد ہوگیا۔ اس کا نام مدینۃ الزہرا مشہور ہوا۔

جامع قرطبہ | قرطبہ کی جامع مسجد بھی زمانے کی نادر عمارتوں میں تھی۔ وہ اب تک موجود ہے اگرچہ اس کی پہلی حالت باقی نہیں رہی۔ اس کی بنیاد عبدالرحمٰن اوّل نے رکھی تھی۔ پھر اس میں اضافے ہوتے رہے۔ آخری اضافہ المنصور حاجب نے کیا تھا۔

مسجد کے جس حصّے پر چھت تھی۔ وہ ۶۲۰ فٹ لمبا اور ۴۴۰ فٹ چوڑا تھا۔پوری چھت ستونوں پر کھڑی تھی اور ان کی تعداد ایک ہزار چار سو سترہ تھی۔ وہ اتنے صاف اور جلا دار تھے کہ انسان اُن میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔ اکیس دروازے تھے ان پر پیتل کا نہایت عمدہ کام کیا ہُوا تھا۔ بادشاہ کے لیے جو مقصورہ بنایا گیا تھا، اس کے ستون لاجورد کے تھے۔ اور دروازے چاندی اور سونے کے۔ مسجد کا منبر آبنوس، صندل اور ہاتھی دانت کے چھتّیس ہزار ٹکڑوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا اور اس پر ساڑھے سینتیس ہزار اشرفیاں خرچ ہوئی تھیں۔

ماذنہ (اذان دینے کا مینار) ایک سو آٹھ فٹ بلند تھا۔اس کے گنبد پر تین سیب رکھے گئے تھے دو سونے کے اور ایک چاندی کا۔ ان پر سورج کی کرنیں پڑتی تھیں تو میلوں سے چمکتے نظر آتے تھے۔ صرف ماذنے پر دو لاکھ اکسٹھ ہزار پانسو اشرفیاں صرف ہوئیں۔ وضو کے چار بڑے حوض تھے۔ دو عورتوں کے لیے اور دو مردوں کے لیے۔ روشنی کے لیے مسجد میں دو سو اسّی (۲۸۰) بڑے جھاڑ تھے اور سات ہزار چار سو پچیس پیتل کے پیالے، جن میں تیل جلتا تھا۔سب سے بڑے جھاڑ میں موم کی ایک ہزار چار سو شمعیں جلتی تھیں۔

ایک یورپی مورّخ کا بیان ایک یورپی مورّخ نے لکھا ہے کہ دسویں صدی عیسوی کے قرطبہ شہر کے مکانوں، جامع مسجد اور قصر الزہرا کی قیمت کا اندازہ کیا جائے، تو اس زمانے کے لندن، پیرس اور روما کی ساری عمارتوں کی قیمت مل کر بھی برابر نہ ہو سکے۔ یہ قرطبہ تھا، جو مسلمانوں سے پہلے ایک معمولی قصبہ تھا۔ لیکن امویوں کے عہد میں دنیا کا نہایت خوبصورت، خوشحال، عالی شان اور مایہ ناز شہر بن گیا۔



جامع مسجد قرطبہ کا ایک گوشہ

چوتھا باب

حکم ثانی اور منصور حاجب

حکم ثانی عبدالرحمٰن الناصر نے پچاس برس کی حکمرانی کے بعد ۹۶۱ء میں وفات پائی۔ اس کے بعد امویوں کی حکومت صرف ستر برس قائم رہی۔ اس میں سے حکم ثانی کے عہدِ حکومت اور منصور حاجب کے زمانۂ مختاری کو چھوڑ کر کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں۔ منصور کے بعد امویوں کی سلطنت پر زوال آ گیا۔ یہاں تک کہ ۱۰۳۱ء میں یہ حکومت ختم ہو گئی اور اس کی جگہ اندلس کے مختلف صوبوں میں کئی خود مختار حکومتیں بن گئیں۔

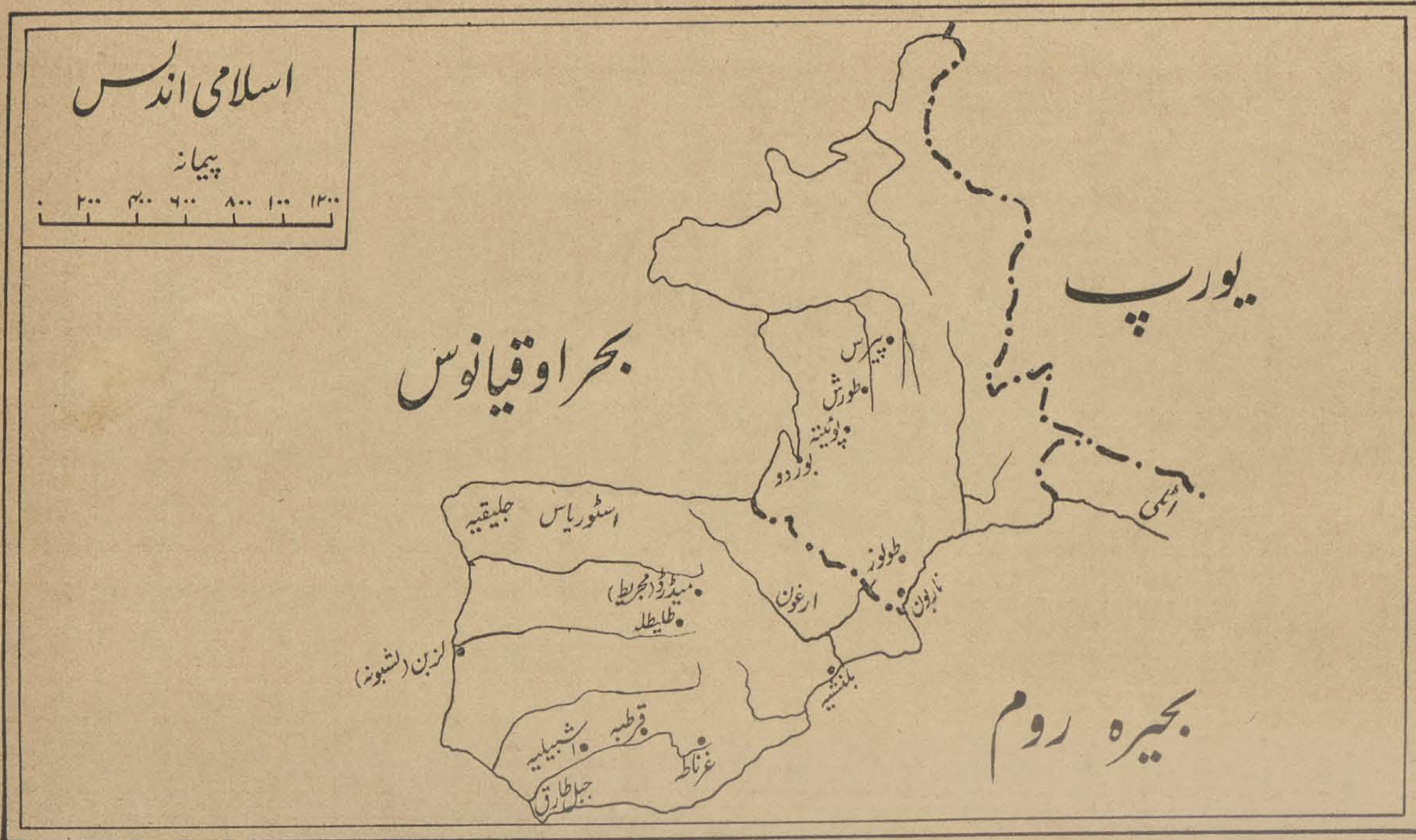
حکم بڑا علم دوست، منتظم اور نیک دل حکمران تھا۔ اس کے عہد میں سلطنت کا رُعب وداب قائم رہا۔ فتوحات بھی ہوئیں۔ لیکن اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ نادر کتابیں جمع کیں۔ جن کی تعداد چار لاکھ سے لے کر چھ لاکھ تک بیان کی جاتی ہے۔ ان کتابوں کی فہرست چوالیس جلدوں میں تیار ہوئی تھی۔ علم کا ایسا نادر ذخیرہ پھر دوسری جگہ جمع نہ ہو سکا۔ وہ پندرہ برس کی حکومت کے بعد ۹۷۶ء میں فوت ہوا، تو اس کا بیٹا ہشام ثانی تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں منصور حاجب سلطنت کا مختارِ کل بنا۔

منصور حاجب منصور حاجب کا نام محمد بن ابی عامر تھا۔ اس کے خاندان کا پیشہ سپہ گری تھا۔ منصور کا باپ حج کے لیے گیا۔ واپسی پر راستے میں وفات پائی۔ یتیم منصور نے معمولی تعلیم پائی اور بازار میں بیٹھ کر عرضی نویسی شروع کر دی۔ آہستہ آہستہ محل کے نوکروں چاکروں میں ہر دلعزیز بن گیا۔

خلیفہ ہشام کی والدہ "سلطانہ صبح" کو ایک محرر کی ضرورت پڑی، تو اُسے ملازم رکھ لیا گیا۔ اس وقت سے منصور کے اقبال کا ستارہ چمکا یہاں تک کہ وہ تھوڑی ہی مدت میں مختلف امیروں اور سرداروں کو راستے سے ہٹاتا ہوا ہشام کی سلطنت کا مختار بن گیا۔ ۱۰۰۲ء میں وفات پائی اور آخری دم تک پورا اندلس اسی کے قبضۂ اختیار میں رہا۔ وہی وزیر اعظم تھا، وہی خلیفہ اور حکمران تھا، اگرچہ اس نے خلافت یا حکمرانی کا منصب اختیار نہ کیا۔

فتوحات | منصور جیسا مدبّر و منتظم تھا ویسا ہی بہادر و جوانمرد بھی تھا۔ اس نے قاعدہ بنا لیا تھا کہ سال میں دو مرتبہ جہاد کے لیے نکلتا اور لشکر لے کر دور دور کے علاقوں میں نکل جاتا۔ ان ترکتازوں نے ایسی دھاک بٹھا دی تھی کہ دشمن اس کا نام سُن کر کانپنے لگتے۔ ایک مرتبہ اس نے شمال کے پہاڑی علاقوں پر حملہ کیا۔ ایک جگہ تنگ درے سے گزر کر کھلے میدان میں پہنچ گیا۔ دشمنوں نے درے پر قبضہ کر کے منصور کے لیے واپسی کی راہ بند کر دی۔ اس نے اپنی فوج کے دو حصے کیے۔ ایک حصے کو کھیتی باڑی پر لگا دیا اور دوسرے حصے کو لے کر میدان کی آبادیوں پر حملے کرنے لگا۔ جتنے دشمنوں کو دن میں قتل کرتا، اُن کی لاشیں اٹھوا کر درے کے سامنے رکھوا جاتا۔ آخر دشمنوں نے خود درخواست کی کہ صلح کر لی جائے اور درے سے اپنی فوج اُٹھا لی۔

منصور کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ اس کے ایک علمدار نے اپنا جھنڈا پہاڑی پر نصب کر دیا۔ واپسی کا حکم ہُوا، تو وہ جھنڈا وہیں چھوڑ گیا۔ اگرچہ جھنڈے کے پاس ایک آدمی بھی نہ تھا۔ لیکن کسی دشمن کو منصور کے جھنڈے کے پاس تک جانے کی ہمت نہ پڑی صرف منصور کا نام ہی جھنڈے کی حفاظت کرتا رہا۔



اسلامی اندلس
پیمانہ
۰ ۲۰۰ ۴۰۰ ۶۰۰ ۸۰۰ ۱۰۰۰ ۱۲۰۰
یورپ
بحر اوقیانوس
بحیرہ روم
پیرس
طورش
پوئیتہ
بوردو
اسٹوریاس
جلیقیہ
میڈرڈ (مجریط)
طلیطلہ
ارغون
طولوز
ناربون
لزبن (لشبونہ)
بلنشیہ
قرطبہ
اشبیلیہ
غرناطہ
جبل طارق
رہمی

تعمیری کارنامے منصور نے رفاہِ عامہ کے کاموں پر بھی خاصی توجہ مبذول رکھی۔ نہریں اور بند بنوا کر زراعت کو ترقی دی۔ سڑکیں بنوائیں۔ ڈاک کا انتظام اعلےٰ پیمانے پر پہنچا دیا۔ ہسپتال بنوائے۔ جامع قرطبہ کی عمارت کو بڑھا کر تقریباً دگنا کر دیا۔ اس غرض کے لیے آس پاس کے بہت سے مکان خرید لینے کا ایک حکم دیا۔ ایک بڑھیا نے اپنا چھوٹا سا مکان بیچنے سے انکار کر دیا۔ منصور نے مسجد کی توسیع روک دی اور کہا کہ مسجد کے لیے کسی کا مکان جبراً نہیں لیا جا سکتا۔ پھر بڑھیا اس شرط پر راضی ہوئی کہ مجھے جو مکان دیا جائے اس میں میرے گھر کی کھجور جیسا درخت بھی ہو۔ منصور نے سارے قرطبہ میں ایسے گھر چھانٹ لیے اور بڑھیا سے کہا ان میں سے جو پسند ہو اس کی قیمت میں ادا کر دوں گا خواہ وہ کتنی ہی ہو۔

الزاہرہ عبدالرحمٰن الثالث کا قصر الزہرا قرطبہ کے شمال مغرب میں تھا۔ منصور نے قرطبہ کے مشرق میں اپنے لیے ایک نیا عالی شان محل بنوایا، جس کا نام الزہرا رکھا۔ یہ محل ایک بہت وسیع باغ میں تھا اور اتنا عالیشان تھا کہ اس زمانے کے لوگ الزہرا کو بھول گئے تھے۔ باغ میں نہریں بہ رہی تھیں جگہ جگہ خوبصورت تالاب بنا دیے گئے تھے، جن میں رنگ رنگ کی مچھلیاں تیرتی رہتی تھیں۔ پھر اس کے ساتھ ہی اپنی محافظ فوج کے لیے ایک چھاؤنی بنائی۔ سازوسامانِ جنگ کا ایک بڑا کارخانہ بھی قائم کر دیا۔ لیکن اب الزاہرہ اور اس کے آس پاس کی عمارتوں کا نشان بھی نہیں ملتا۔

نیک دل مسلمان منصور بڑا پرہیزگار اور حق شناس مسلمان تھا۔ عمر بھر میں پچاس مرتبہ جہاد کے لیے نکلا۔ واپس آتا تو کپڑوں سے گرد جھڑوا کر جمع کراتا رہتا۔ اس کی ذاتی ملکیت ایک کھیت تھا۔ اس میں کپاس کی کاشت کرائی۔ اس کی روئی اپنی لڑکی کے ہاتھ سے کتوا کر کفن کے لیے کپڑا بنوایا۔ اس کپڑے اور جمع کرائی ہوئی گرد کو ہر وقت ساتھ رکھتا۔ آرزو تھی

کہ میدانِ جنگ میں شہادت پائے۔ ساتھیوں کو وصیت کر دی تھی کہ جب مروں تو اسی کپڑے میں مجھے کفنایا جائے اور جمع کی ہوئی گرد سارے جسم پر چھڑک دی جائے۔ ستائیس برس مختار رہا۔ مدینہ سالم میں اُسے دفن کیا گیا جہاں اس کے خاندان والے رہتے تھے۔

طوائف الملوکی منصور کی وفات کے بعد سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ قرطبہ، غرناطہ، طلیطلہ، اشبیلیہ، مالقہ، الجزائر۔ سرقسطہ اور المیریہ میں الگ الگ خاندان مستقل حیثیت اختیار کر بیٹھے۔ پھر اُن میں باہم لڑائیاں شروع ہو گئیں اور عجیب بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص موقع پاتا تو اندلس کے عیسائیوں سے مدد لے کر اپنے رقیب کو نیچا دکھاتا۔ اس طرح عیسائیوں کی قوت بڑھتی رہی اور مسلمانوں کی قوت گھٹتی گئی۔ جو سلطنتیں امویوں کے زوال کے بعد برسرِ کار آئیں۔ اُن میں سے دو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں: ایک اشبیلیہ کی عبادی سلطنت، دوسری غرناطہ کی سلطنت۔ ان کے حالات اگلے بابوں میں بیان ہونگے۔

پانچواں باب

بنو عباد، مرابطین اور موحدین

بنو عباد منصور حاجب کی وفات سے کچھ مدت بعد بنو حمود نے قرطبہ میں مختاری کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ اس خاندان کا پہلا قابلِ ذکر علی بن حمود تھا۔ پھر اس کا بیٹا اور بھائی برسرِ اقتدار آئے۔ اس اثنا میں اشبیلیہ میں ایک قاضی نے اقتدار کا درجہ حاصل کر لیا۔ اموی

خاندان کے بادشاہ ہشام ثانی کے متعلق عام خیال تھا کہ وہ مرا نہیں۔ بلکہ کہیں گم ہو گیا ہے۔ قاضی نے ہشام کے ایک ہم شکل آدمی کو لے کر دعوےٰ کر دیا کہ اصلی ہشام یہی ہے اور خود اس کے نائب کی حیثیت میں کام کرنے لگا۔ ۱۰۴۲ء میں اس کے بیٹے نے "معتضد" کے لقب سے مستقل حکومت کی بنیاد رکھ دی۔ اس وقت سے قرطبہ بھی اشبیلیہ کے ماتحت آگیا۔

معتمد | معتضد کا بیٹا معتمد ۱۰۶۸ء میں تخت پر بیٹھا۔ وہ عجیب اوصاف کا آدمی تھا۔ شعر کا ذوق اتنا اچھا پایا تھا کہ اپنے زمانے کے بہترین شاعروں میں شمار ہوتا تھا۔ آج بھی اس کے شعر بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ حکمرانوں میں اس پایے کا شاعر غالباً کوئی نہیں ہوا۔ میدانِ جنگ میں پہنچ جاتا تو شجاعت کا مجسمہ بن جاتا۔ عشرت کی محفلیں جماتا تو معلوم ہوتا کہ وہ صرف عیش کے لیے بنا ہے۔ فیاض ایسا تھا کہ جب حکومت جاتی رہی تو جو کچھ پاس تھا ایک شخص کو اٹھا کر دے دیا، جو اس امید پر آیا تھا کہ معتمد سے بہت انعام ملے گا اور یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی سلطنت جاتی رہی۔ معتمد نے ایک معمولی دہقانی عورت سے شادی کی اور اسی کو ملکہ بنایا۔ اس کا نام "اعتماد" تھا۔

معتمد کا لاابالی پن | ملکہ اعتماد ایک مرتبہ قرطبہ میں تھی۔ سردی کے موسم میں پہاڑ پر برف پڑتے دیکھی، تو خیال آیا کہ ایسی کوئی چیز ہمیں بھی پیدا کرنی چاہیئے۔ معتمد سے اس کا ذکر کیا تو اس نے سارے پہاڑ پر بادام کے درخت لگوا دیے۔ جب ان میں سفید سفید پھول آتے، تو دیکھنے والے کو یوں معلوم ہوتا کہ ابھی ابھی پہاڑ پر برف گری ہے۔

ملکہ ایک مرتبہ محل کی کھڑکی میں بیٹھی باہر کے نظارے دیکھ رہی تھی۔ اچانک سامنے سے گوجروں کی عورتیں گزریں جو دیہات سے دودھ

لے کر شہر آئی تھیں۔ ان کے پاؤں کیچڑ میں لتھڑے ہوئے تھے۔ ملکہ نے کہا کہ میں بھی ان عورتوں کی طرح کیچڑ میں پھرونگی۔ معتمد کے حکم کے مطابق تھوڑی ہی دیر میں عود، عنبر اور دوسری خوشبودار چیزوں کو گلاب میں ملاکر محل کے ایک کمرے میں معطر کیچڑ بکھیر دیا گیا۔ ملکہ نے اپنی سہیلیوں کے ساتھ اس معطر کیچڑ میں پھر پھر کر اپنا شوق پورا کرلیا۔

عیسائیوں سے جنگ ہم بتا چکے ہیں کہ سلطنت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد چھوٹے سردار جب آپس میں لڑتے تھے تو ایک دوسرے کے خلاف عیسائی سرداروں سے بھی مدد لیتے تھے اور ان کو سالانہ کچھ رقم دینا منظور کرلیتے تھے۔ معتمد بھی ریاست گلیشیا (عربی جلیقیہ) کے سردار الفانسو کو کچھ رقم دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ الفانسو نے سفیر بھیجا کہ مجھے جو رقم دی جائے، وہ اشرفیوں کی شکل میں دی جائے۔ نیز میری بیوی بیمار ہے، وہ قرطبہ میں رہنا چاہتی ہے۔ مسجد کی عمارت اس کے حوالے کردی جائے۔ معتمد کو یہ سن کر اتنا غصہ آیا کہ سیسے کی دوات اُٹھا کر سفیر کے سر پر دے ماری، وہ وہیں مرگیا۔ پھر حکم دیا کہ اس کے ساتھیوں کو پکڑ کر پھانسیوں پر لٹکا دیا جائے۔ اس پر الفانسو کے ساتھ لڑائی چھڑ گئی دوسرے عیسائی سردار الفانسو کے ساتھ مل گئے۔ معتمد نے بھی عرب امیروں کو بلایا اور کہا کہ یوسف ابن تاشفین کو مدد کے لیے بلا لینا چاہیئے جو مراکش میں اقتدار حاصل کرچکا تھا اور مشہور سپہ سالار تھا۔ امیروں کو یہ خیال ہوا کہ یوسف کہیں خود ہی اندلس کا مالک نہ بن بیٹھے۔ معتمد نے یہ سنا تو کہا کہ میں خنزیروں کا چرواہا بننے کے بجائے اونٹوں کا ساربان بننا بہتر سمجھتا ہوں۔ غرض مشورے کے بعد یوسف بن تاشفین کو مراکش سے بلا لیا گیا۔

مرابطین یوسف، مراکش میں مرابطین کی سلطنت کا بانی تھا۔ "مرابط"

"رباط" سے نکلا ہے، جس کے معنی سرائے اور خانقاہ کے ہیں۔ مراکش میں ایک نیک اور متقی مسلمان نے اسلامی اخوت کا ایک حلقہ قائم کیا تھا۔ یوسف بن تاشفین بھی اسی حلقے میں شامل ہو گیا تھا۔ چونکہ اس نے رباط میں بیعت کی تھی، اس لیے اس کے ساتھی مرابطین کہلائے۔

یوسف بڑا جفاکش آدمی تھا۔ سو برس کی عمر پائی۔ لمبی مدت تک حکومت کرتا رہا۔ لیکن جو معمولی لباس وہ پہلے پہنتا تھا، عمر بھر وہی پہنتا رہا۔ سوکھی روٹی کھاتا رہا۔ اگرچہ پورے مراکش کا مالک تھا اور اندلس بھی اس کے زیر اثر آ گیا تھا۔

الفانسو کو جواب یوسف اپنے اندلسی بھائیوں کی مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ الفانسو کو یہ خبر ملی تو یوسف کو ایک لمبا چوڑا خط بھیج دیا۔ اس میں لکھا کہ تم کیوں اندلس آنے کی تکلیف اُٹھاتے ہو۔ میں خود مراکش پہنچ کر تمھارا شوقِ جنگ پورا کر دوں گا۔ طعن اور تمسخر کی باتیں بھی لکھیں۔ یوسف نے اپنے میر منشی سے کہا کہ اس کا جواب لکھلاؤ۔ میر منشی نے وقت کے رواج کے مطابق بڑے فاضلانہ انداز میں خوب لمبا چوڑا جواب تیار کیا۔ یوسف نے یہ جواب دیکھا تو اُسے پھاڑ کر پھینک دیا اور الفانسو کے خط کی پشت پر صرف یہ فقرہ لکھ دیا کہ "جو کچھ ہونے والا ہے اُسے تو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔"

جنگِ زلّاقہ بہرحال یوسف فوج لے کر اندلس پہنچا۔ معتمد اور دوسرے عرب امرا اس کے ساتھ ہو گئے۔ زلّاقہ کے میدان میں جو بطلیوس[1] کے قریب ہے ۲۳ اکتوبر ۱۰۸۶ء کو ایک خوفناک جنگ ہوئی۔ الفانسو کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی۔ یوسف صرف بیس ہزار آدمی ساتھ لایا تھا۔

[1] بطلیوس کو ہسپانوی زبان میں BADAJOZ کہتے ہیں۔ یہ اشبیلیہ کے شمال میں پرتگال کی سرحد کے قریب واقع ہے۔

کچھ فوج عرب امرا کی تھی۔ الفانسو کے اتنے آدمی مارے گئے کہ یوسف نے کٹے ہوئے سروں کا ایک مینار بنوایا جس پر کھڑے ہو کر موذن نے اذان کہی۔ چالیس ہزار سر اپنے ساتھ مراکش لے گیا۔ خود الفانسو بھی سخت زخمی ہوا اور تین سو سواروں کے ساتھ بہ مشکل جان بچا کر بھاگا۔ یوسف کا یہ قول سچّا ثابت ہوا کہ "جو کچھ ہونے والا ہے تو اسے اپنی آنکھ سے دیکھے گا۔"

مرابطین اندلس میں | جنگ زلّاقہ نے مسلمانان اندلس کے لیے حالات کی اصلاح کا موقع پیدا کر دیا تھا، لیکن انھوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ خطرہ سر سے ٹلا تو وہ پھر آپس میں لڑنے لگے۔ آخر یوسف نے یہی بہتر سمجھا کہ اندلس کو دوسروں کے حوالے کرنے کے بجائے خود سنبھال لے۔ ۱۰۹۰ء میں وہ اندلس پہنچا۔ غرناطہ، اشبیلیہ اور دوسرے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اندلس میں مرابطین کی حکومت قائم کر دی۔ معتمد کو گرفتار کر کے مراکش بھیج دیا۔ وہاں اس نے قید کی حالت میں ۱۰۹۵ء میں وفات پائی۔

یوسف ۱۱۰۶ء میں فوت ہوا۔ مراکش شہر کی بنیاد اسی نے رکھی تھی۔ اس کے بعد مرابطین کے تین حکمران ہوئے:

علی بن یوسف	۱۱۰۶ء — ۱۱۴۳ء
تاشفین بن علی	۱۱۴۳ء — ۱۱۴۶ء
اسحاق بن علی	۱۱۴۶ء — ۱۱۴۷ء

ان کے عہد میں قرطبہ کے بجائے اشبیلیہ دار الحکومت رہا۔

موحدین | اس اثنا میں مراکش میں ایک اور قوت پیدا ہو گئی۔ یہ موحدین کی قوت تھی جنھوں نے شمالی افریقہ میں سب سے بڑی سلطنت قائم کی۔ ۱۰۷۸ء میں مراکش میں محمد ابن تومرت نام ایک شخص پیدا ہوا۔ یہ بڑا

نیک اور خدا پرست تھا۔ لوگ اس کے مُرید ہونے لگے اور اسے مہدی قرار دیا۔ یہ توحید پر بہت زور دیتا تھا۔ اس کے مرید اپنے آپ کو "موحدین" کہنے لگے۔ ابن تومرت کے رفیقوں میں سے ایک شخص عبد المومن تھا۔ وہ کمھار کا بیٹا تھا لیکن خدا نے اُسے سپہ سالاری اور ملکداری کے خاص جوہر عطا کیے تھے۔ ابن تومرت ۱۱۳۰ء میں فوت ہُوا اور اس نے عبدالمومن کو اپنا جانشین بنایا۔ عبد المومن نے موحدین کی جماعت کو لے کر ایک حکومت کی بنیاد رکھی۔ ۱۱۴۶ء میں مرابطیوں کو شکست دے کر اُن کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور مرابطیوں کا آخری حکمران اسحاق بن علی مارا گیا۔ اس کے ساتھ ہی عبد المومن مراکش اور اندلس دونوں کا مالک بن گیا۔ پھر اس نے الجزائر، ٹیونس اور طرابلس کو فتح کر لیا۔ ۱۱۶۳ء میں وہ فوت ہُوا۔

عبد المومن کے جانشین عبد المومن کے بعد اس کی اولاد میں سے گیارہ بارہ امیر یکے بعد دیگرے حکمران بنے۔ ان میں سے خاص طور پہ قابلِ ذکر عبد المومن کا پوتا ابو یوسف یعقوب المنصور ہے۔ جو ۱۱۸۴ء میں تخت نشین ہُوا اور ۱۱۹۹ء میں اس نے وفات پائی۔ اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی طلب پر ایک سو اسی جہاز صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجے تھے۔

موحدین بڑے پُر جوش مجاہد تھے۔ ان کی لڑائیاں عیسائیوں سے برابر جاری رہیں۔ ۱۲۱۲ء میں اُنھوں نے سخت شکست کھائی اور اندلس سے نکل جانے پر مجبور ہو گئے۔ پھر اندلس عیسائی امرا اور عرب امرا میں بٹ گیا۔ عرب امرا میں سے ممتاز درجہ بنو نصر نے حاصل کیا۔ جنھیں بنو احمر بھی کہتے ہیں۔ اُنھوں نے غرناطہ میں حکومت قائم کر لی۔ اندلس میں مسلمانوں کی یہ آخری بڑی حکومت تھی۔

چھٹا باب

حکومت غرناطہ

بنو نصر | اندلس کی نئی تقسیم میں عیسائیوں کی قوت بہت بڑھ گئی۔ انھوں نے ۱۲۳۶ء میں قرطبہ اور ۱۲۴۸ء میں اشبیلیہ پر قبضہ کرلیا اس اثنا میں غرناطہ میں بنو نصر کی حکومت قائم ہو چکی تھی جس کا بانی محمد ابن یوسف ابن نصر تھا۔ اس نے غالب باللہ کا لقب اختیار کیا اور ۱۲۳۲ء سے ۱۲۷۲ء تک حکمران رہا۔

محمد کے بعد اس خاندان میں سے پندرہ سولہ بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ عیسائی حکمرانوں کے ساتھ برابر جنگیں جاری رہیں: کبھی مسلمان فتح پاتے تھے، کبھی عیسائی کامیاب ہوتے تھے۔

جنگِ البیرہ | اس عہد کی جنگوں میں سے جنگ البیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ یہ جون ۱۳۱۹ء میں ہوئی تھی۔ عیسائیوں کی فوج کئی لاکھ آدمیوں پر مشتمل تھی، اسلامی فوج میں صرف چار ہزار پیادے اور ڈیڑھ ہزار سوار تھے۔ ابوالولید اسماعیل شاہِ غرناطہ اس فوج کا سپہ سالار تھا۔ جب جنگ ناگزیر ہو گئی تو شاہ نے اپنی فوج کے تین حصّے کیے۔ دو حصّے گھاٹ میں بٹھلائے، ایک حصّہ کو آگے بڑھایا۔ عیسائیوں نے تھوڑی سی فوج مقابلے پر دیکھی تو ٹوٹ پڑے۔ بادشاہ کی ہدایت کے مطابق مسلمان سالار اپنے آدمیوں کو پیچھے ہٹاتا گیا۔ جب عیسائی لشکر گھات میں بیٹھی ہوئی اسلامی فوج کی زد میں پہنچ گیا تو اسلامی فوج نے بجلی کی تیزی سے حملہ کیا اور اس مردانگی سے لڑی کہ پچاس ہزار عیسائی مارے گئے، پچاس ہزار جانیں بچاتے

بچاتے ندی نالوں میں ڈوبے ۔ بہت سے پکڑے گئے ۔ مقتولوں میں عیسائی فوج کا سردار پیڈرو بھی تھا ۔ اس کی ملکہ اور بچے گرفتار ہو گئے ۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے صرف تیرہ آدمی شہید ہوئے ۔

یوسف اور الغنی باللہ غرناطہ کے بادشاہوں میں سے ابوالحجاج یوسف اور محمد خامس الغنی باللہ اس وجہ سے قابلِ ذکر ہیں کہ اندلس کا مشہور مدبّر اور شہرہ آفاق ادیب و مورّخ لسان الدین خطیب اُنھیں کے عہد میں وزیر تھا اور علامہ ابنِ خلدون کو جب مراکش سے نکلنا پڑا ، تو اس نے الغنی باللہ ہی کے پاس غرناطہ میں پناہ لی تھی ۔ بلکہ شاہِ غرناطہ نے ابن خلدون کو سفیر بنا کر اشبیلیہ میں بھیجا تھا ۔ افسوس کہ بعد میں لسان الدین خطیب کے متعلق بد گمانی پیدا ہو گئی اور اُسے اندلس چھوڑنا پڑا ۔ مراکش میں یہ بزرگ بڑی بے دردی سے مارا گیا ۔

ابوالحسن آخری بادشاہوں میں سے ابوالحسن کا نام آزادی کے کسی سچے شیدائی کو فراموش نہیں ہو سکتا ۔ یہ سلطان ابن اسماعیل کا بیٹا تھا جو محمد یازدہم کے لقب سے مدت تک حکمران رہا ۔ ابوالحسن باپ کے زمانے میں لڑائیوں کا تجربہ حاصل کر چکا تھا اور غرناطہ کا سب سے نامور سپہ سالار مانا جاتا تھا ۔ سنہ ۱۴۶۱ء میں تخت نشین ہوتے ہی اس نے قسطلہ* کے عیسائی حاکم کو خراج دینے سے انکار کر دیا اور طلب خراج کے جواب میں کہا کہ غرناطہ کی ٹکسال میں اب سونے کی اشرفیاں نہیں بنتیں ، فولاد کی تلواریں بنتی ہیں ۔ ساتھ ہی قسطلہ کے علاقے پر ہلہ بول دیا ۔ سخت لڑائیاں ہوتی رہیں ، جن میں ابوالحسن بڑی مردانگی سے لڑا اور کئی فتوحات حاصل کیں ۔

اس کی دو بیویاں تھیں : ایک اس کے چچا کی لڑکی عائشہ تھی ، دوسری ایک عیسائی عورت تھی ۔ عائشہ کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ ابوالحسن

* CASTILE قسطلہ

عیسائی بیوی کے بچوں کو بہت چاہتا ہے۔ کہیں میرے بچوں کے حقوق زائل نہ کر دے۔ ایک مرتبہ جب ابوالحسن لڑائی پر گیا تو عائشہ نے اپنے بیٹے ابوعبداللہ کو بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ ۱۴۸۲ء میں ابوعبداللہ محمد نے غرناطہ اور آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور جو سلطنت موت وحیات کی کشمکش میں ایڑیاں رگڑ رہی تھی وہ باہمی اختلافات اور خانہ جنگی کی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئی۔

ابوعبداللہ محمد نے غرناطہ میں اپنی حکومت کا نقشہ درست کرتے ہی باپ کی طرح قسطلہ کے شہر لوسینہ (عربی لوشہ) پر حملہ کر دیا۔ وہاں شکست کھائی اور فرڈی نینڈ شاہِ قسطلہ کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔ ابوالحسن پھر غرناطہ کا سلطان بن گیا۔ ۱۴۸۵ء میں اس پر فالج گرا جس میں وہ اندھا ہو گیا۔ مجبور ہو کر اس نے تاج وتخت چھوڑ دیا اور اپنے بھائی محمد الزغل[۱] کو بادشاہ بنا دیا۔

فرڈی نینڈ کی چال فرڈی نینڈ شاہِ قسطلہ کی شادی ازابیلا[۲] شہزادی ارغون[۳] سے ہو گئی تھی۔ اس شادی نے دونوں ریاستوں کی قوت جمع کر دی اور دونوں میاں بیوی بڑھ بڑھ کر اسلامی علاقوں پر حملے کرنے لگے۔ اس اثنا میں فرڈی نینڈ کو ایک نئی چال سوجھی، اس نے شہزادہ ابوعبداللہ محمد کو قید سے رہا کیا اور کہا کہ غرناطہ کی سلطنت کے مالک تم ہو۔ تمہارا چچا زغل ناحق اس کا مالک بن گیا ہے۔ مجھ سے فوج لو اور اپنی سلطنت پر قابض ہو جاؤ۔

ابوعبداللہ محمد نے سمجھا کہ فرڈی نینڈ واقعی اس کا ہمدرد اور دوست ہے۔ حالانکہ اس کی غرض یہ تھی کہ چچا بھتیجا آپس میں لڑنے لگیں۔ غرناطہ کی قوت تباہ ہو جائے تاکہ آسانی سے سلطنت پر قبضہ کیا جا سکے۔

---

۱ زغل کے معنی ہیں جوانمرد ÷ ۲ ISABELLA ÷ ۳ ARAGON ÷

زغل کی دست برداری | ابو عبداللہ محمد قسطلہ کی فوج اور روپے کے بل پر حملہ آور ہوا اور غرناطہ پر قابض ہو گیا۔ زغل غرناطہ کو چھوڑ کر مالقہ[1] چلا گیا اس اثنا میں فرڈی نینڈ بھی پیش قدمی کرتا رہا۔ زغل کے لیے دو مصیبتیں تھیں۔ ایک طرف وہ بھتیجے سے لڑتا تھا دوسری طرف فرڈی نینڈ کا مقابلہ کرتا تھا۔ مجبور ہو کر اس نے مراکش کے حکمرانوں سے مدد مانگی ان میں سے بھی کسی نے توجہ نہ کی، تو زغل اندلس سے نکل کر الجزائر چلا گیا۔ وہاں آخری زندگی بڑی تنگی میں گزاری۔ کہتے ہیں کہ اس نے ایک پٹہ سا بنوا لیا تھا۔ اس پر یہ لفظ کڑھے ہوئے تھے: "اندلس کا آخری اور بے بس سلطان" بس یہ پٹہ گلے میں ڈال کر بازاروں میں پھر جاتا۔ لوگ جو کچھ دیتے اسی پر گزر کرتا۔

فرڈی نینڈ اپنے اصلی رنگ میں | زغل کا کانٹا بیچ سے نکل گیا تو فرڈی نینڈ نے ابو عبداللہ محمد پر توجہ کی۔ ۱۴۹۰ء میں حکم بھیجا کہ غرناطہ کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس وقت ابو عبداللہ کی آنکھیں کھلیں، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ شہر میں جو غیور لوگ موجود تھے، انھوں نے تلوار اٹھائی۔ ابو عبداللہ نے بھی مقابلے کی ٹھان لی۔ فرڈی نینڈ لشکر لے کر پہنچ گیا اور غرناطہ کے ارد گرد دُور دُور تک ساری فصلیں تباہ کر ڈالیں تاکہ مسلمان رسد نہ حاصل کر سکیں۔

غرناطہ | غرناطہ کا محاصرہ دیر تک جاری رہا۔ مسلمانوں نے ترکی اور افریقہ دونوں جگہ کے حکمرانوں سے امداد کی التجائیں کیں، لیکن کسی کے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔ آخر ابو عبداللہ نے ایک معاہدہ کر لیا۔ جس کی بہت سی شرطیں تھیں۔ خاص شرطیں یہ تھیں کہ مسلمانوں کی جانیں اور مال محفوظ رہیں گے اور وہ اپنے مذہبی شعائر کی پابندی میں بالکل آزاد ہوں گے۔

---

[1] MALAGA

ابوعبداللہ کے لیے ایک جاگیر کا وعدہ بھی کر لیا گیا تھا۔ اس معاہدہ کے بعد ۲ جنوری ۱۴۹۲ء کو قسطلہ اور ارغون کی فوجیں غرناطہ میں داخل ہوئیں اور قلعے کے برج پر سے اندلسی جھنڈا اتار کر اس کی جگہ قسطلہ اور ارغون کا جھنڈا لگا دیا گیا۔

ابوعبداللہ نے غرناطہ سے جاتے جاتے ایک ٹیلے پر چڑھ کر شہر پر نظر ڈالی، تو اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ اس کی والدہ عائشہ ساتھ تھی۔ وہ اس منظر کی تاب نہ لا سکی اور بولی: "جس شہر کو مردوں کی طرح لڑ کر بچا نہ سکے، اس پر عورتوں کی طرح آنسو بہانے سے کیا بن سکتا ہے" ہسپانوی اس مقام کو آج تک "مسلمان کی آخری آہِ حسرت" کہتے ہیں

عہد شکنی ابوعبداللہ پہلے اپنی جاگیر میں ٹھہرا رہا، پھر اندلس سے نکل کر فاس (مراکش) چلا گیا اور زندگی کے باقی ایام وہیں گزار دیے۔

فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے ابوعبداللہ کے ساتھ جو عہد نامہ کیا تھا، اسے چند ہی برس بعد بڑی بے دردی سے توڑ ڈالا۔ ملکہ ازابیلا کے پادری نے ۱۴۹۹ء میں مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنانے کی مہم شروع کر دی۔ جو انکار کرتا اُسے قتل کر دیا جاتا۔ اس بارے میں تفصیل کی ضرورت نہیں، لیکن مندرجہ ذیل نقشے سے ہسپانیہ کے عیسائی بادشاہوں کے تعصّب اور سنگدلی کا اندازہ ہو سکتا ہے:

(۱) اسلام کے متعلق عربی میں جتنی کتابیں تھیں اُنھیں بازاروں میں رکھ کر جلا دیا گیا۔ اس طرح مسلمانوں کی ساری علمی دولت نذرِ آتش ہو گئی۔

(۲) ۱۵۰۱ء میں قسطلہ اور لیون میں جتنے مسلمان رہتے تھے انھیں حکم دیا کہ عیسائی بن جائیں یا ہسپانیہ سے نکل جائیں۔ ۱۵۲۶ء میں یہی حکم ارغون کے مسلمانوں کو دیا گیا۔

(۳) ۱۵۵۶ء میں ہسپانیہ کے بادشاہ فلپ ثانی نے ایک فرمان جاری کیا کہ مسلمان نہ محض مذہب چھوڑ دیں بلکہ اپنی زبان، تمدن اور طریق عبادت سے بھی فی الفور دست بردار ہو جائیں، ورنہ سخت سزا پائیں گے۔

(۴) مسلمانوں نے اپنے زمانے میں بے شمار حمام بنائے تھے۔ اس وقت یورپ کے عام لوگوں کی حالت یہ تھی کہ وہ نہانا گناہ سمجھتے تھے۔ اور اس شخص کو بہت نیک مانا جاتا جو عمر بھر بدن کو پانی سے بچائے رکھتا تھا۔ فلپ نے حکم دے دیا کہ سارے حمام مسمار کر دیے جائیں اس لیے کہ یہ اسلامی عہد کی یادگار ہیں۔

حاکموں سے مقابلہ مسلمان اگرچہ میدانِ جنگ میں ہار گئے تھے لیکن وہ غیرت مند تھے۔ مسیحی بادشاہوں کے ان حکموں کا وقتاً فوقتاً مقابلہ کرتے رہے۔ ۱۵۶۸ء میں اُنھوں نے منظم مقابلے کی تیاری کر لی۔ یہ ان کا آخری اقدام تھا لیکن ایک وسیع حکومت کے مقابلے میں بے دست و پا شہری کیا کر سکتے تھے۔ بہت سے قتل ہوئے۔ بہت سے ملک چھوڑ کر افریقہ چلے گئے۔ ۱۶۰۹ء میں فلپ ثالث نے حکم دے دیا کہ اندلس میں جو مسلمان اِدھر اُدھر رہ گئے ہیں، انھیں زبردستی ملک سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ پانچ لاکھ مسلمانوں کو اس حکم کے مطابق جلا وطن کیا گیا۔ یہی لوگ تھے جنھوں نے باہر نکل کر خیر الدین باربروسا اور اس کے قابل معاونوں کے ماتحت ملازمتیں کیں، مدت تک بحیرہ روم میں مسیحی جہازوں اور جزیروں پر چھاپے مارتے رہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ۱۴۹۲ء سے ۱۶۱۰ء تک ایک سو اٹھارہ برس کی مدت میں تیس لاکھ مسلمان مارے گئے یا جلا وطن ہوئے۔ ان کے مال و ثروت اور علمی دولت کے نقصان کا تخمینہ محال ہے۔

ساتواں باب

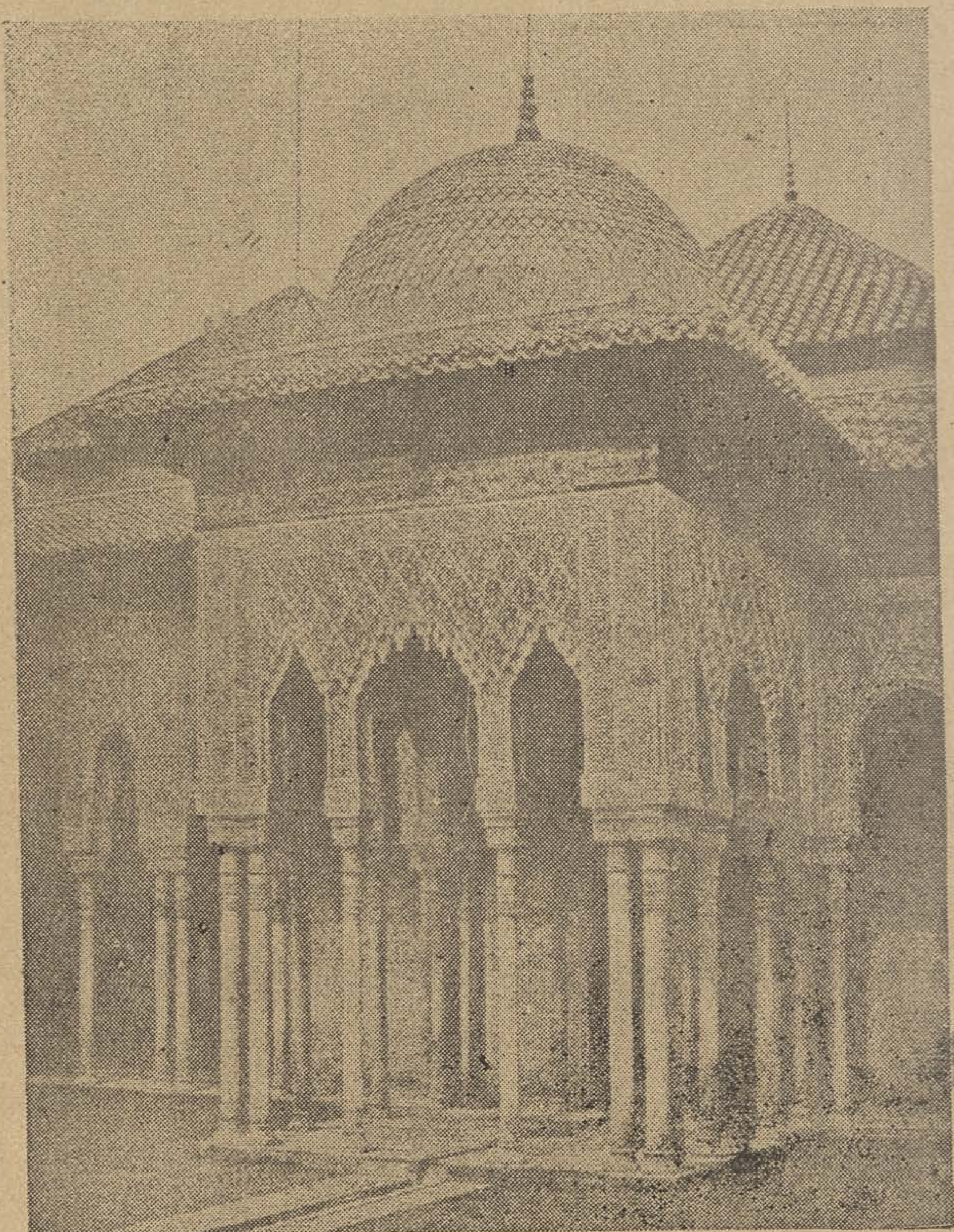
اُندلس کا اِسلامی عہد

جہالت کی تاریکی ایک انگریز مورخ اندلس کے اسلامی عہد پر تبصرہ کرتا ہُوا لکھتا ہے:

مسلمانوں کو جلا وطن کر دیا گیا۔ مسیحی ہسپانیہ تھوڑی مدت کے لیے چاند کی طرح مستعار روشنی لے کر چمکتا رہا۔ پھر یہ روشنی زائل ہو گئی۔ اس وقت سے ہسپانیہ تاریکی میں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔"

مسلمانوں نے ملک کی ہمہ گیر ترقی کے جو سامان پونے آٹھ سو برس میں پیدا کیے تھے وہ ان کے بعد بھی باقی رہے۔ لیکن کوئی ان کی دیکھ بھال کرنے والا نہ تھا۔ اس لیے سب ایک ایک کر کے برباد ہو گئے۔ اکثر چیزیں اہلِ ہسپانیہ نے اس خیال سے تباہ کر دیں کہ وہ مسلمانوں نے پیدا کی تھیں۔ نہ وہ علم باقی رہا، نہ زراعت و تجارت رہی نہ صنعت و حرفت رہی، نہ وہ شان تہذیب و تمدن رہی۔ یہ سب چیزیں مٹ گئیں۔ ہسپانیہ اَب تک کفرانِ نعمت کی سزا بھگت رہا ہے اور خدا جانے کب تک بھگتے گا۔

الحمرا ہم قرطبہ کی عام حالت اور اس کی مایۂ ناز عمارتوں کا سرسری خاکہ عبد الرحمٰن الناصر اور منصور حاجب کے حالات بیان کرتے ہوئے پیش کر چکے ہیں لیکن اندلس کا کون سا شہر تھا جس میں نادر عمارتیں نہیں بنی تھیں یا نادر صنعتیں جاری نہیں ہوئی تھیں۔ اشبیلیہ طلیطلہ



الحمرا کا ایک گوشہ

سرقسطہ ۔ مالقہ ہیسیوں شہر تھے، جہاں مسلمانوں نے علوم و فنون اور تعمیرات کے کمالات دکھائے ۔ ان سب کے حالات اس مختصر سے خلاکے میں سمائے نہیں جا سکتے، لیکن غرناطہ کے قصر الحمرا کی کیفیت پیش کر دینا ضروری ہے ۔ یہ بھی اب تک موجود ہے، اگرچہ اس کی پہلی شان باقی نہیں رہی۔

اس عمارت کی بنیاد بنو نصر کے پہلے حکمران نے رکھی تھی۔ لیکن اس کی تکمیل بعد میں ہوئی ۔ایک پہاڑی پر ساٹھ ایکڑ زمین میں ایک قلعہ بنایا گیا۔ اس کے نو دروازے اور اکیس بُرج تھے ۔ پھر اس میں حرم سرائے سلطانی کے علاوہ کئی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ ان میں جو باریک کام ہُوا تھا وہ آج بھی دیکھنے والوں کے لیے حیرت کا سامان ہے ۔ باریک نقش و نگار میں جابجا لکھا ہُوا ہے: ولا غالب اِلَّا اللّٰہ (اور اللہ کے سوا کسی کے لیے غلبہ نہیں) یہ الحمرا تھا ۔اس کے ساتھ نہایت خوبصورت باغ تھا جس کی سیرابی کے لیے پانچ میل سے نہر لائی گئی تھی۔

ایک فرنگی مورّخ نے لکھا ہے کہ جب مجھے بتایا گیا کہ سارا کام چونے اور گچ کا ہے تو یقین نہ آیا اس لیے کہ صاف پتھر معلوم ہوتا تھا ۔ ایک ٹکڑا توڑ کر اس کا کیمیاوی تجربہ کرایا گیا تو حقیقت کا اقرار کرنا پڑا۔

اندلس کی رونق

مسلمانوں کے زمانے میں اندلس کی رونق کمال پر پہنچ گئی ۔ آٹھ صدیوں تک یورپ کی تاریکی میں تہذیب کی روشنی کا یہ واحد چراغ تھا ۔اندلس ہی کی درسگاہوں میں یورپ کے شائقین علم اپنا شوق پورا کرتے تھے ۔بغداد کے علاوہ اندلس ہی تھا جس نے یونانیوں کے مردہ علوم کو قبروں سے نکالا اور اُنھیں نئی زندگی بخشی۔ تجارت، صنعت و حرفت، زراعت، جہاز سازی، اسلحہ سازی غرض کونسا

فن تھا جس کی داغ بیل یورپ میں اندلسیوں کی کوشش سے نہ پڑی۔ ادیبوں، شاعروں، کاریگروں، طبیبوں، جراحوں، فلاسفروں۔ مورخوں مفسروں اور محدّثوں کے نام درج کیے جائیں۔ تو ایک دفتر بن جائے۔ ان کی قیمتی کتابیں تباہ ہو گئیں، جو باقی بچیں وہ آج ہر شخص کے دل میں حسرت پیدا کر رہی ہیں کہ کاش ایسے مصنّفوں کی باقی چیزیں بھی مل جاتیں

اندلس پر عربوں کے احسانات عرب جب اندلس پہنچے تو عام آبادی سخت مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا تھی۔ عربوں نے پہنچتے ہی اتنا اچھا انتظام کر دیا کہ سب لوگ اطمینان کی زندگیاں بسر کرنے لگے۔ پونے آٹھ سو برس کی یکجائی نے اندلس کے ذرّے ذرّے پر اپنے اثرات کی مہر لگا دی۔ وہاں کے باشندوں کی بول چال، بود و ماند زبان، موسیقی، خور و نوش غرض تمام چیزوں میں عربوں کے اثرات کا نقشہ آج بھی نمایاں ہے۔ اگرچہ ہسپانیہ کے بادشاہ اور پادری سوا سو سال تک ان اثرات کو کھُرچ کھُرچ کر مٹاتے رہے۔ مسلمانوں کے آثار کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ لیکن اسکوریال کے کتب خانے کا ذکر یہاں ضروری ہے۔

اسکوریال ہم بتا چکے ہیں کہ عربی علوم کی مایۂ ناز کتابیں بڑی بیدردی سے جلا دی گئی تھیں۔ ان کی جلدوں پر جو سنہری کام ہُوا تھا، اس کے لالچ میں اہلِ ہسپانیہ میں سے کئی لوگوں نے جلتی آگ سے صرف جلدیں نکال لیں۔ اس واقعہ پر مدت گزر گئی۔ پھر مراکش کے ایک خوش ذوق بادشاہ نے شام سے کتابوں کے تین جہاز منگائے۔ وہ جہاز لٹیروں کے قبضے میں آ گئے۔ ان میں سے بہت سی کتابیں تباہ ہو گئیں۔ جو باقی بچیں اُنھیں میڈرڈ سے پچیس میل پر اسکوریال نام کے ایک محل میں رکھ دیا گیا۔ ۱۶۷۱ء میں اُن میں اتفاقیہ آگ لگ گئی اور تین چوتھائی

کتابیں جل گئیں۔ صرف ایک ہزار آٹھ سو پچاس کتابیں بچیں۔ وہ اب تک موجود ہیں۔ لیکن نہایت بیش بہا ہیں۔ انھیں کتابوں کے باعث اسکوریال کا کتب خانہ اہلِ علم کے نزدیک نہایت قیمتی ہے۔

ایک عجیب بات سُن لو۔ گاتھ قوم یا اہلِ ہسپانیہ کی جتنی کتابیں اور جتنے آثار تھے، وہ مسلمانوں نے بالکل محفوظ رکھے اور صرف مسلمانوں کی بدولت وہ اہلِ ہسپانیہ کو ملے لیکن خود مسلمانوں کے علمی خزانوں کو اہلِ ہسپانیہ نے جوشِ تعصب میں بے دردی سے تباہ کر دیا۔

اشاعت علوم علوم کے سلسلے میں اتنا اور کہہ دینا چاہیے کہ ان میں ترقی کا ایک بہت بڑا ذریعہ یہ تھا کہ کاغذ بہ کثرت بننے لگا تھا۔ اندلس والوں نے کاغذ کی صنعت کو بھی بڑی ترقی دے دی تھی۔ وہاں بھی ہر علم کے بے شمار عالم پیدا ہوئے اور دوسرے اسلامی ملکوں کی کتابیں بھی بہ کثرت اندلس پہنچیں۔ اندلس ہی کے ذریعہ سے مشرقی علوم کے یہ ذخیرے یورپ پہنچے۔ یہاں تک کہ آج یورپی عالم بھی مانتے ہیں کہ اندلس کے جغرافیہ دان ہی زمین کے گول ہونے پر زور دیتے رہے۔ اُنھیں کی کتابوں سے نئی دُنیا کی دریافت کا راستہ کھلا، بلکہ اندلس کے لوگ کولمبس سے بہت پہلے امریکہ جانے آنے لگے تھے، اگرچہ اُنھوں نے اس دریافت کا راز کسی کو نہ بتایا۔ کولمبس بھی اندلسی ملاحوں کی رہنمائی میں امریکہ پہنچا تھا۔

آٹھواں باب

صقلیہ میں اسلامی حکومت

۸۲۷ء ــــــ ۱۰۵۲ء

بحیرہ روم کے جزیرے | صقلیہ (سسلی) بحیرہ روم کے وسط میں بہت بڑا جزیرہ ہے، جسے صرف دو میل چوڑی آبنائے اٹلی سے الگ کرتی ہے۔ رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کی جنگوں کا آغاز رسولِ پاکؐ ہی کے عہدِ مبارک میں ہوگیا تھا اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ رومی صقلیہ اور دوسرے جزیروں پر قابض تھے۔ وہ اپنی بحری قوت کے گھمنڈ میں بار بار مسلمانوں سے ٹکراتے رہے۔ مسلمانوں نے بھی جلد بحری قوت پیدا کرلی اور قدم قدم پر رومیوں کو شکست دے کر جزیروں پر اپنا جھنڈا لہراتے رہے۔ صقلیہ کے رومی گورنروں نے بار بار افریقی ساحل پر یورشیں کیں۔ اُن کے جواب میں مسلمانوں نے مختلف اوقات میں کم و بیش تیرہ مرتبہ صقلیہ پر دھاوے بولے۔ ایک مرتبہ وہ صقلیہ کے مشہور شہر سیراکیوز[1] پر قابض بھی ہوگئے۔ پھر افریقہ میں بغاوت کے شعلے بھڑکے اور مسلمانوں کو سیراکیوز چھوڑنا پڑا۔

رومیوں کے خلاف بغاوت | بیچ میں ایک مرتبہ صقلیہ کے رومی گورنر نے صلح بھی کرلی تھی۔ لیکن موقع پاتے ہی اچانک جنگ شروع کردی۔ مسلمان ابھی اس عہد شکنی کی سزا دینے کا فیصلہ نہیں کرنے پائے تھے کہ صقلیہ میں رومیوں کے خلاف بغاوت ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ

[1] SYRACUSE

رومیوں کی طرف سے جو امیر البحر مسلمانوں پر حملوں میں ناموری حاصل کرچکا تھا اس نے ایک مسیحی خانقاہ کی بے حرمتی کی یہ رپورٹ قیصر کے پاس پہنچی تو اس نے حکم دے دیا کہ امیر البحر کو قتل کر دیا جائے یا اس کی زبان کاٹ لی جائے ۔ امیر البحر کو یہ خبر ملی تو اس نے بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا ۔ جب یہ خیال ہُوا کہ قیصر بھاری فوج مقابلے پر بھیج دیگا تو وہ صقلیہ سے نکل کر قیروان پہنچا اور وہاں کے اغلبی حکمران زیادۃ اللہ سے صقلیہ پر حملے کی درخواست کی ۔

اسلامی فوج صقلیہ میں | اغلبیوں کی حکومت افریقیہ میں ۸۰۰ء میں قائم ہوئی تھی ۔ قیروان اُن کا دارالحکومت تھا ۔ زیادۃ اللہ اغلبی خاندان کا تیسرا حکمران تھا ۔ اس نے دس ہزار فوج تیار کی اور ستر جہازوں میں سوار کرا کے اُسے صقلیہ بھیج دیا ۔ قاضی اسدؒ بن فرات کو سالار مقرر کیا ، جو بڑے فاضل ، متقی اور بہادر بزرگ تھے اور تمام حلقوں میں ہر دلعزیز تھے ۔ اس فوج کے ساتھ صرف سات سو گھوڑے تھے ۔ سیراکیوز صقلیہ کے مشرق میں تھا ۔ مسلمان پہلے اسی کو فتح صقلیہ کی کنجی سمجھتے رہے اور ان کے تمام حملوں کا مرکز سیراکیوز ہی رہا ۔ لیکن قاضی اسد بن فرات نے اپنی فوج صقلیہ کے جنوبی و مغربی گوشے میں مازرؔ نام مقام پر اتاری اور یہاں سے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا ۔

قاضی اسد ابتدائی فتوحات کے بعد ایک وبا میں فوت ہو گئے لیکن فتوحات کا سلسلہ جاری رہا ۔ نئی فوجیں آتی رہیں ۔ رومیوں نے بار بار

ؔ نپولین کا خاندانی نام بونا پارٹ تھا ۔ یہ معلوم ہے کہ یہ خاندان اٹلی سے کارسیکا گیا تھا ۔ چند لوگوں کی رائے ہے کہ نپولین عربی نسل سے تھا ۔ وہ اسے قاضی ابن فرات کی اولاد قرار دیتے ہیں ۔ ان کے نزدیک بونا پارٹ ابنِ فرات کا بگاڑ ہے ۔

(۲) MAZARA *

کمک منگا منگا کر جوابی حملے کیے، لیکن مسلمانوں نے آہستہ آہستہ پیشقدمی جاری رکھی۔ ۸۳۱ء میں پلرمو فتح ہوا۔ پھر مسینا پر قبضہ ہوگیا۔ ۸۷۸ء میں سیراکیوز بھی لے لیا گیا۔ جو صقلیہ کا نہایت مستحکم مقام تھا۔

مسلمان اٹلی میں | اسلامی حکومت تو ابتدائی فتوحات کے ساتھ ہی قائم ہوگئی تھی، لیکن پورے جزیرے کو اسلامی جھنڈے تلے لانے میں خاصا وقت لگ گیا۔ مسینا[۱] فتح ہوگیا، تو سامنے اٹلی تھا۔ صقلیہ اور اٹلی کے درمیان صرف دو میل چوڑا سمندر تھا۔ مسلمان ایک ہی جست میں اٹلی پہنچ گئے۔ بحیرہ ایڈریاٹک میں اُنھوں نے باری کی بندرگاہ پر قبضہ کرلیا۔ وینس بھی پہنچے۔ ایک مرتبہ روما بھی خطرے میں پڑگیا تھا اور پوپ جان ہشتم (۸۷۲ء۔ ۸۸۲ء) نے دو سال کا خراج دے کر امان نامہ حاصل کیا۔ سوستان (سوئٹزرلینڈ) میں بھی کئی قلعے ہیں، جن کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب وہاں بھی پہنچے تھے۔ مالٹا بھی ان کے قبضے میں آگیا۔

حکمرانی کی کہانی | ۹۰۹ء تک صقلیہ پر اغلبی حکمران رہے۔ پھر فاطمیوں کا تسلط ہوگیا۔ ۹۱۲ء میں وہاں ایک آزاد اسلامی حکومت بن گئی۔ اُسے فاطمیوں نے ۹۱۵ء میں بزور ختم کردیا، اور ۹۴۷ء تک حکمران رہے۔ پھر اُن کے ایک گورنر نے مستقل حکومت بنالی۔ جو ۱۰۳۹ء تک جاری رہی اس کے بعد طوائف الملوکی شروع ہوگئی۔ ۱۰۵۲ء میں نارمن وہاں پہنچ گئے۔ ۱۰۶۰ء میں نارمن امیر کونٹ راجر نے مسینا پر قبضہ کرلیا۔ پھر ان کا حلقۂ اثر بڑھتا رہا یہاں تک کہ وہ صقلیہ کے مالک بن گئے۔ ۱۰۹۰ء میں مالٹا بھی اُنھیں کے قبضے میں چلا گیا اور مسلمانوں کی حکومت بالکل ختم ہوگئی۔

نارمنوں نے ابتدا میں اسلامی نظامِ حکومت کو قائم رکھا۔ مسلمانوں کو

۱؎ MESSINA.

پوری مذہبی آزادی حاصل رہی۔ فوج میں زیادہ بڑا عنصر انھیں کا تھا۔ تجارت بھی ان کے ہاتھ میں تھی۔ یہی زمانہ ہے جس میں صقلیہ کے اندر مشترکہ مسیحی اور اسلامی کلچر بنا۔ مسلمانوں کے ساتھ نارمنوں کے حسن سلوک کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ زراعت اور صنعت و حرفت میں ان کی مدد کے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا۔ اس عہد میں اسلامی تمدن اس قدر ترقی کر چکا تھا کہ بارھویں صدی کے آخری حصے میں مشہور سیاح ابن جبیر صقلیہ گیا تو اس نے لکھا کہ مسیحی عورتیں بھی اسلامی لباس پہنتی ہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ پوپ اور پادریوں کے زیر اثر مسلمانوں پر سخت ظلم ہونے لگے یہاں تک کہ ۱۳۰۰ء میں صقلیہ سے مسلمانوں کو بالکل خارج کر دیا گیا۔

اسلامی حکومت کے اثرات اسلامی حکومت کے زمانے میں صقلیہ علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ زراعت اور صنعت و حرفت کمال پر پہنچ گئی تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، ادب اور شعر کے بڑے بڑے عالم پیدا ہوئے۔ اندلس اسلامی اور مشرقی علوم و فنون کو یورپ پہنچانے کا پہلا ذریعہ تھا۔ صقلیہ دوسرا ذریعہ تھا۔ انھیں ذریعوں سے اہل یورپ کو تہذیب و تمدن کی روشنی ملی۔ جس نے انھیں منزلِ کمال پر پہنچایا۔ اگرچہ یہ کمال اہلِ یورپ کے مادی رجحانات کے باعث مادیات سے آگے نہ بڑھا۔

نواں باب

تاتاری اور تیموری

ایل خانی سلطنت

ہلاکو نے فتح بغداد کے بعد مراغہ کو اپنا پایۂ تخت بنایا تھا جو آذربائیجان میں ہے۔ اس نے جس سلطنت کی بنیاد رکھی اُسے تاریخ میں "ایل خانی" کہتے ہیں۔ ایل خانی کا مطلب ہے ماتحت یا صوبجاتی حکومت۔ چونکہ تاتاریوں کی مرکزی حکومت منگولیا میں تھی اور اس کے حکمرانوں کو خاقان، یعنی، خانِ اعظم کہتے تھے، اس لیے ہلاکو کی بنائی ہوئی سلطنت کے حکمران کو "ایلِ خان"، یعنی، ایک حصّے کا خان یا ماتحت خان کہنے لگے۔

ہلاکو ۱۲۵۶ء میں مرا تو اس کا بیٹا اباقا خاں ایل خانی سلطنت کا مالک بن گیا۔ ہلاکو نے اپنی زندگی میں قیصر روم کی بیٹی سے شادی کا بندوبست کیا تھا۔ شہزادی مراغہ پہنچی، تو ہلاکو مر چکا تھا۔ اباقا خاں نے خود شہزادی سے شادی کر لی۔ قیصر روم اور دوسرے مسیحی حکمرانوں سے اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ ۱۲۸۱ء میں وہ فوت ہوا۔

نکودار، ارغون اور غازان

اباقا خاں کے بعد اس کا بھائی نکودار تخت پر بیٹھا۔ وہ نیک دل آدمی تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد مسلمان ہو گیا۔ احمد خاں اپنا نام رکھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے حکم دے دیا تھا کہ میری سلطنت میں جتنے گرجا ہیں، ڈھا دیے جائیں۔ اس پر عیسائی بہت بگڑے۔ تاتاری نکودار کے اسلام لانے کے باعث پہلے ہی بگڑے ہوئے تھے۔ دونوں گروہوں نے مل کر سازش کی اور نکودار کو ۱۲۸۴ء میں شہید کر ڈالا۔

شجرہ امویانِ اندلس

ہشام بن عبدالملک خلیفہ دمشق

معاویہ

(۱) عبدالرحمٰن اوّل
(۷۵۶ء – ۷۸۸ء)

(۲) ہشام
(۷۸۸ء – ۷۹۶ء)

(۳) حکم اوّل
(۷۹۶ء – ۸۲۲ء)

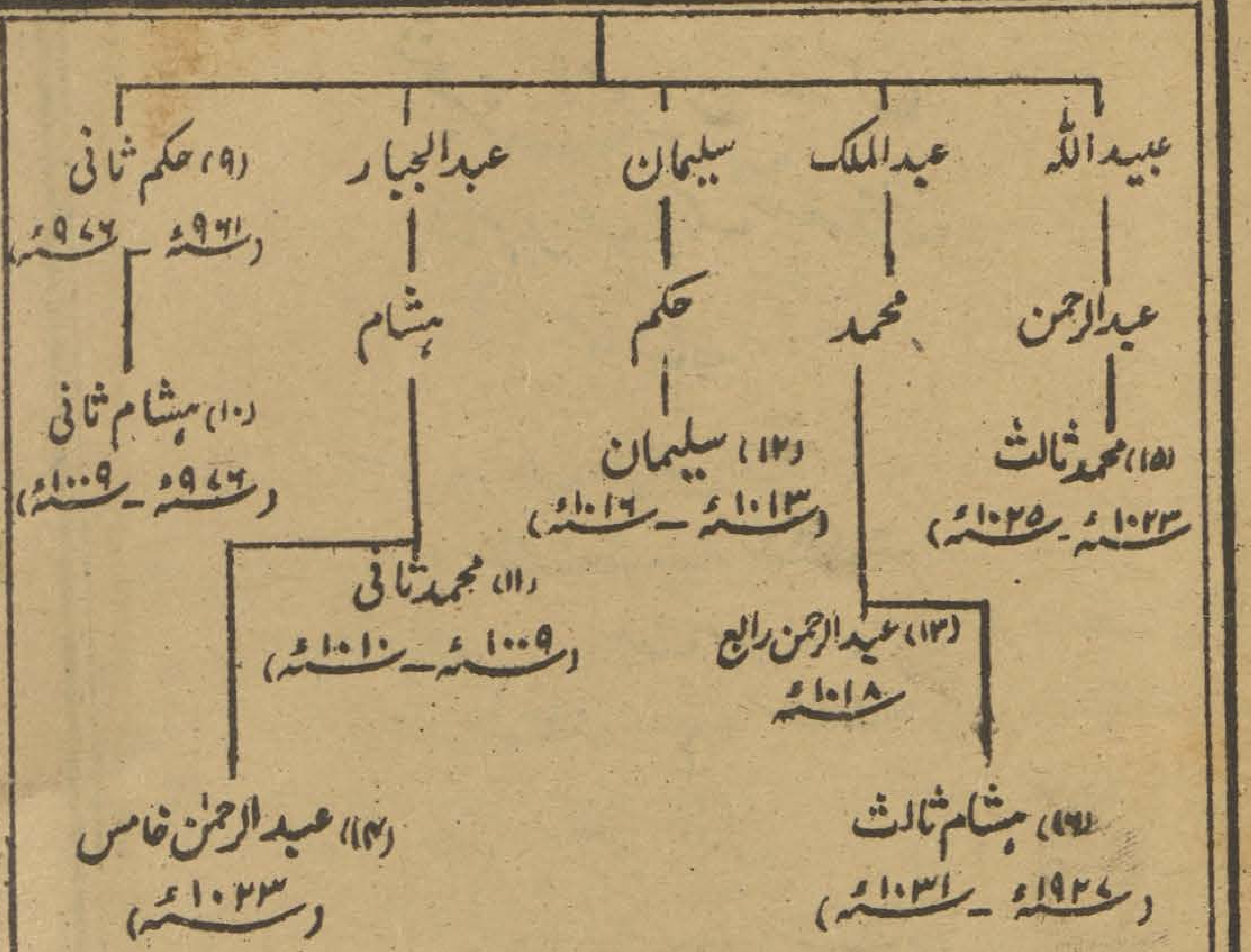
(۴) عبدالرحمٰن ثانی
(۸۲۲ء – ۸۵۲ء)

(۵) محمد اوّل
(۸۵۲ء – ۸۸۶ء)

(۶) منذر
۸۸۶ء – ۸۸۸ء

(۷) عبداللہ
۸۸۸ء – ۹۱۲ء

عبدالرحمٰن ثالث



نوٹ:

(۱) خاندان میں سے جو لوگ مسند نشین ہوئے ان کے ناموں کے ساتھ نمبر لگے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ ایک دفعہ معزول ہو کر دوبارہ مسند پر بیٹھے مثلاً سلیمان یہاں ان کی مسند نشینی کی صرف ایک تاریخ دی گئی ہے۔

(۲) عبدالرحمن ثالث صرف امیر یا بادشاہ نہ رہا۔ بلکہ اس نے خلافت کا اعلان بھی کر دیا اور الناصر الدین اللہ لقب اختیار کیا۔

(۳) عبدالرحمن ثالث کے بعد حکم ثانی کے زمانے تک حالات اچھے رہے۔ پھر حکومت پر زوال آگیا۔ بعد کے امیروں میں سے کوئی بھی چنداں قابلِ ذکر نہیں۔ اس دور میں محمد بن ابی عامر المنصور نے مختار سلطنت کی حیثیت میں جو کارنامے انجام دیے وہ اندلس کی اسلامی تاریخ کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔

پھر اباقا کا بیٹا ارغون بادشاہ ہوا - یہ بڑا سخت اور جابر آدمی تھا - اس نے یورپی حکمرانوں کے پاس قاصد بھیج بھیج کر انھیں نئی صلیبی جنگ کے لیے تیار کیا - ۱۲۹۵ء میں ارغون کے بیٹے غازان محمود نے تاج شاہی سر پر رکھا - ایل خانیوں میں اسے سب سے بڑا سلطان مانا جاتا ہے - تاتاری شام پر حملے کرتے رہتے تھے - غازان نے ایک موقع پر دمشق کو بھی فتح کرلیا - پھر مرج الصفّر کے مقام پر فاش شکست کھائی - اس کے بعد تاتاریوں نے کبھی شام کا رُخ نہ کیا - غازان مسلمان ہوگیا تھا لیکن کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے مقابلے میں مسیحی حکمرانوں کے ساتھ اس کے تعلقات بہت زیادہ گہرے اور دوستانہ تھے -

مرج الصفّر کی جنگ کے لیے مسلمانوں کو دعوتِ عام دینے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ بہت پیش پیش تھے اور خود بھی ایک غازی کی حیثیت میں شریک جنگ ہوئے تھے -

ایل خانیوں کا آخری دور

غازان ۱۳۰۳ء میں فوت ہوا تو اس کا بھائی الجائتو تخت پر بیٹھا - یہ بھی مسلمان تھا - خدابندہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے - الجائتو ۱۳۱۶ء تک حکمران رہا - پھر اس کا بیٹا ابو سعید بادشاہ بنا - اسی پر ۱۳۳۵ء میں ایل خانی سلطنت ختم ہوگئی - اور اس کی جگہ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن گئیں - ان ریاستوں کو امیر تیمور نے ختم کیا -

امیر تیمور

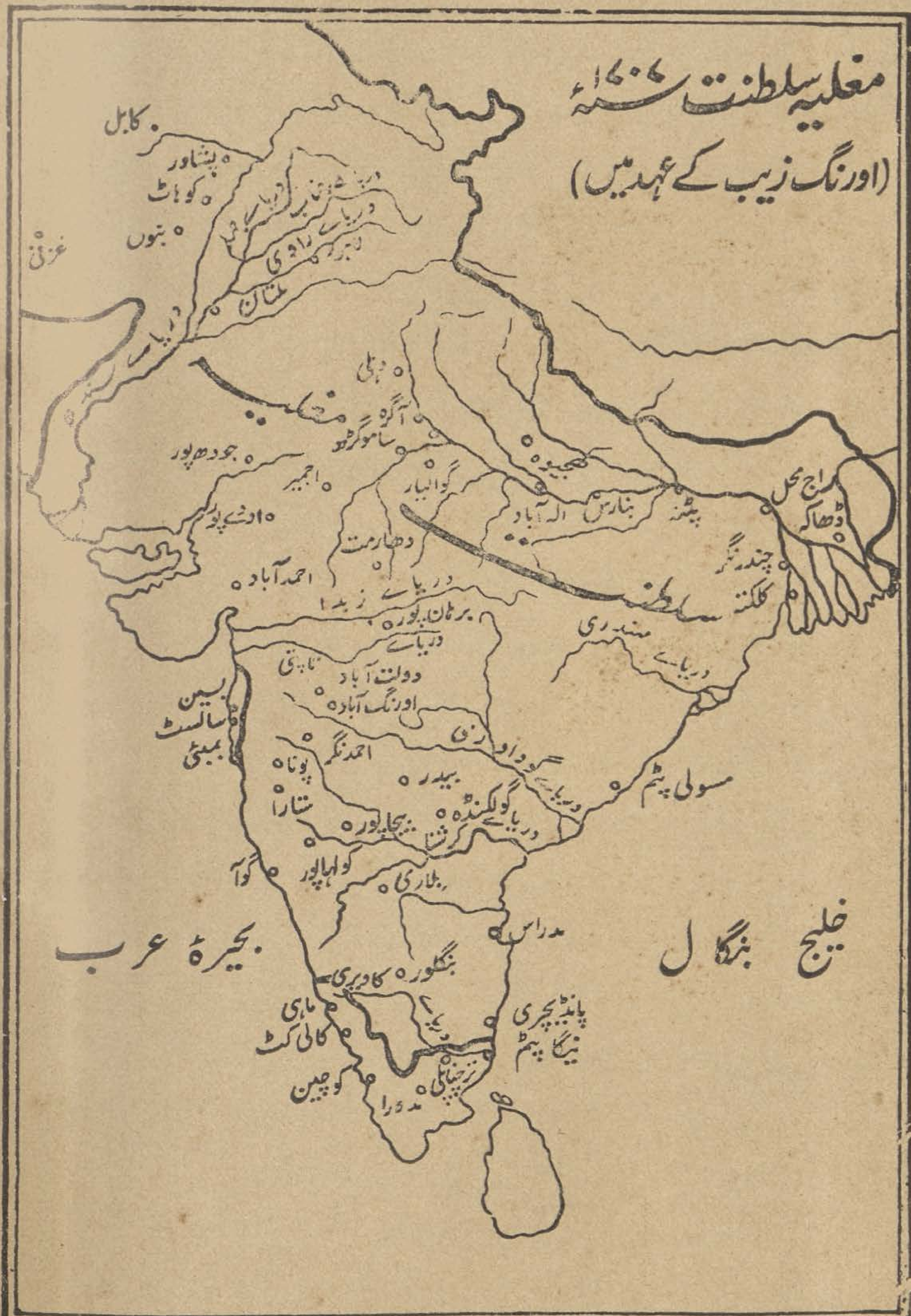
چنگیز کے بعد وسط ایشیا کا دوسرا عظیم الشان فاتح امیر تیمور تھا، جس کی اولاد میں سے ایک شاخ نے ہندوستان میں مغل سلطنت قائم کی - ایران، خراسان، افغانستان اور وسط ایشیا پر بھی اس کے اسلاف مدت تک حکمران رہے -

تیمور ۱۳۳۶ء میں "شہر سبز" میں پیدا ہوا، جو سمرقند سے پچاس میل جنوب میں ہے - ابتدائی زندگی مقامی لڑائیوں میں گزری - ۱۳۵۸ء سے

اس کی تاریخی فتوحات کا آغاز ہوا۔ آٹھ دس برس ترکستان، خوارزم اور خراسان کو فتح کرنے میں لگائے پھر شمال مغرب کی طرف رُخ کیا تو دریائے والگا کے کناروں تک جا پہنچا۔ جنوب مغرب کی طرف پلٹا، تو پورے ایران اور مشرقی عراق عرب کو پامال کر ڈالا۔ پھر ہندوستان پہنچا۔ یہاں سے واپس ہوا تو شام میں دمشق وحلب کو فتح کر لیا اور سلطان بایزید یلدرم عثمانی سے جا بھڑا۔ ۱۴۰۲ء میں انگورہ (موجودہ انقرہ) کے مقام پر تیمور و بایزید کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں بایزید نے شکست کھائی اور گرفتار ہو گیا۔ اسی حالت میں وفات پائی۔ ۱۷ فروری ۱۴۰۵ء کو تیمور فوت ہوا۔ اگر زندہ رہتا، تو چین کو بھی نہ چھوڑتا۔

تیمور کے جانشین تیمور کے چار بیٹے تھے: میراں شاہ۔ عمر شیخ مرزا۔ شاہ رخ اور جہانگیر۔ وفات کے بعد اس کی سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے۔ مختلف بیٹوں اور پوتوں نے مختلف عہدے سنبھال لیے۔ ان میں سے زیادہ قابلِ ذکر شاہ رُخ ہے جس نے ہرات کو مرکز بنا کر سلطنت قائم کی۔ ہرات کا آخری بڑا بادشاہ حسین میرزا بائقرا تھا جو عمر شیخ میرزا کی اولاد میں سے تھا۔ میراں شاہ کا پوتا سلطان ابوسعید میرزا سمرقند میں حکمران تھا۔ اس کے کئی بیٹے تھے۔ بعض کو ابوسعید نے مختلف علاقوں کی حکومت سونپ دی تھی۔ مثلاً عمر شیخ میرزا کو فرغانہ اور الغ بیگ کو کابل دے دیا تھا۔ اسی عمر شیخ میرزا کا بیٹا اور الغ بیگ کا بھتیجا ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ تھا، جس نے فرغانہ سے نکل کر کابل میں تختِ حکومت بچھایا۔ پھر ہندوستان پہنچا اور یہاں سب سے عالی شان حکومت کی بنیاد رکھی۔

تیمور کے جو جانشین ایران و خراسان میں تھے ان کی جگہ شاہ اسماعیل صفوی نے لے لی۔ وسط ایشیا پر اوزبک قابض ہو گئے۔ تیمور کی اولاد کے پاس صرف کابل اور بدخشاں رہ گئے


مغلیہ سلطنت ۱۷۰۷ء
(اورنگ زیب کے عہد میں)
کابل
پشاور
کوہاٹ
بنوں
غزنی
ملتان
دہلی
آگرہ
سامو گڑھ
جودھ پور
اجمیر
اودے پور
احمد آباد
دھارمت
گوالیار
بنارس
الہ آباد
پٹنہ
راج محل
ڈھاکہ
چندر نگر
کلکتہ
دریائے نربدا
برہان پور
دولت آباد
اورنگ آباد
بسین
سالسٹ
بمبئی
احمد نگر
پونا
ستارا
بیدر
گولکنڈہ
بیجاپور
کولہاپور
گوآ
بلاری
مسولی پٹم
مدراس
بنگلور
کاویری
ماہی
کالی کٹ
کوچین
ترچناپلی
مدورا
پانڈیچری
نیگاپٹم
خلیج بنگال
بحیرۂ عرب

سولھویں صدی کی اہمیت اب ہم سولھویں صدی میں پہنچ گئے ہیں جو صرف اسلام ہی نہیں بلکہ ایشیا اور یورپ دونوں سرزمینوں کی تاریخ میں بے حد اہم ہے۔ اس میں سلطنت عثمانیہ سلطان سلیم اور سلطان سلیمان اعظم کے ماتحت وسعت، طاقت، جاہ وجلال اور داب و عظمت کے اعتبار سے اوجِ کمال پر پہنچ گئی۔ ایران میں سلطنت صفویہ کی بنیاد پڑی اور اس سلطنت نے شاہ عباس اعظم کے ماتحت وہ شان و شوکت حاصل کرلی کہ اسلام سے پیشتر کے دور کو چھوڑ کر اسے ایران کا بہترین دَور سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت قائم ہوئی۔ پھر اکبر نے اس کی حدیں کابل و قندھار سے اراکان تک اور کشمیر سے دکن تک پہنچا دیں۔ اس سلطنت کی عظمت و شوکت کا زرّیں دَور سترھویں صدی میں شاہ جہاں اور عالمگیر کا دَور تھا۔

سلطان سلیم، سلطان سلیمان اعظم، شاہ عباس اور اکبر صرف سولھویں صدی ہی کے بڑے بادشاہ نہ تھے بلکہ ان جیسے فرمانروا کسی ملک کے کسی عہد میں شاذ ہی ملیں گے۔

دسواں باب

سلطنتِ عثمانیہ

۱۲۹۹ء ـــــ ۱۴۰۳ء

عثمانیوں کی ابتدا عثمانی ترک اوغوز قبیلے سے تھے۔ یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ جب تاتاری چنگیز خاں کے ماتحت منظم ہو گئے تو اوغوز قبیلے پر سختیاں ہونے لگیں۔ یہ لوگ وسط ایشیا سے اُٹھ کر اسلامی سرزمینوں میں پہنچ گئے۔ اس اثنا میں چنگیز نے ساری دنیائے اسلام میں قتل و غارت کا طوفانِ عظیم برپا کر دیا۔ اوغوز قبیلہ مغرب کی طرف بڑھتا گیا۔ تاتاری فتنہ فرو ہو گیا تو پھر اپنے وطن واپس جانے کی تیاری کر لی۔ اتفاق سے ایک دریا عبور کرتے وقت سردار قبیلہ ڈوب گیا۔ اُسے فالِ بد سمجھ کر قبیلے نے وطن واپس جانے کے بجائے ایشیائے کوچک کا رُخ کر لیا، جہاں سلجوقی حکمران تھے اور قونیہ[۱] ان کا مرکز تھا اس اوغوز قبیلے کے سردار کا نام ارطغرل تھا۔

سلجوقیوں کی رومی سلطنت سلجوقیوں کی رومی سلطنت کی بنیاد طغرل بیگ بانی سلطنت سلجوقیہ کے چچیرے بھائی سلطان قطلمش نے ۱۰۷۷ء میں رکھی تھی۔ ملک شاہ، قلیج اور قلیج ارسلان اس خاندان کے نامور سلطان تھے۔ ایک زمانے میں ایشیائے کوچک کے علاوہ آس پاس کے علاقے بھی ان کے قبضے میں آ گئے تھے۔ پھر اس سلطنت میں کمزوری آتی گئی۔ ایک طرف سے تاتاری اس پر یورشیں کرنے لگے۔ دوسری طرف سے رومیوں نے علاقے

---

[۱] یونانیوں نے اس کا نام ICONIUM رکھا تھا جو سلجوقیوں کے عہد میں قونیہ بن گیا۔

عثمانی ترک کا شجرہ نسب

ارطغرل

(۱) عثمان خاں
(سنہ ۱۲۹۹ء — سنہ ۱۳۲۶ء)

(۲) اورخاں
(سنہ ۱۳۲۶ء — سنہ ۱۳۵۹ء)

(۳) مراد اوّل
(سنہ ۱۳۵۹ء — سنہ ۱۳۸۹ء)

(۴) بایزید اوّل
(سنہ ۱۳۸۹ء — سنہ ۱۴۰۳ء)

عیسےٰ — (۵) محمد — موسیٰ — سلیمان

(۵) محمد
(سنہ ۱۴۱۳ء — سنہ ۱۴۲۱ء)

(۶) مراد ثانی
(سنہ ۱۴۲۱ء — سنہ ۱۴۵۱ء)

(۷) محمد فاتح
(سنہ ۱۴۵۱ء — سنہ ۱۴۸۱ء)

(۸) بایزید ثانی
(سنہ ۱۴۸۱ء — سنہ ۱۵۱۲ء)

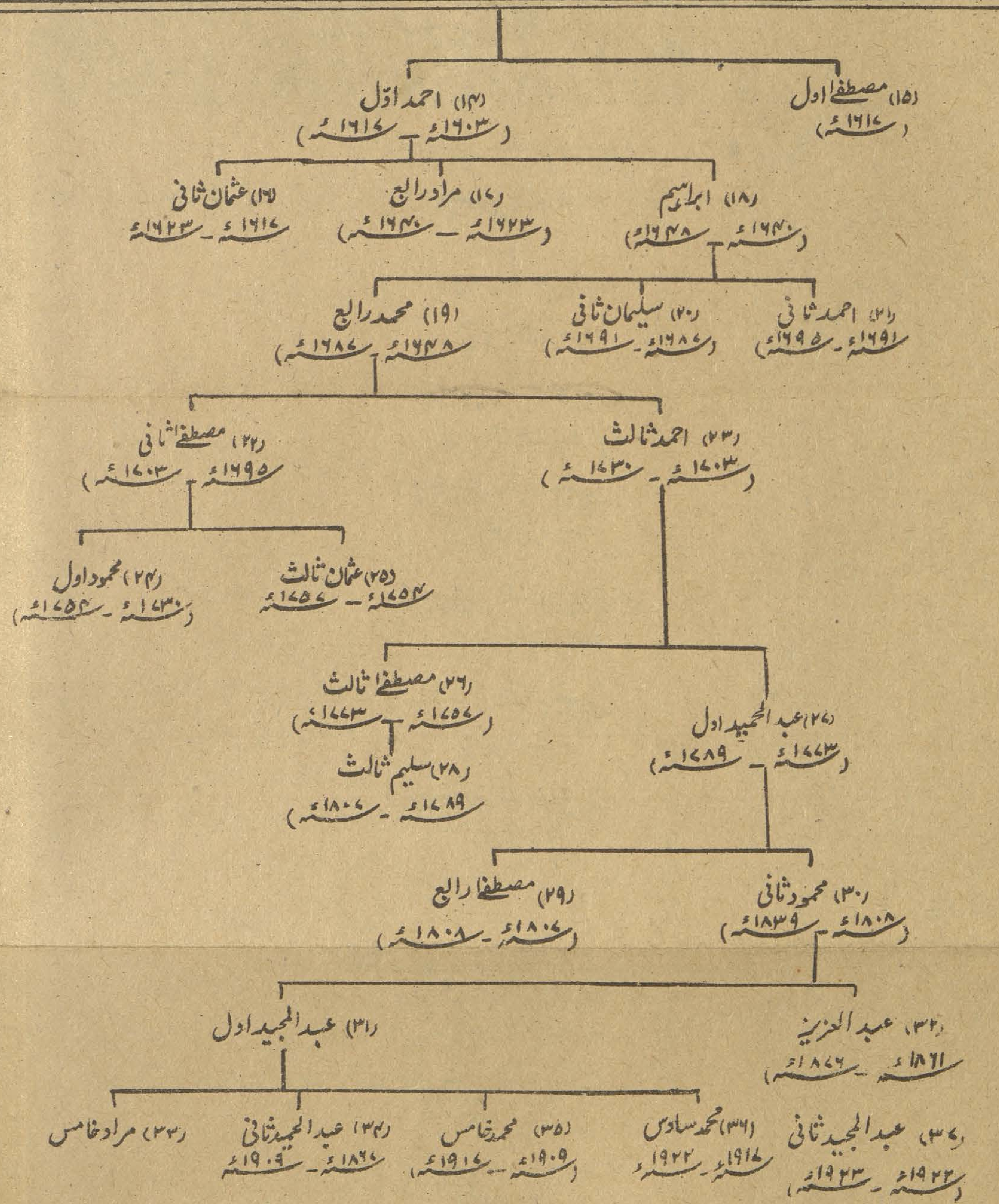
(۹) سلیم اول
(سنہ ۱۵۱۲ء — سنہ ۱۵۲۰ء)

(۱۰) سلیمان اعظم
سنہ ۱۵۲۰ء — سنہ ۱۵۶۶ء

(۱۱) سلیم ثانی
(سنہ ۱۵۶۶ء — سنہ ۱۵۷۴ء)

(۱۲) مراد ثالث
(سنہ ۱۵۷۴ء — سنہ ۱۵۹۵ء)

(۱۳) محمد ثالث
سنہ ۱۵۹۵ء — سنہ ۱۶۰۳ء



نوٹ:

(۱) کل ۳۷ بادشاہ ہوئے۔

(۲) ان کی ترتیب جلوس نمبروں سے ظاہر ہو سکتی ہے۔

(۳) سلطان عبد المجید ثانی سنہ ۱۹۲۳ء میں معزول ہوئے اور فرانس میں وفات پائی۔ ان کی صاحبزادی درشہوار خانم کی شادی میر عثمان علی خاں فرمانروائے حیدر آباد کے بڑے فرزند اعظم جاہ سے ہوئی۔

چھیننے شروع کر دیے۔

ارطغرل کا پہلا کارنامہ ارطغرل اپنے قبیلے کو لیے جا رہا تھا۔ ایک میدان میں پہنچا۔ تو دو فریقوں کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔ ایک فریق کی فوج بہت زبردست تھی۔ دوسرا فریق کمزور تھا۔ ارطغرل کو کمزور کی حالت دیکھ کر رحم آ گیا فوراً اپنے جنگجو آدمی ساتھ لیے جو چار پانچ سو سے زیادہ نہ تھے اور کمزور فریق کی مدد کے لیے میدان جنگ میں جا دھمکا۔ تھوڑی ہی دیر میں اپنی مردانگی اور کاردانی سے زبردست فریق کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اس وقت معلوم ہؤا کہ جن کو شکست دی وہ تاتاری تھے اور جس فوج کی مدد کی تھی وہ قونیہ کے سلجوقی سلطان علاؤالدین کیقباد کی فوج تھی۔

سلطان علاؤالدین نے ارطغرل کے اس کارنامے سے خوش ہو کر دریائے سکاریہ کے کنارے رومی سرحد کے قریب اسے وسیع جاگیر دے دی اور اس علاقے کا سپہدار بنا دیا۔ یہ عثمانی ترکوں کے نیّرِ اقبال کی پہلی کرن تھی۔

غازی عثمان خاں ارطغرل نوے برس کی عمر پا کر ۱۲۸۸ء میں فوت ہؤا اور اس کا بیٹا عثمان خاں سردار قبیلہ بنا۔ یہی سلطنت عثمانیہ کا بانی تھا۔

عثمان خاں نے کئی علاقے فتح کیے۔ رومیوں کو بار بار شکستیں دیں اور اپنے کارناموں کی بدولت بڑا اقتدار حاصل کر لیا۔ جب تک علاؤالدین کیقباد زندہ رہا، اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ جب علاؤالدین فوت ہو گیا اور اس کی سلطنت میں افراتفری پھیلی، تو عثمان نے ۱۲۹۹ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اب اس نے ایک ایک رومی امیر کو مطیع بنانا شروع کیا۔ بعض امیروں نے تاتاریوں سے مدد لے کر عثمان خاں کے خلاف لڑائی چھیڑ لی۔ وہ لڑتا بھڑتا اور سب کو شکستیں دیتا ہؤا بروصہ پہنچ گیا، جو رومیوں کا نہایت مستحکم شہر تھا۔ دس برس تک اس کا محاصرہ جاری رہا،

اس اثنا میں عثمان خاں بیمار ہو گیا۔ اس کے بہادر و جوانمرد بیٹے اورخاں نے فوج کی سپہ سالاری سنبھال لی۔ ۱۳۲۶ء میں بروصہ فتح ہوا۔ عثمان خاں نے بستر مرگ پر یہ خوشخبری سنی اور تھوڑے دن بعد وفات پائی۔

اورخاں | عثمان خاں بڑا بہادر، عادل، نرم خو، خدا ترس اور رعایا پرور سلطان تھا۔ اورخاں، عثمان کا بڑا بیٹا نہ تھا، لیکن چونکہ سپہگری اور ملک داری میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اس لیے اسی کو جانشین بنایا۔ اس نے اپنے بڑے بھائی علاؤالدین کو وزیر اعظم بنالیا۔ ان دونوں نے مل کر سارے ایشیائے کوچک کو فتح کر لیا۔ اور رومیوں کے پاس صرف دو شہر رہ گئے۔ علاؤالدین کی وفات کے بعد اورخاں نے اپنے بیٹے سلیمان کو وزارت کا عہدہ دے دیا۔

اس اثنا میں خود قیصر نے اورخاں سے مدد مانگی۔ اس پر اورخاں یورپ میں داخل ہوا۔ گیلی پولی اور آس پاس کے علاقے فتح کر کے وہاں ترکوں کی نوآبادیاں قائم کر دیں۔ ۱۳۵۸ء میں شہزادہ سلیمان جو وزیر اعظم ہی نہیں بلکہ ولی عہد بھی تھا۔ شکار کھیلتا ہوا گھوڑے سے گر کر فوت ہو گیا۔ اپنے اس بیٹے سے اورخاں کو بڑی محبت تھی۔ اسی صدمے سے دو ماہ بعد وہ بھی جاں بحق ہوا۔

اورخاں بہت بڑا فاتح ہی نہ تھا بلکہ رعایا کی بھلائی کے کاموں کا بھی اسے بہت خیال تھا۔ اس نے اپنے عہدِ حکومت میں بے شمار مسجدیں، خانقاہیں، مدرسے، سرائیں اور لنگر خانے تعمیر کرائے۔

ینی چری | اورخاں ہی نے ترکوں کی شہرۂ آفاق فوج "ینی چری" کی بنیاد رکھی تھی۔ جسے عرب انکشاری اور یورپ والے جنی سری[1] کہتے ہیں۔ اس کے لفظی معنے ہیں جدید فوج۔ جو عیسائی اور دوسرے لوگ جنگ میں پکڑے جاتے

[1] JANISSARIES

تھے اور اسلام قبول کر لیتے تھے، اُنھیں اس فوج میں بھرتی کیا جاتا تھا۔ سلطان خود ان کا سرپرست، مربی اور نگران تھا اور اس کے ساتھ ان لوگوں کی وابستگی بھی بڑی گہری ہوتی تھی۔ اس فوج نے فداکاری اور مردانگی میں بڑا نام پایا۔ یہاں تک کہ یہ ترکوں کی جنگی قوت کا ایک بے پناہ آلہ بن گئی۔ آگے چل کر اسی کی وجہ سے سلطنت میں بڑی خرابیاں پیدا ہوئیں۔ سلطان محمود خاں ثانی نے ۱۸۲۶ء میں اس فوج کو ختم کیا۔

مراد اوّل اورخاں کے بعد اس کا بیٹا سلطان مراد تخت نشین ہوا۔ اس کی توجہ زیادہ تر یورپ پر تھی۔ چنانچہ اپنے سپہ سالارِ اعظم لالہ شاہین کو فوج دے کر ایڈریانوپل (ادرنہ) پر بھیجا۔ جب یہ شہر فتح ہوگیا، تو سلطان مراد نے بروصہ کو چھوڑ کر اسی کو پایۂ تخت بنا لیا تاکہ اپنی فتوحات کو یورپ میں زیادہ سے زیادہ آگے لے جائے۔

فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ لالہ شاہین اور تیمور طاش سلطان مراد کے دو مشہور سپہ سالار تھے۔ وہی یورپ کی ساری جنگی کارروائیوں کے ناظم تھے۔ اتفاق سے تیمور طاش ایک لڑائی میں مارا گیا اور یورپ کے جن رئیسوں نے سلطان مراد کو خراج دینے کا اقرار کر رکھا تھا۔ وہ اپنے وعدے سے پھر گئے۔ سلطان بھاری فوج لے کر خود یورپ پہنچا۔ سرکشوں کو سخت سزا دی۔ اس اثنا میں سردیا کے بادشاہ نے مختلف رئیسوں اور حکمرانوں کی ایک لاکھ فوج تیار کر لی تھی۔

جنگ قوصوہ ۲۷۔ اگست ۱۳۸۹ء کو قوصوہ[1] کے میدان میں جنگ ہوئی، جو دنیا کی چند فیصلہ کن لڑائیوں میں سے ہے۔ مراد کی فوج کم تھی۔ رات کے وقت اس نے عاجزی سے دعا کی کہ خدایا، عمر لڑائیوں میں گزری، تیری رحمت سے ہمیشہ فتح نصیب ہوئی۔ اب آخری عمر میں

---

[1] KOSSOVO

شکست کی ذلت سے بچائے رکھ اور شہادت نصیب کر۔

خدا نے یہ دعا قبول کر لی۔ دشمن کی فوج بڑی بُری طرح تباہ ہوئی۔ بہت سے سردار اور شہزادے پکڑے گئے۔ شاہ سرویا مارا گیا۔ لڑائی ختم ہو چکی تھی کہ مخالف فوج کا ایک سردار بھاگا بھاگا آیا، سلطان کے قدموں پر گر گیا اور کہا کہ میں راز کی کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ سلطان بے فکر کھڑا تھا۔ اس بدبخت نے اچانک اُٹھ کر سلطان کے سینے میں خنجر بھونک دیا۔ یہی زخم شہادت کا باعث بنا۔ میدانِ جنگ ہی میں فوج نے سلطان کے بیٹے بایزید کو بادشاہ بنا لیا۔ یہ بایزید یلدرم (صاعقہ) کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ دشمنوں پر بجلی کی طرح جا گرتا تھا۔

سلطان بایزید یلدرم

سلطان بایزید نے ایشیا اور یورپ میں بہت سے علاقے فتح کر لیے۔ یورپ میں ولیشیا[1] والوں نے بغاوت کی۔ سلطان نے بجلی کی تیزی سے ان کو دبا دیا۔ مقدونیا، سالونیکا اور آس پاس کے علاقوں پر قبضہ جمانے کے علاوہ قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس اثنا میں خبر ملی کہ صلیبیوں کی ایک فوج چلی آ رہی ہے اور اس نے دریائے ڈینیوب کو عبور کر کے نکوپولس[2] کا محاصرہ کر لیا ہے جو سلطان بایزید کی مملکت میں تھا۔ نکوپولس کی ترک فوج مقابلہ کرتی رہی۔ اس اثنا میں سلطان محاصرہ چھوڑ کر نکوپولس پہنچا اور صلیبیوں کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اسی موقع پر مصر کے عباسی خلیفہ نے بایزید کو "سلطان روم" کا خطاب دیا تھا۔

نکوپولس کی فتح کے بعد سلطان نے پھر قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا اور یورپ میں مزید علاقہ لے لیا۔ قیصر نے صلح کی درخواست پیش کر دی اور کہا کہ میں قسطنطنیہ میں ایک مسجد تعمیر کراؤں گا۔ مسلمانوں کے

---

[1] Wallachians

[2] NICOPOLIS - یہ شہر دریائے ڈینیوب کے کنارے رومانیہ اور بلغاریہ کی سرحد پر ہے

لیے شہر کا ایک حصّہ مخصوص کر دونگا۔ جمعہ کے خطبے میں سلطان کا نام لیا جائے گا۔ محاصرہ اُٹھا لیجیے۔ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہُوا تھا کہ وسط ایشیا سے تیمور بلائے عظیم بن کر بایزید پر جا گرا۔

جنگِ انگورہ

مشہور ہے کہ ایشیائے کوچک کے جن رئیسوں کی ریاستیں بایزید نے چھین لی تھیں وہ تیمور کے پاس پہنچے اور التجا کی کہ ہمیں بحال کرا دیا جائے۔ تیمور نے بایزید کو لکھا کہ اُنھیں بحال کردو۔ اس نے سخت جواب دیا۔ اس پر جنگ ناگزیر ہو گئی۔ بایزید کو اچانک یورپ چھوڑ کر ایشیائے کوچک آنا پڑا۔ اس کے پاس فوج بہت کم تھی۔ لیکن وہ تھوڑی فوج سے بڑے بڑے لشکروں کو تہس نہس کر چکا تھا۔ یہ خیال بھی نہ تھا کہ اسے شکست ہو گی۔ بایزید جوان اور جوشیلا تھا۔ تیمور سن رسیدہ اور گرگ باراں دیدہ تھا۔ انگورہ کے میدان میں ۱۴۰۲ء میں مقابلہ ہوُا۔ بایزید نے شکست کھائی اور گرفتار ہو گیا۔ قید ہی کی حالت میں اس نے وفات پائی۔

اگر تیمور جنگ نہ چھیڑتا اور بایزید اپنے کام میں لگا رہتا، تو سلطان محمد فاتح سے کم و بیش پچاس برس پہلے قسطنطنیہ فتح ہو جاتا اور یقیناً ترک فوجیں بایزید ہی کے عہد میں آسٹریا سے آگے نکل جاتیں۔ اسلامی فتوحات کے ایک سیل سے یورپ کو سلیمان بن عبد الملک اموی کی تنگ دلی نے بچایا تھا۔ دوسرے سیل سے تیمور نے بچا لیا۔ تیمور کا حملہ اور بایزید کی شکست صرف عثمانی ترکوں ہی کے لیے نہیں۔ بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے بڑے ہی دردناک حادثے تھے۔

سلطان بایزید پر عثمانی ترکوں کے جوشِ فتوحات کی پہلی موجزنی ختم ہو گئی۔

گیارھواں باب

سلطنت کی توسیع کا نیا دَور

۱۴۰۳ء ـــــ ۱۵۱۲ء

محمدؐ اوّل جنگ انگورہ کے بعد تیمور نے ایشیائے کوچک کے مختلف شہروں میں لُوٹ مار بھی کی۔ جب وہ واپس گیا، تو ترکی کا نقشہ بہت بگڑ چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک نئی مصیبت نازل ہو گئی اور وہ یہ کہ سلطان بایزید کے بیٹے تخت و تاج کے لیے لڑنے لگے۔ دس برس تک یہ کشمکش جاری رہی ۱۴۱۳ء میں محمدؐ اپنے دوسرے بھائیوں کو شکست دے کر تخت نشین ہُوا۔ یہ تاریخ میں محمد اوّل کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے بعد بھی خاندان کے کئی بادشاہوں کا نام یہی تھا۔

محمدؐ اوّل کے عہد میں بگڑے ہوئے انتظامات درست ہوئے۔ مضبوط بحری قوت کی بنیاد پڑی۔ بادشاہ علمی مذاق رکھتا تھا۔ اس نے ادب کی بھی خدمت انجام دی۔

مرادِ ثانی ۱۴۲۱ء میں محمدؐ اوّل کا بیٹا مراد ثانی تخت نشین ہُوا۔ اس کے عہد میں پھر فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ بڑا جواں مرد، منتظم اور عادل بادشاہ تھا۔ قیصر قسطنطنیہ نے مجبور ہو کر بھاری خراج ادا کرنے کا اقرار کر لیا۔ ۱۴۲۸ء میں شہر سالونیکا فتح ہو گیا۔ ہنگری والوں نے افراتفری کے زمانے میں جو علاقے لے لیے تھے، مراد نے اُنھیں آزاد کرا لیا۔

جولائی ۱۴۴۴ء میں شاہِ ہنگری نے دس برس کے لیے صلح کر لی۔ اُنھیں دنوں میں مراد کا محبوب و لائق بیٹا علاؤ الدین فوت ہو گیا۔ بادشاہ کو اتنا صدمہ ہُوا کہ اپنے چھوٹے بیٹے محمد کو تخت پر بٹھا کر خود کاروبار

سلطنت سے بالکل بے تعلق ہوگیا۔ مراد کی دست برداری سے فائدہ اٹھا کر ہنگری والوں نے عہدنامہ توڑ ڈالا اور بھاری فوج لے کر ترک علاقوں پر حملہ بول دیا۔ پوپ نے بھی فتوے دے دیا تھا کہ ترکوں کے ساتھ عہدنامہ صلح پر قائم رہنا ہرگز ضروری نہیں۔ ترک نمابندے مراد کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ سلطنت کو اس نئی آفت سے نجات دلائیے۔ وہ پھر خلوت سے نکلا۔ بحیرہ اسود کے کنارے ورنہ[1] کے مقام پر جنگ ہوئی۔ مراد نے دشمنوں کو فاش شکست دی۔ بکارنتھ اور بعض دوسرے علاقے بھی ترکی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ ہنگری والوں نے پھر ایک زبردست فوج جمع کی لیکن قوصوہ کے مقام پر دوبارہ سخت ہزیمت اٹھائی۔ ۱۴۵۱ء میں مراد فوت ہوا۔

محمد فاتح محمد فاتح نے تخت پر بیٹھتے ہی قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ پوری تیاریوں کے بعد ۱۴۵۳ء میں رومیوں کے اس عظیم الشان مرکز کا محاصرہ جاری ہوا جسے امیر معاویہ کے زمانے سے فتح کر لینے کی کوششیں شروع ہوئی تھیں لیکن کامیاب نہیں ہوسکی تھیں قسطنطنیہ بڑا مستحکم مقام تھا اور رومیوں نے سلطان محمد فاتح کی تیاریوں کا حال سن کر اسے اور مضبوط بنا لیا تھا۔ سلطان فاتح نے ہر طرف فوج بٹھادی۔ سمندر کے راستے شہر کو فتح کر لینا آسان تھا۔ لیکن ادھر بندرگاہ کے دروازے پر بھاری فولادی زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ جن سے گزر کر جہاز اندر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ آخر سلطان نے خشکی کے ایک خطے میں کھائی کھدوائی اور اسے بندرگاہ کے اندرونی حصے سے ملا دیا۔ پھر اس کھائی میں لکڑی کے تختے بچھائے اور ان پر روغن اور چربی مل کر خوب چکنے کر دیا۔ ان تختوں پر سے

[1] VARNA بحیرہ اسود میں بلغاریہ کی مشہور بندرگاہ ہے۔

اپنے جہازوں کو کھینچوا کر بندرگاہ کے اندر پہنچا دیا۔ پھر ایک دم ہلّہ بولا۔ ۲۹ر مئی ۱۴۵۳ء کو ترکی فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں۔ اسی وقت سے قسطنطنیہ سلطنتِ عثمانیہ کا پایۂ تخت بن گیا۔ فتح قسطنطنیہ کے باعث محمّد کو سلطان فاتح کا لقب ملا۔

سلطان فاتح کے عہد میں جنوبی سرویا، البانیا اور بوسنیا اور کریمیا فتح ہوئے۔ وینس والوں کو اپنی بحری قوت پر بڑا ناز تھا۔ سلطان نے انھیں شکست دے کر سقوطری لے لیا اور ایک لاکھ ڈیوکٹ[1] تاوان میں وصول کیے۔ جنوبی اٹلی پر بھی حملہ کیا۔

بایزید ثانی محمد فاتح کی وفات کے وقت شہزادے پایۂ تخت سے باہر تھے۔ ان میں سے بایزید پہلے قسطنطنیہ پہنچ گیا اور بایزید ثانی کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ دوسرے شہزادے نے جس کا نام جم تھا مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ اس کی بیوی بچے مصر میں رہے خود روڈس چلا گیا۔ وہاں سے فرانس پہنچا۔ یورپی طاقتیں اسے اپنا آلہ کار بنا کر سلطنت ترکی میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکانا چاہتی تھیں۔ جم اس پر راضی نہ ہُوا۔ بایزید نے اس کی حوالگی کے لیے گراں بہا رقمیں صرف کیں۔ پوپ ایلگزانڈر بورجیا نے اسے زہر دے کر ختم کر دیا اور بایزید سے تین لاکھ ڈیوکٹ وصول کیے۔ شہزادہ جم کی کہانی ترکی تاریخ کی ایک نہایت عجیب اور دردناک کہانی ہے۔

بایزید کے عہد میں لڑائیاں برابر جاری رہیں۔ اس زمانے میں اٹلی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہُوا تھا۔ یہ ریاستیں اور روما کا پوپ وینس کی جمہوریت کے سخت دشمن تھے۔ ان سب نے سلطان سے درخواست کی کہ وینس کو ختم کیا جائے۔ ترکی کے بیڑے اور وینس کے

[1] ایک سنہری سکّہ تھا جس کی قیمت تقریباً نصف گنی تھی۔

بیڑے کے درمیان ۲۸ جولائی ۱۴۹۹ء کو سخت جنگ ہوئی۔ وینس نے شکست کھائی اور کئی جزیرے ترکوں کے حوالے کرکے صلح کی۔

بایزید کے عہد کا ایک نہایت افسوسناک واقعہ یہ ہے کہ ترکی اور ایران کے درمیان جنگوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ شاہ اسماعیل صفوی نے ایشیائے کوچک میں اپنے داعی پھیلا دیے تھے۔ بایزید نے بات چیت سے اس قضیہ کو ختم کرنا چاہا۔ لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بیٹے سلیم نے جنگ شروع کر دی۔

تخت سے دست برداری بایزید کے کئی بیٹے تھے۔ وہ شہزادہ احمد کو جانشین بنانا چاہتا تھا۔ لیکن ینی چری فوج کے جنگجو سپہ سالاروں کو شہزادہ سلیم سے محبت تھی، جو بڑا بہادر اور میدانِ جنگ کا دھنی تھا۔ اُنھوں نے شہزادہ احمد کے مقابلے میں شہزادہ سلیم کو کھڑا کر دیا۔ بایزید نے بے بسی کی حالت میں تاج و تخت چھوڑ دیا اور ۱۵۱۲ء میں سلیم نے تختِ سلطنت پر قدم رکھا۔

بارھواں باب

سلطان سلیم اور سلیمان اعظم

۱۵۲۲ء ـــــ ۱۵۶۶ء

سلطان سلیم سلیم اور اس کے بیٹے سلیمان اعظم کے زمانے میں ترکی سلطنت عظمت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ گئی پھر زوال کا دور شروع ہو گیا۔ سلیم نے اگرچہ صرف آٹھ نو برس بادشاہی کی لیکن اس کے عہد میں ترکی سلطنت کی حدیں بہت پھیل گئیں اور خلافت کا منصب بھی اسی زمانے میں ترکوں کو ملا۔

ترک بادشاہوں میں سلیم کی یہ خصوصیت خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس نے یورپ میں فتوحات کو وسعت نہ دی بلکہ یہی کوشش کرتا رہا کہ ایشیا میں زیادہ سے زیادہ اسلامی علاقے ترکی کے ماتحت آجائیں اور اس طرح مسلمانوں کی قوت یکجا ہو جائے۔

شاہ اسماعیل صفوی کے ساتھ لڑائی بایزید ہی کے زمانے سے شروع ہو چکی تھی۔ شاہ نے ایک طرف شہزادہ احمد کو امداد دے کر سلطان سلیم کے خلاف کھڑا کر دیا۔ دوسری طرف مصر کے مملوک بادشاہوں سے عہد نامہ کر کے اُنھیں سلطنت ترکی پر حملے کے لیے آمادہ کیا۔ لیکن سلیم نے اپنے سرحدی علاقوں میں شاہ کے چالیس ہزار آدمی ایک دم قتل کروا دیے۔ پھر فوج لے کر بڑھا۔ ۲۳ اگست ۱۵۱۴ء کو چالدیران[1] کے مقام پر شاہ اسماعیل نے شکست کھائی اور سلیم تبریز

[1] چالدیران آذربائیجان میں جھیل ارومیہ کے مشرق میں ہے۔

پر قابض ہوگیا، جسے شاہ نے اپنا پاے تخت بنا لیا تھا۔ کرد قبیلوں نے بھی سلطان کی اطاعت کر لی۔

مصر کے مملوک فرمانروا مصر میں ایوبیوں کی سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو ۱۲۵۰ء میں ان کے ایک غلام (مملوک) نے سلطنت سنبھال لی۔ اس وقت سے مصر میں مملوک امیروں کی حکومت شروع ہوگئی۔ تقریباً سوا سو سال بحری مملوک حکمران رہے۔ پھر دوسرا گروہ برسرِ حکومت آگیا۔ اس گروہ کے حکمرانوں کو برجی مملوک کہتے ہیں۔ ان مملوک سلطانوں میں سے قانصوہ غوری (۱۵۰۱ء۔ ۱۵۱۶ء) کے ساتھ شاہ اسماعیل نے سلطان سلیم کے خلاف معاہدہ کیا تھا۔ شاہ اسماعیل کی شکست اور تبریز پر ترکوں کے قبضے کے بعد غوری نے یہ فیصلہ کیا کہ شاہ ایران اور سلطان ترکی میں صلح کرا دینی چاہیے۔ چنانچہ اس نے عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ ثالث نیز قاضی القضاۃ کو ساتھ لیا اور مصالحت کی غرض سے حلب کا رُخ کیا۔

مرج دابق کی جنگ سلطان سلیم کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ قانصوہ غوری کی نیت نیک نہیں ہے، اس لیے اس نے غوری کے سفیر کے ساتھ نہایت بُرا سلوک کیا۔ اس پر لڑائی ناگزیر ہوگئی۔ غوری کی عمر اُس وقت پچھتر برس کی تھی۔ اس نے ملک کا انتظام بہت اچھے طریقے پر کیا تھا۔ اس وجہ سے عوام میں ہر دلعزیز تھا۔ مرج دابق کے مقام پر جنگ ہوئی۔ حلب کا گورنر سلیم کے پہلے ہی حملے میں غوری کو چھوڑ کر الگ ہوگیا۔ بازی ہرتی دیکھی تو غوری کو اتنا رنج ہوا کہ اس پر اچانک فالج کا حملہ ہوگیا اور وہ گھوڑے سے گر پڑا اور مارا گیا۔ سلطان سلیم حلب میں داخل ہوگیا۔

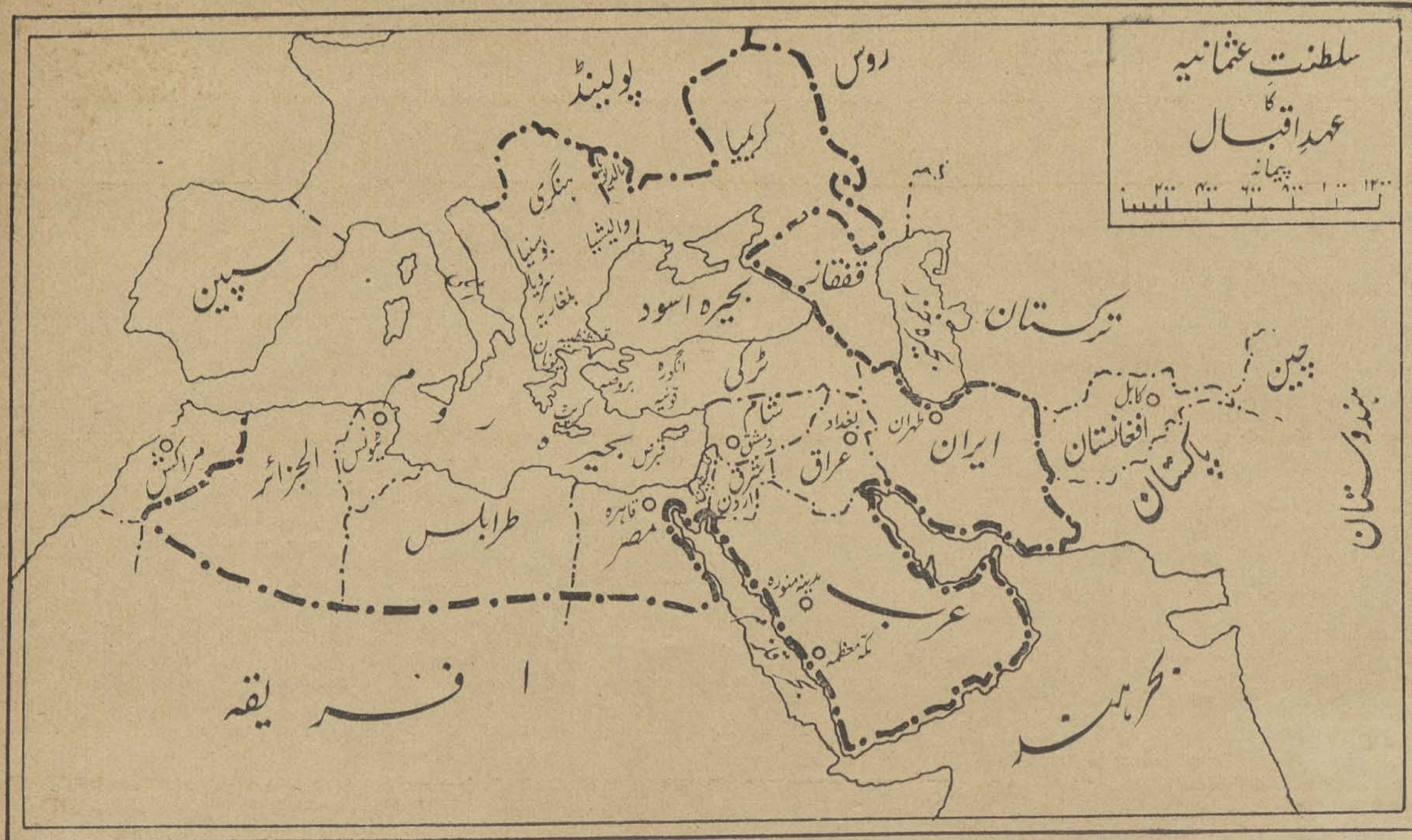
مصر پر قبضہ اس اثنا میں قانصوہ کا ایک غلام طومان بے سلطانِ

مصر بن چکا تھا۔ سلیم شام سے ہوتا ہوا مصر پہنچا۔ ۲۲۔ جنوری ۱۵۱۷ء کو قاہرہ کے پاس طومان بے سے جنگ کی۔ شکست کھا کر طومان بھاگا لیکن گرفتار ہو گیا۔ سلیم نے اسے قاہرہ کے بڑے دروازے پر پھانسی دے دی۔ مملوک سلطنت ختم ہو گئی۔ مصر ترکوں کے قبضے میں آ گیا۔

خلافت مصر کے انتظام سے فارغ ہو کر سلطان سلیم یکم اگست ۱۵۱۸ء کو قسطنطنیہ پہنچا۔ خلیفہ متوکل علی اللہ ثالث ساتھ تھا۔ خلیفہ نے تمام تبرکات اور خلافت کے دوسرے نشان سلیم کے حوالے کیے اور خود دست بردار ہو گیا۔ ۱۵۴۳ء میں وفات پائی۔ اس وقت سے خلافت ترکوں کے قبضے میں آئی اور حرمین شریفین کی خدمت اُن کے سپرد ہوئی۔ ۱۵۲۰ء میں سلطان سلیم فوت ہوا۔

سلیمان اعظم سلیم کے بیٹے سلیمان نے تخت پر بیٹھتے ہی باپ کے زمانے کے سارے جنگی قیدی چھوڑ دیے۔ ایران کے ساتھ تجارت کی ممانعت تھی اور سلطان سلیم نے ان تمام تاجروں کا مال ضبط کر رکھا تھا جن کا لین دین ایرانیوں کے ساتھ تھا۔ سلیمان نے ان سب کا مال بھی واپس کر دیا۔ اس طرح پوری کوشش کی کہ پرانی تلخیاں مٹ جائیں اور صلح و امن کے ساتھ حکومت کی جائے۔ لیکن بہت جلد لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ ہنگری کے بادشاہ نے سلیمان کے سفیر کو قتل کرا دیا تھا۔ اس کو سزا دینے کی غرض سے سلطان نے فوج کشی کی۔ ۱۵۲۶ء میں ہنگری کا بادشاہ مارا گیا۔ بوڈاپسٹ کے علاوہ ہنگری کے بڑے حصے پر عثمانی پرچم لہرانے لگا۔

تبریز میں بغاوت ادھر تبریز میں بغاوت ہو گئی اور شاہ طہماسپ صفوی نے سلیمان کو یورپ کی جنگوں میں الجھا ہوا پایا تو تبریز پر



سلطنتِ عثمانیہ کا
عہدِ اقبال
پیمانہ
روس
پولینڈ
کریمیا
ہنگری
والیشیا
بوسنیا
بلغاریہ
بحیرہ اسود
قفقاز
ترکستان
چین
ہندوستان
سپین
ترکی
انگورہ
قونیہ
شام
بغداد
عراق
طہران
ایران
کابل
افغانستان
پاکستان
مراکش
الجزائر
تونس
طرابلس
قاہرہ
مصر
دمشق
مدینہ منورہ
مکہ معظمہ
عرب
بحر ہند
افریقہ

قبضہ کرلیا - سلیمان یورپ سے واپس ہوا، تو ایک فوج تبریز بھیجی اور خود آرمینیا پر بڑھا - آرمینیا فتح ہوگیا - تبریز سے ایرانی فوج لڑے بھڑے بغیر واپس چلی آئی - سلیمان نے تبریز سے آگے بڑھ کر بغداد پر بھی قبضہ جمالیا - جارجیا اور ارض روم بھی اس کے زیرنگین آگئے۔

یورپ کی لڑائیاں یورپ میں کئی لڑائیاں پیش آئیں، جن کی مختصر سی کیفیت یہ ہے:

(۱) ۱۵۳۲ء میں سلیمان نے یورپ کے سب سے بڑے شاہنشاہ چارلس پنجم کے خلاف فوج کشی کی - ویانا تک پہنچ گیا - لیکن صلح ہوگئی - ترکوں نے یورپ کو ویانا تک فتح کیا، اگرچہ ان کی فوج جرمنی میں راٹس بن[1] تک جا پہنچی تھی جو بویریا میں ہے۔

(۲) سلیمان نے بلغراد کو فتح کرلیا جو آیندہ چل کر یورپ کے قلب میں پیش قدمی کے لیے اس کا خاص مرکز بن گیا۔

(۳) فرڈی ننڈ شاہ آسٹریا نے تیس ہزار ڈیوکٹ خراج دینے کا عہد کیا۔

(۴) ان فتوحات کے علاوہ سلیمان نے روڈس اور بعض دوسرے جزیرے بھی لے لیے۔

خیرالدین باربروسا خیرالدین باربروسا سولھویں صدی کا شہرۂ آفاق امیرالبحر تھا - یورپ کے بحری قزاقوں نے بحرۂ روم میں اودھم مچا رکھا تھا اور ساحل افریقہ کی اسلامی آبادیوں پر حملے کرتے رہتے تھے - خیرالدین اور اس کے بڑے بھائی یعقوب نے (جو "اروج" کے نام سے مشہور تھا) جہاز بنا کر جوابی حملے شروع کیے - آہستہ آہستہ وہ ٹیونس اور الجزائر پر قابض ہو گئے - اروج ایک لڑائی میں مارا گیا - خیرالدین نے یورپی قزاقوں کا ناطقہ بند کر دیا - پھر اس نے سلطان سلیمان کی

---

[1] RATISBON-اسے آج کل REGENSBURG کہتے ہیں۔

اطاعت قبول کرلی۔ سلطان نے اسے اپنا امیر البحر بنا کر نیا بیڑا تیار کرنے کا حکم دیا۔ خیر الدین نے ۱۵۳۸ء میں چارلس پنجم، پوپ اور وینس تینوں کے مشترکہ بیڑے کو فاش شکست دی اور اس کے ماتحت عثمانی سلطنت کی بحری قوت کمال پر پہنچ گئی۔

سلیمان کی وفات آخری عمر میں سلیمان کو ہنگری پر فوج کشی کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ وہ اگرچہ ۷۲ برس کا ہو چکا تھا لیکن ملکی کاموں میں اُسکی مستعدی اور جفاکشی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہاں ایک مقام کے محاصرے کے دوران میں ۱۵۶۶ء میں فوت ہوُا۔ وزیراعظم نے اس کی وفات کو پوشیدہ رکھا۔ جب اس کا بٹیا سلیم ثانی کے لقب سے بادشاہ بن گیا تو سلیمان کی موت کا اعلان ہوُا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ سلیمان نے چھیالیس برس زندہ رہ کر حکومت کی اور چھیالیس دن اس کی میّت حکومت کرتی رہی۔

انتظام مملکت سلیمان خاندان عثمانیہ کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ اس لیے اسے سلیمان اعظم کہتے ہیں۔ چونکہ اس نے سلطنت کو نئے قوانین کے ماتحت اعلےٰ پیمانے پر منظم کر دیا تھا، اس وجہ سے "سلیمانِ قانونی" کا نام پایا۔ اس کے عہد میں سلطنت کی آمدنی بہت بڑھ گئی۔ اگرچہ کوئی نیا محصول رعایا پر نہ لگایا گیا۔ صوبے ولایتوں اور سنجقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ولایت کے والی کو بیگلر بیگی اور سنجق کے حاکم کو میر میراں کہتے تھے۔ سلیمان کے زمانے میں باقاعدہ فوج تین لاکھ پر پہنچ گئی۔ زمین کا مالیہ شہزادوں، وزیروں اور دوسرے کارکنوں کی تنخواہوں میں خرچ ہوتا تھا۔

ولایتیں اس کے تمام قوانین شریعت پر مبنی تھے۔ ذمیوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اس کے دائرہ حکمرانی کو تین حصوں میں

تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) وہ حصّہ جو براہ راست سلطان کے زیر انتظام تھا۔ یہ چوبیس ولایتوں میں بٹا ہوا تھا۔ چار ولایتیں یورپ میں تھیں اور بیس ایشیا اور افریقہ میں۔ ہر ولایت میں کئی سنجقیں تھیں۔

(۲) وہ حصّہ جو براہِ راست سلطان کے ماتحت نہ تھا۔ لیکن اس پر سلطان کی سیادت قائم تھی مثلاً ہنگری، ٹرانسلوینیا، مالدیویا، ولیشیا، کریمیا۔

(۳) تیسرا وہ حصّہ جہاں سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اہم باتوں میں اسی کے فرمانوں پر عمل ہوتا تھا، لیکن انتظامات مقامی آدمیوں کے ہاتھ میں تھے۔ مثلاً طرابلس الغرب، ٹیونس اور الجزائر۔

تیرھواں باب

دورِ زوال کا آغاز اور اصلاح کی کوششیں

سنہ ۱۵۶۶ء ــــ سنہ ۱۹۰۹ء

دورِ زوال سلیمان اعظم کے بعد سلیم ثانی بادشاہ بنا اس سے لے کر سلطان عبدالحمید ثانی تک کم و بیش چوبیس بادشاہ ہُوئے۔ ان کے نام اور مدت حکومت خاندان عثمانیہ کے شجرے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس وقت سے سلطنت پر زوال کا دور شروع ہو گیا۔ چونکہ تخت نشینی کے لیے شہزادوں میں جنگ چھڑ جاتی تھی اس لیے یہ دستور ٹھہر گیا تھا۔ کہ جو کامیاب ہوتا وہ اپنے تمام بھائیوں کو قتل کرا دیتا۔ کوئی بھاگ کر بچ جاتا، تو ملک چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا۔ ایسا ہی ایک شہزادہ یوسف تھا جس نے ہندوستان پہنچ کر دکن میں عادل شاہی حکومت قائم کی۔

قتل و خون کو روکنے کے لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ خاندان میں سے جو شخص عمر میں بڑا ہو وہ تخت پر بیٹھے۔ اس طرح قتل کا سلسلہ تو رُک گیا۔ لیکن ہر حکمران خاندان کے تمام قابلِ ذکر آدمیوں کو قید کر دیتا تاکہ کوئی دعوے دار سلطنت نہ بن جائے۔ اس زمانے میں ینی چری فوج کے سالار تمام معاملات کے مختار بن گئے، جسے وہ چاہتے تخت پر بٹھا دیتے اور جسے چاہتے اتار دیتے۔ سلطنت میں لغاوتیں بھی ہوتی رہیں۔ علاقے بھی چھٹتے گئے۔

سلیم ثالث سلیم ثالث خاندان عثمانیہ کا اٹھائیسواں بادشاہ تھا۔ سنہ ۱۷۸۹ء میں تخت نشین ہُوا۔ اسی سال فرانس میں انقلاب بپا ہُوا تھا۔ سلیم نے

حالات کو سدھارنے کی کوشش کی - جو قواعد وضوابط دو سو برس پہلے بن چکے تھے اور اپنے وقت پر بہت اچھے ہوں گے، ان سے بال برابر ادھر ادھر ہونا گناہ سمجھا جاتا تھا - خصوصاً ینی چری فوج کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی - اس میں بدنظمی پھیلی ہوئی تھی - وہ بادشاہوں کو تخت پر بٹھاتے یا اتارنے اور حرم کی سازشوں کو پایۂ تکمیل پر پہنچانے میں بڑی سرگرم تھی - لیکن میدان جنگ میں کوئی کام نہیں دے سکتی تھی اس لیے کہ اس کی تنظیم کے طریقے بہت پرانے ہو چکے تھے -

سلیم نے اصلاحات کا بیڑا اُٹھایا - نئے اصول پر جگہ جگہ جنگی سکول قائم کیے - فنونِ جنگ کی کتابوں کے ترجمے ترکی میں کرائے - یورپی ملکوں سے آدمی بلا کر فوجی تربیت کے لیے ملازم رکھے - اس سلسلے میں نپولین بھی ترکی آنے کا فیصلہ کر چکا تھا، اس لیے کہ انقلابی حکمرانوں نے اُسے جمہوریہ فرانس کے خلاف سازش کے شبہ میں فوج سے برطرف کر دیا تھا لیکن سوءِ اتفاق سے اس کا آنا رُک گیا - سلیم نے توپیں ڈھالنے کے کارخانے بھی قائم کیے - نئے اصول پر پہلا فوجی دستہ ۱۷۹۵ء میں تیار ہوا - اس کی تعداد بارہ ہزار تھی اور ایک نومسلم انگریز کو اس کا سالار بنا دیا گیا جس کا نام مصطفےٰ تھا -

نپولین کا حملہ اس اثنا میں نپولین اٹلی کی مہم میں یورپ کا نامور ترین جرنیل بن چکا تھا اور ۱۷۹۸ء میں وہ چھتیس ہزار فوج لے کر مصر پر حملہ آور ہوا - اس کی غرض یہ تھی کہ مصر کو فتح کر کے فرانس کے لیے ہندوستان پہنچنے کا راستہ صاف کر دے -

دولت عثمانیہ کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر مملوک امرا نے مصر میں خود مختار حکومت کی بنیاد رکھ دی تھی - انھوں نے نپولین کا مقابلہ کیا اور شکست کھائی - پھر نپولین شام کی طرف بڑھا - غزہ، رملہ اور یافا

کو فتح کرتا ہوا عکہ[1] پہنچ گیا - انگریز اس موقع پر ترکی کے مددگار تھے - عکہ سے نپولین واپس ہوا - اس اثنا میں انگریز امیر البحر نیلسن نے نپولین کے جہازوں کو، جو نیل کے دہانے پر کھڑے تھے ابوقیر[2] کی جنگ میں بری طرح تباہ کردیا اور نپولین کے لیے آگے بڑھنے یا واپس جانے کی کوئی صورت نہ رہی -

اچانک اسے خبر ملی کہ اٹلی کی مہم میں اس نے جو فتوحات حاصل کی تھیں، اس کی غیر حاضری میں وہ ساری برباد ہوگئیں - وہ پانسو آدمیوں کو لے کر بچتا بچاتا فرانس پہنچ گیا اور وہاں اپنی حکومت قائم کرلی - اس کی فوج مصر ہی میں تباہ ہوگئی -

سلطان سلیم کی معزولی اس زمانے میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نے نجد میں دینی اصلاح کی تحریک جاری کی تھی جس میں خاندان سعود شامل ہوگیا اور اس تحریک سے عرب میں ایک نئی قوت سے ظہور ہوا - لیکن اس کے حالات ہم آگے چل کر بیان کریں گے - سلطان سلیم ہی کے پاس ٹیپو سلطان فرمانروائے مصر نے اپنے ایلچی بھیجے تھے - لیکن مصیبت یہ پیش آئی کہ ٹیپو سلطان کو ہندوستان میں انگریزوں سے جنگ درپیش تھی اور وہ فرانسیسیوں کو اپنا مددگار سمجھتا تھا - ادھر ترکی میں انگریزوں کو دوست سمجھا جاتا تھا اور نپولین کے حملۂ مصر نے فرانسیسیوں کو اسلام کے دشمن بنا دیا تھا - نتیجہ یہ نکلا کہ ٹیپو سلطان کو ترکوں سے کوئی مدد نہ مل سکی اور وہ سرنگا پٹم کی جنگ میں شہید ہوگیا - اس کی شہادت سے ہندوستان میں انگریزی حکومت کے لیے بے خلش بساطِ سلطنت بچھا لینے کا موقع پیدا ہوگیا -

سلطان سلیم کی اصلاحات نے پرانے خیالات کے تمام ترکوں کو

ABOUKIR [2]   ACRE [1]

اس کا دشمن بنا دیا۔ ۱۸۰۷ء میں اُسے تخت سے اتار دیا گیا۔

سلطان محمود ثانی	سلیم کے بعد مصطفےٰ (چہارم) یہ اقرار کرکے تخت پر

بیٹھا کہ سلیم کی ساری اصلاحات منسوخ کر دی جائیں گی۔ اس پر اصلاحات کے حامی مصطفےٰ کے دشمن بن گئے اور اُسے تخت سے اتار کر سلیم کو دوبارہ بادشاہ بنانے لگے۔ یہ دیکھ کر محل کے دشمنانِ اصلاحات نے سلیم کو قتل کرا دیا اور محمود ثانی ۱۸۰۸ء میں بادشاہ بنا جو عام طور پر محمود مصلح کے نام سے مشہور ہے اِس لیے کہ اس نے سارا پُرانا نقشہ بدل دیا۔

محمود نے مشیروں کی ایک کونسل بلائی۔ اصلاحات کا نقشہ تیار کیا سکول جاری کیے، انتظام کے طریقے بدلے۔ فوج نئے سرے سے مرتب کی۔ ینی چری فساد اٹھاتے رہتے تھے، محمود نے ان کے بڑے بڑے سرداروں کو قتل کرا دیا اور ینی چری فوج توڑ ڈالی۔

اس زمانے تک ترکوں کا لباس بھی پرانا تھا اور وہ بڑی بڑی پگڑیاں باندھتے تھے۔ محمود نے یورپی لباس اختیار کیا اور پگڑی اتار کر وہ ٹوپی پہننے لگا جو بعد میں "ترکی ٹوپی" کے نام سے مشہور ہوئی۔

اس کے عہد میں مصر میں محمد علی پاشا نے مستقل حکومت کی بنیاد رکھی۔ یونان میں ترکی سے آزادی کی تحریک چلی۔ ترکوں نے یونانیوں کو شکست دے کر دبا دیا۔ ساری شورش مٹ گئی۔ لیکن یورپی طاقتوں نے جن میں سے انگریز اور روس پیش پیش تھے بیچ میں پڑ کر یونانیوں کو آزادی دلا دی۔ البتہ یہ پابندی لگا دی کہ وہ خراج دیتے رہیں۔ اسی زمانے میں فرانس نے الجزائر پر قبضہ کیا۔ بوسنیا اور البانیا میں بغاوتیں ہوئیں۔

متفرق واقعات	محمود مصلح ۱۸۳۹ء میں فوت ہوا اس کے بعد

سلطان عبد المجید اول، سلطان عبد العزیز اور سلطان مراد خامس (پنجم) تخت نشین ہوئے۔ عبد المجید اول کے عہد میں روس کے ساتھ جنگ چھڑی جو جنگِ کریمیا کہلاتی ہے۔ اس جنگ میں فرانس اور انگلستان نے ترکی کا ساتھ دیا۔ یہ دسمبر ۱۸۵۵ء میں ختم ہوئی۔ ۳۰ر مارچ ۱۸۵۶ء کو پیرس میں معاہدۂ صلح ہوا۔ اس کے مطابق روس نے اقرار کیا کہ وہ سلطنت ترکیہ کے مسیحیوں کی حمایت کا دعوےٰ نہیں کرے گا۔ بحیرۂ اسود میں تمام ملکوں کے تجارتی جہازوں کو جانے آنے کی آزادی مل گئی۔ جنگی جہازوں کے لیے جانے آنے پر پابندیاں لگا دی گئیں۔ عبد المجید اول کے عہد میں مصطفےٰ رشید پاشا نے اصلاحات کی سکیم منظور کرائی جو تنظیمات کے نام سے مشہور ہے۔

عبد العزیز کے عہد میں مدحت پاشا نے دستوری حکومت کا نقشہ تیار کیا۔ پارلیمنٹ بن گئی۔ اصلاحات شروع ہوئیں۔ پھر عبد العزیز کے دل میں خدا جانے کیا آئی کہ دستور کو توڑ کر مطلق العنانی اختیار کر لی۔ اس زمانے میں ترکی میں پہلی خفیہ سوسائٹی کی بنیاد پڑی۔ اس کا نام "نوجوان عثمانی" تھا۔ مدحت پاشا نے عبد العزیز کی معزولی کا فتوےٰ لیا اور اس کی جگہ مراد خامس بادشاہ بنایا۔ اس کا دماغ درست نہ تھا۔ اس لیے وہ بھی معزول ہوا۔ ۱۸۷۶ء میں سلطان عبد الحمید ثانی تخت نشین ہوا۔

سلطان عبد الحمید | سلطان عبد الحمید نے تخت پر بیٹھنے کے چھ ہفتے بعد مدحت پاشا کو وزارت سے ہٹا دیا۔ اس دور اندیش اور مدبّر ترک نے باقی عمر قید میں کاٹی اور قید ہی میں اسے مروا دیا گیا۔

روس نے ترکی کے ساتھ لڑائی چھیڑ دی۔ اس میں زبردست معرکے ہوئے جن میں سے پلونا کا معرکہ ترکی کی تاریخ کا ایک شاندار باب ہے۔ اس میں غازی عثمان پاشا نے بڑی مردانگی دکھائی تھی۔ لیکن روسی فوجیں بڑھتی بڑھتی درِ دانیال پہنچ گئیں۔ اس پر یورپی طاقتوں کی آنکھیں کھلیں اور انھیں

صاف نظر آنے لگا کہ اگر کوئی تدبیر نہ کی گئی تو روس قسطنطنیہ اور درۂ دانیال پر قابض ہو جائے گا۔

معاہدۂ برلین بڑی طاقتوں کی ایک کانفرنس برلین میں پرنس بسمارک کی صدارت میں ہوئی۔ وہاں ۱۸۷۸ء میں ایک معاہدہ ہوا جس کی بہت سی دفعات تھیں۔ زیادہ قابل امر یہ تھا کہ اسی کانفرنس میں بلغاریا۔ سردیا رومانیا اور مونٹی نیگرو کو ترکی کے قبضے سے آزاد کرانے کا فیصلہ ہوا۔ آسٹریا کو بوسینیا میں عمل دخل کا موقع دے دیا گیا۔ روس سے اقرار لیا گیا کہ اُسے بلقانی مسیحیوں کا سرپرست اور ترجمان بننے کا کوئی حق نہیں۔

اس کے بعد سلطان نے اصلاحی سکیموں کے لیے یورپی ماہرین ملازم رکھے پھر اُنھیں موقوف کردیا پارلیمنٹ یہ کہہ کر توڑ دی گئی کہ ترک ابھی پارلیمنٹ کے اہل نہیں ہوئے۔

نوجوان ترک اس کے بعد سلطان اور قوم میں سخت اختلاف ہوگیا۔ سلطان کے دل میں شبہات بڑھتے گئے اور وہ جاسوسوں پر زیادہ بھروسا کرنے لگا۔ قوم کے دل میں سلطان کے متعلق بے اعتمادی پیدا ہوگئی۔ اسی زمانے میں نوجوان ترکوں کی تحریک پیدا ہوئی جن کی بنائی ہوئی انجمن اتحاد و ترقی نے دنیا بھر میں شہرت پائی۔ محمود شوکت پاشا، طلعت پاشا، انور پاشا، مصطفےٰ کمال پاشا اس تحریک کے سرگرم رہنماؤں میں سے تھے۔

۱۹۰۷ء میں افواہ اُڑی کہ روس، برطانیہ اور فرانس نے ترکی کے حصے بخرے کر لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ پھر روس، اٹلی اور آسٹریا نے ایک خفیہ معاہدہ کیا جس میں فیصلہ ہوا کہ بلغاریہ روس کے حلقہ اثر میں رہے۔ مقدونیا اور سربیا آسٹریا کے حلقہ اثر میں ہوں۔ البانیا اور یونان کو اطالوی حلقہ سمجھا جائے اس کے ساتھ ہی بلغاریہ نے آزادی کا اعلان کردیا اور آسٹریا نے ہرزی گونیا پر قبضہ کرلیا۔

معزولی اور وفات سلطان سلطنت کو بچانے کے لیے کوئی قدم نہ اٹھا سکا۔ عوام کے جذبۂ آزادی کو کچلنے کے لیے رہنمایانِ آزادی کو قتل کراتا رہا۔ اپریل

۱۹۰۹ء میں فوج نے بغاوت کی۔ محمود شوکت پاشا قسطنطنیہ پہنچا۔ سلطان عبدالحمید کو تخت سے اتار کر اس کے بھائی کو سلطان محمد خامس کے لقب سے بادشاہ بنایا اور ترکی میں دستوری حکومت قائم ہوگئی۔ ۱۱ جنوری ۱۹۱۸ء کو عبدالحمید نے سالونیکا میں بہ حالت نظر بندی وفات پائی۔

چودھواں باب

سلطانی کا خاتمہ اور جمہوریت کا قیام

یورپی طاقتوں کی فتنہ انگیزیاں دستوری حکومت میں ترکوں کے لیے ملک کے انتظامی حالات کو درست کرنے کا بڑا اچھا موقع پیدا ہوگیا تھا۔ لیکن یورپی طاقتوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ترکی کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا جائیگا۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۱۱ء میں اٹلی کو ابھار کر طرابلس پر حملہ کرادیا۔ نوجوان ترکوں کے لیے طرابلس پہنچنے کی بہ ظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ انور پاشا مصطفےٰ کمال پاشا، عصمت پاشا اور دوسرے غازی بھیس بدل کر مصر کے راستے پہنچے اور طرابلس کے عربوں کو منظم کر کے اٹلی کے چھکے چھڑا دیے۔ یورپی طاقتوں نے اپنے پٹھو اٹلی کو طرابلس میں پٹتے دیکھا تو بلقانی ریاستوں کو شہ دے کر جنگِ بلقان شروع کرادی۔ نوجوان ترکوں نے ہمت نہ ہاری۔ وہ ہر مصیبت کا مقابلہ مردانہ وار کرتے رہے۔ جنگِ بلقان چھڑ جانے پر ترکوں نے طرابلس کو آزادی دے دی اور اپنی پوری قوت بلقانیوں کے مقابلے میں لگادی۔ بلقانیوں کے قدم جہاں جہاں پہنچے اُنھوں نے مسلمان آبادیوں پر خوفناک ظلم کیے۔ آخر یورپی طاقتوں نے صلح کرائی اور ترکی کے بہت سے یورپی علاقے بلقانی ریاستوں کو دلا دیے۔

پہلی جنگِ یورپ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ یورپ چھڑی جس میں روس، برطانیہ اور فرانس ایک طرف تھے، جرمنی اور آسٹریا دوسری طرف۔ یہ معلوم تھا کہ روس، برطانیہ اور

فرانس نے ترکی کے حصے بخرے کر لینے کا خفیہ معاہدہ کر رکھا ہے اور قسطنطنیہ کو روس کے حوالے کرنے کا اقرار ہو چکا ہے۔ ترکوں کو صرف جرمنی سے ہمدردی اور انصاف کی توقع تھی۔ چنانچہ انھوں نے جنگ میں جرمنی کا ساتھ دیا۔ برطانیہ نے ایک طرف مصر میں ترکی کی برائے نام سیادت بھی ختم کر دی۔ دوسری طرف حجاز میں شریف حسین کو ہر قسم کی مدد دے کر ترکوں کے خلاف کھڑا کر دیا۔ انگریزی جہازوں نے درہ دانیال پر حملہ کیا اور گیلی پولی میں فوجیں اتار دیں۔ وہاں مصطفیٰ کمال پاشا نے انگریزوں کو فاش شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔

اتحادیوں نے اگست ۱۹۱۷ء میں فیصلہ کیا کہ آرمینیا، مشرقی اناطولیہ قسطنطنیہ اور درہ دانیال روس کو دے دیے جائیں۔ حیفا اور بغداد برطانیہ کو، اسکندریہ اور موصل فرانس کو، مغربی اناطولیہ اٹلی کو اور فلسطین تمام اتحادیوں کی نگرانی میں رہے۔

جنگ کے دوران میں سلطان محمد خامس نے وفات پائی اور اس کی جگہ سلطان وحید الدین محمد سادس کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

اتحادیوں نے امریکہ کو بھی ساتھ ملا لیا۔ اٹلی بھی اُن کے ساتھ ہو گیا۔ جرمنی اور اس کے حلیفوں نے شکست کھائی۔ طلعت پاشا وزیر اعظم اور انور پاشا وزیر جنگ برلین چلے گئے۔ سلطان وحید الدین نے جو نئی حکومت بنائی اس نے اتحادیوں سے صلح کر لی۔ قسطنطنیہ اور درہ دانیال پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا۔

اتحادیوں کی بد عہدی ترکی نے پریذیڈنٹ ولسن کے چودہ اصول کی بنا پر صلح کی تھی، جن کی رو سے قومی آزادی کا حتمی اقرار کر لیا گیا تھا۔ روس میں جنگ کے دوران میں انقلاب برپا ہو گیا تھا۔ جس میں زاروں کی حکومت ختم ہو گئی اور زار نکولس دوم اپنے کنبے سمیت مارا گیا۔ اب اتحادیوں

کو یہ تشویش ہوئی کہ ترکی کا فیصلہ کیوں کر کیا جائے۔ وہ کسی بات پر متفق نہ ہو سکے۔ اس اثنا میں انگریزوں نے یونان کو اُٹھا کر اناطولیہ پر حملہ کرا دیا۔ یونانی فوج امریکہ، فرانس اور برطانیہ کے بیڑوں کی حفاظت میں ۱۵ مارچ ۱۹۱۹ء کو اناطولیہ پہنچی اور ہولناک قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بڑے بڑے ترک سردار قید تھے۔ قسطنطنیہ اور درہ دانیال پر اتحادی قابض تھے۔

وطنی تحریک یہ حالات دیکھ کر غازی مصطفےٰ کمال پاشا قسطنطنیہ سے نکلے۔ مشرقی اناطولیہ، خصوصاً طرابزون اور ارض روم میں قومی تنظیم اور آزادیٔ وطن کا ابتدائی بندوبست کیا اور قومی دفاع کا جھنڈا بلند کیا۔ جولائی ۱۹۱۹ء میں مصطفےٰ نے قومی نمایندوں کا ایک جلسہ ارض روم میں بلایا۔ اس میں قومی مقاصد اور قومی آزادی کا پروگرام بنا۔ تین مہینے بعد ایک اور جلسہ منعقد ہوا جس میں مغربی اناطولیہ کے نمایندے بھی شریک تھے۔ اس جلسے میں ارض روم کے فیصلوں کی تصدیق ہوئی۔ ۱۹۲۰ء میں قسطنطنیہ میں نئی پارلیمنٹ بنی تو اس میں بھی قومی مقاصد کے حامیوں کی اکثریت تھی۔ اس پارلیمنٹ نے ارض روم کے "قومی میثاق" کی تصدیق کر دی۔ اس میثاق کی بڑی بڑی دفعات یہ تھیں:

۱۔ عربوں کے لیے حق خود مختاری کا اعتراف۔

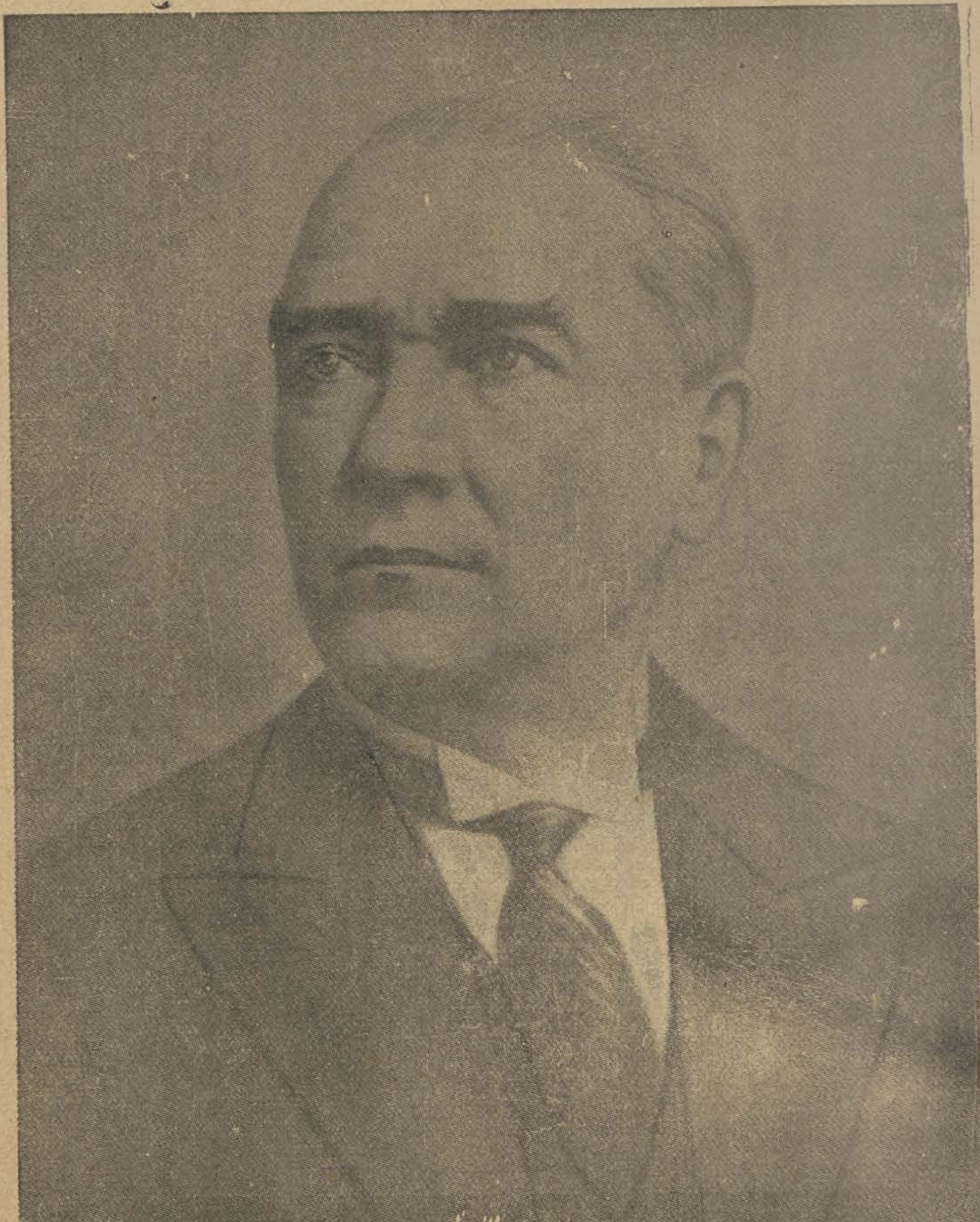
۲۔ اناطولیہ، مشرقی تھریس اور موصل کی آزادی

۳۔ قسطنطنیہ کو جنگی نقطہ نگاہ سے محفوظ کر دینا۔

۴۔ درۂ دانیال میں تجارتی جہازوں کے آنے کی آزادی۔

۵۔ اقلیتوں کے لیے اُنھیں حقوق کا انتظام جو دوسرے ملکوں میں اُنھیں حاصل ہیں۔

۶۔ غیر ملکیوں کو جو خاص رعایتیں حاصل تھیں اُن کا خاتمہ۔



کمال اتاترک

۷۔ قومی قرضے کا مناسب فیصلہ۔

بزورِ شمشیر آزادی مصطفےٰ کمال نے فوراً انتخابات کا اعلان کر دیا۔ اس طرح مجلس ملیہ منتخب ہوئی۔ قسطنطنیہ کے مقابلے میں نئی حکومت بن گئی جس کا مرکز انگورہ (انقرہ) قرار پایا۔ اتحادیوں نے ترکی کے مستقبل کا فیصلہ خود ہی کر کے سلطان وحیدالدین سے ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء کو دستخط لے لیے۔ اس کے مطابق ترکی کی آزادی ختم ہوتی تھی۔ مجلس ملیہ نے اس معاہدے کو رد کر دیا۔ روس نے ترکی کی قومی حکومت سے الگ معاہدہ کر کے قارص، اردہان اور ارتوین کے علاقے ترکوں کو دے دیے۔ ادھر فرانس نے الگ صلح کر لی۔ انگریزوں نے یونان کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ مصطفےٰ کمال نے سکاریا کے کنارے یونانیوں کو فاش شکست دی وہ جانیں لے کر بھاگے۔ ترک ستمبر ۱۹۲۲ء میں سمرنا پہنچ گئے۔ یونانی تسلط کا خاتمہ ہوگیا۔ سلطان وحیدالدین بھاگ گیا اور اس کی جگہ سلطان عبدالمجید ثانی تخت نشین ہُوا۔

معاہدۂ لوزان اب اتحادی مجبور ہوئے کہ ترکوں کی قومی حکومت سے معاہدہ کریں۔ لوزان (سوٹزرلینڈ) میں ترک نمایندوں اور اتحادی نمایندوں کی گفتگو ہوئی۔ ۴۔ جون ۱۹۲۳ء کو عہد نامہ ہوگیا۔ جس کے رُو سے ترکوں کو اپنے علاقوں میں کامل آزادی مل گئی۔ یہ عہد نامۂ لوزان کہلاتا ہے۔ نئی حکومت نے انقرہ ہی کو مرکزِ حکومت رکھا۔ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو سلطنت اور خلافت ختم کر دی گئی - ترکی میں جمہوری حکومت کا اعلان ہوگیا۔ غازی مصطفےٰ کمال اس کے پہلے صدر بنے۔ سلطان عبدالمجید خاں نے جو آلِ عثمان کا آخری حکمران تھا، زندگی کے باقی دن فرانس میں گزارے اور وہ وہیں فوت ہُوا۔

ترقیات غازی مصطفےٰ کمال نے جنھیں قوم اتاترک (بابائے قوم ترک)

کہتی ہے - ہر صیغے اور ہر شعبے میں اصلاحات کیں - ترکی کو جلد ایک زبردست قومی قوت بنا دیا - فوج اعلیٰ پیمانہ پر پہنچ گئی - کارخانے جاری ہو گئے، زراعت نے ترقی پائی - تعلیم عام ہو گئی - جن ترکوں کو یورپ والوں کی نظروں میں پہلے کوئی وقعت نہ تھی - آج اُن کی عزّت کے سامنے سب کی گردنیں جھکتی ہیں۔

غازی مصطفےٰ کمال کی وفات پر غازی عصمت اینو نو صدر بنے۔ آج کل جلال صدر ہیں۔

تبصرہ | ترکی سلطنت کے نظام حکومت کا سرسری خاکہ ہم سلیمان اعظم کے عہد حکومت کے ضمن میں پیش کر چکے ہیں۔ یہاں چند اور باتیں کہنا چاہتے ہیں:

(۱) ترکی سلطنت مسلمانوں کی آخری اور سب سے بڑی سلطنت تھی بحری و بری قوت، مال و دولت، جاہ و جلال اور عظمت و ہیبت میں اس جیسی سلطنتیں دنیا میں بہت کم ہوئی ہیں۔

(۲) ترک چھ سو برس تک یورپ کے مقابلے میں نہ صرف اسلام بلکہ پورے ایشیا کی طرف سے حفاظت کی ڈھال بنے رہے۔

(۳) وہ اپنی شجاعت، شرافت اور خدمتِ حرمین کے باعث ساری دنیائے اسلام کی نظروں میں حد درجہ محبوب بن گئے اور آج بھی ان کی یہ محبوبیت بدستور باقی ہے۔

(۴) انھوں نے اپنی سلطنت میں غیر مسلموں کے ساتھ ہمیشہ ایسا برتاؤ کیا، جس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ اپنے دَورِ عظمت میں غیر مسلموں کے لیے خاص رعایتوں کا انتظام کر دیا، جو آگے چل کر ترکی سلطنت کے لیے ایک بہت بڑی مصیبت کا باعث بن گئیں اور غازی مصطفےٰ کمال نے انھیں ختم کیا۔

(۵) وہ علوم و فنون کی سرپرستی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ان میں سے کئی سلطان خود اعلےٰ درجے کے ادیب اور شاعر تھے۔ مثلاً سلطان فاتح، سلطان سلیم۔

ترکی ادب ترکوں میں ادبی ذوق نے آہستہ آہستہ نشو ونما پائی۔ پھر اُن میں بڑے باکمال شاعر پیدا ہوئے۔ ابتدا میں ان کی شاعری فارسی شاعری سے مشابہ تھی۔ جب مغربی خیالات پھیلے، تو اس دور میں نامق کمال، حامد، توفیق فطرت اور محمد عاکف جیسے شاعر پیدا ہوئے جنھوں نے پرانے رنگ کو چھوڑ کر جوشِ عمل کے ترانے سنائے اور قوم میں زندگی کی نئی روح پیدا کردی۔

نثر کا رواج ابتدا میں نہیں تھا۔ پہلے پہل انوارِ سہیلی کا ترجمہ ترکی زبان میں ہوا۔ پھر دینیات، تاریخ اور ادب میں کتابیں لکھی گئیں۔ پہلا مطبع ۱۷۲۸ء میں قائم ہوا۔ اب وہاں بیسیوں اعلےٰ درجے کے اخبار اور رسالے نکلتے ہیں۔

پندرھواں باب

مصر کا عہدِ جدید

محمد علی پاشا ہم مصر کے حالات نپولین کے حملے تک بیان کر چکے ہیں۔ اس کے بعد ملک میں کئی سال تک افراتفری رہی۔ آخر محمد علی پاشا نے ۱۸۱۱ء میں حکومت مصر کا فرمان حاصل کر لیا۔ یہ البانیہ کا باشندہ تھا۔ ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوا۔ نپولین کے مقابلے کے لیے ترکی نے جو فوج مصر بھیجی تھی اس میں یہ شامل تھا۔ ابوقیر کی جنگ میں بھی حصّہ لیا۔ پھر اسے چار ہزار سپاہیوں کا افسر بنا دیا گیا۔ اپنی شجاعت اور حسن تدبیر کی بدولت فوج میں اس قدر ہردلعزیز ہو گیا کہ اسے مصر جیسے زرخیز ملک اور اہم صوبے کی حکومت مل گئی۔

مملوکوں کی قوت اس وقت تک بھی خاصی تھی۔ وہ انتظام کا نقشہ جمنے نہیں دیتے تھے۔ محمد علی نے ان کے سرداروں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر ملک کا بگڑا ہوا انتظام درست کیا۔ بیچ میں اسے نجدیوں سے جنگ پیش آئی۔ اس کے حالات نجدیوں کی سرگزشت کے سلسلے میں بیان ہوں گے۔

عہدِ حکومت محمد علی نے مشرقی سوڈان کو فتح کیا۔ فوج کے پرانے انتظام کو توڑ کر اسے نئے اصول پر ترتیب دی۔ صنعت وحرفت کو ترقی دی۔ مدارس قائم کیے۔ نہریں جاری کیں۔ کپاس کی کاشت کے بڑھانے پر خاص توجہ مبذول رکھی۔ ملک میں امن کی لہر بہر دیکھی تو یورپی تاجروں نے اپنی تجارتی کوٹھیاں بنا لیں۔ اس طرح محمد علی کے عہدِ حکومت میں مصر پھر اپنی پہلی عظمت کے راستے پر گامزن ہو گیا۔

شجرہ خاندان خدیویہ

- (۱) محمد علی پاشا (۱۸۱۱ء — ۱۸۴۸ء)
  - (۲) ابراہیم پاشا ۱۸۴۸ء (صرف چار ماہ)
    - (۵) اسماعیل پاشا (۱۸۶۳ء - ۱۸۷۹ء)
      - (۶) توفیق پاشا (۱۸۷۹ء - ۱۸۹۲ء)
        - (۷) عباس حلمی پاشا (۱۸۹۲ء - ۱۹۱۴ء)
      - (۸) حسین کمال (۱۹۱۴ء - ۱۹۱۷ء)
      - (۹) شاہ فواد (۱۹۱۷ء)
        - (۱۰) شاہ فاروق
  - طوسون پاشا
    - (۳) عباس پاشا (۱۸۴۸ء - ۱۸۵۴ء)
  - (۴) سعید پاشا (۱۸۵۴ء - ۱۸۶۳ء)

ایک مرتبہ سلطان اور محمد علی کے درمیان کشمکش بھی پیدا ہو گئی اور لڑائی تک نوبت پہنچی لیکن یورپی طاقتوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی ۱۸۴۸ء میں محمد علی کی عمر اسّی برس کی ہو چکی تھی۔ اس کی جسمانی قوت نے جواب دے دیا۔ ابراہیم پاشا نے حکومت سنبھالی۔ وہ صرف چار مہینے کے بعد فوت ہو گیا۔ محمد کے پوتے عباس بن طوسون کو جانشین بنایا گیا۔ ۲؍ اگست ۱۸۴۹ء کو محمد علی نے وفات پائی۔

اسماعیل پاشا

عباس پاشا اور اس کے چچا سعید پاشا نے پندرہ برس حکومت کی۔ سعید کے عہد میں مشہور فرانسیسی انجنیئر فردی نند دی لیپس نے نہر سویز کھودنے کے لیے درخواست دی، لیکن یہ درخواست انگریزوں کی مداخلت کے باعث منظور نہ ہو سکی۔ مصر کا بنک کھلا۔ ۱۸۶۳ء میں ابراہیم پاشا کا بیٹا اسماعیل جانشین ہوا۔ اس نے سلطان ترکی سے خدیو کا لقب حاصل کیا اور اس شکریے میں سات لاکھ بیس ہزار پونڈ خراج دینے کا اقرار کیا۔ اسماعیل نے سلطان سے یہ اجازت بھی حاصل کر لی کہ بیرونی سلطنتوں کے ساتھ جس طرح مناسب سمجھے معاہدہ کرے۔ گویا مصر عملاً خود مختار بن گیا۔

اسماعیل بڑا فضول خرچ اور کوتہ اندیش آدمی تھا۔ اسے بے حد شوق تھا کہ مصر یورپی ملکوں جیسا بن جائے۔ قرض لے لے کر ملک کو زیر بار کرتا رہا۔ اس کے عہد میں مصر میں ریل، تار برقی وغیرہ کا اجرا ہوا۔ اسی کے عہد میں نہر سویز بنی۔ لیکن ملک کی مالی حالت بگڑتی گئی۔ قرض بڑھتا گیا۔ آخر اسماعیل نے نہر سویز میں اپنے حصے چالیس لاکھ پونڈ میں حکومت برطانیہ کے ہاتھ فروخت کر کے کچھ قرض اُتارا۔

اسماعیل کے عہد میں یورپی طاقتوں کو مصر کے معاملات میں دخل دینے کا موقع ملا تو آہستہ آہستہ انھوں نے پاؤں جما لیے۔ قرضوں کا مطالبہ ہوا ان کی تحقیقات کے لیے کمیشن مقرر ہوئے۔ یہاں تک کہ خدیو کی ذاتی

جایداد کو بین الاقوامی نگرانی میں لے لیا گیا۔

سید جمال الدین افغانی

یہی زمانہ ہے جب سید جمال الدین افغانی مصر پہنچے۔ وہ بڑے بے باک اور حق گو تھے۔ مصر کی حالتِ زار دیکھ کر ان کے دل کو بہت رنج ہوا۔ انھوں نے اسماعیل کی بدنظمیوں پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ مصریوں کی ایک جماعت ان کے گرد جمع ہو گئی۔ سید کا ذکر اسماعیل کے بیٹے توفیق پاشا تک پہنچا تو اس نے اقرار کیا کہ اگر مجھے حکومت کا موقع ملے تو سارے حالات درست کر دوں گا۔ اور کوئی کام سید کے مشورے کے بغیر نہیں کروں گا۔ اسماعیل کے خلاف تحریک جاری ہوئی اسے تخت سے اتار دیا گیا اور توفیق پاشا مسند نشین ہوا۔ توفیق نے حکومت پاتے ہی سارے وعدے توڑ ڈالے بلکہ سید کو مصر سے نکال دیا۔

عرابی پاشا

انگریزوں اور فرانسیسیوں کا اثر مصر میں بہت بڑھ گیا تھا مالی معاملات کے مختار وہی بن گئے تھے ملک کی آزادی خطرے میں پڑی تو محبانِ وطن اسے بچانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس تحریک کے سرخیل کرنل احمد پاشا عرابی تھے۔ عرابی کو وزیر جنگ بنا دیا گیا۔ انگریزوں نے جب دیکھا کہ مصر ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے تو فوج لے کر آ گئے۔ عرابی نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور گرفتار ہو گیا۔ اس نے کئی سال سیلون میں بہ حالت جلاوطنی و نظر بندی گزاری۔ اس طرح ۱۸۸۳ء سے مصر میں انگریزوں کے قدم جم گئے اور وہ سارے ملکی امور پر قابض ہو گئے۔

مصری سوڈان

مصریوں نے سوڈان پر قبضہ جمانے کی بڑی کوششیں کیں۔ ان کے ماتحت بردہ فروش سوڈان کے ہر حصے میں پھیل گئے۔ پھر وہاں ایک پاکباز نیک طبع آدمی نے اصلاحی تحریک جاری کی اس کا نام محمد احمد تھا وہ مہدی سوڈان کے لقب سے مشہور ہے محمد احمد کی تحریک نے سارے سوڈانیوں

میں مذہب اور آزادی کا جوش پیدا کر دیا۔ تھوڑی ہی مدت میں مہدی مصر و برطانیہ کی فوجوں کو شکست دے کر سوڈان پر قابض ہو گیا۔ افسوس کہ اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ مہدی نے جو حکومت قائم کی تھی وہ درویش حکومت کہلاتی ہے۔ ۱۸۹۸ء میں اس حکومت کا خاتمہ ہوا۔

مصر میں قومی تحریک

مصر میں قومی تحریک کا بیج تو سید جمال الدین افغانی بو چکے تھے۔ عرابی پاشا اسی تحریک سے پیدا ہوا۔ سید کے رفیق شیخ محمد عبدہٗ مصری نے سیاست کے ساتھ ساتھ دینی اصلاح پر خاص توجہ مبذول رکھی۔ پھر مصطفےٰ کامل کی سرکردگی میں یہ تحریک نوجوانوں میں پھیل گئی۔ سعد پاشا زاغلول بھی سید جمال الدین افغانی کے شاگرد تھے۔ ان کی سرکردگی میں مصر کے اندر آزادی کا عام جوش پیدا ہو گیا۔

بادشاہی اور تحریک آزادی

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ یورپ چھڑی۔ انگریزوں نے مصر کے خدیو عباس حلمی بن توفیق پاشا کو معزول کر کے اس کی جگہ اسماعیل کے بیٹے حسین کامل کو سلطان حسین کے لقب سے مصر کا بادشاہ بنا دیا۔ وہ تین برس کی حکومت کے بعد ۱۹۱۷ء میں فوت ہوا تو اس کا چھوٹا بھائی احمد فواد تخت حکومت پر بیٹھا۔ جنگ ختم ہوئی تو آزادی کی تحریک چل پڑی۔ اس کے رہنما سعد پاشا زاغلول تھے۔ انھوں نے ایک قومی مجلس بنائی اور آزادی کی کوشش کے سلسلے میں لندن جانے کی اجازت مانگی۔ ان کے مطالبات رد کر دیے گئے تو وہ ایک وفد لے کر پیرس جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ جہاں پہلی جنگ یورپ کے بعد صلح کانفرنس ہو رہی تھی اور ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ اس وقت سے وفد پارٹی کی بنیاد پڑی۔ انگریزوں نے سعد پاشا کو گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیا۔ اس پر ملک میں ہنگامے شروع ہو گئے دیر تک سعد پاشا کے ساتھ گفت و شنید ہوتی رہی۔ ۱۹۲۱ء میں نیا دستور بنا اور صرف یہ اعلان ہوا

کہ مصر اپنے تمام معاملات میں خود مختاری کا حقدار ہے۔ انگریزوں نے اہم معاملات اہلِ ملک کے حوالے نہ کیے۔

اعلان آزادی بڑی کشمکش کے بعد ۲۶ جنوری ۱۹۳۶ء کو برطانیہ اور مصر کے درمیان ایک نیا معاہدہ ہوا جس کے مطابق مصر کی کامل آزادی کا فیصلہ ہوگیا۔ ترکی کی طرح مصر میں بھی فرنگیوں نے بڑی مراعات حاصل کر رکھی تھیں۔ یہ تمام مراعات منسوخ کر دی گئیں۔ ۲۶ مئی ۱۹۳۷ء کو مصر جمیعۃ اقوام کا ممبر بن گیا۔ یہ اس کی کامل آزادی اور برطانیہ کے ساتھ مساوات کا عملی اظہار تھا۔

۱۹۳۶ء میں فواد نے وفات پائی اور شاہ فاروق تخت نشین ہوئے

سولھواں باب

سرگزشتِ ایران

صفوی خاندان | ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہلاکو خاں کی اولاد میں سے پہلے نکودار، اس کے بعد غازان محمود مسلمان ہوا۔ اس خاندان کی حکومت ابوسعید پر ختم ہوگئی۔ پھر ایران میں طوائف الملوکی شروع ہوگئی۔ تیمور نے طوائف الملوکی مٹائی پھر اس کی اولاد میں خانہ جنگی کے باعث ایران مختلف حکومتوں میں بٹ گیا۔ اس تفرقے اور انتشار کو صفوی خاندان نے مٹا کر انسانی تہذیب کے اس پرانے خطّے کی عظمت وشوکت کو نئے سرے سے تازہ کیا۔

امام موسےٰ کاظمؓ کی اولاد میں سے ایک بزرگ صفی الدین اردبیل میں رہتے تھے۔ صفوی خاندان انھیں سے منسوب ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: شاہ اسماعیل بانی دولت صفویہ، ابن حیدر، ابن جنید، ابن ابراہیم، ابن خواجہ علی، ابن صدر الدین موسےٰ، ابن شیخ صفی الدین۔

شاہ اسماعیل | شاہ اسماعیل کے والد نے حکمرانی کے لیے جدوجہد شروع کی۔ مگر وہ ایک جنگ میں مارے گئے۔ شاہ کی عمر چودہ پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ جب سرداری کا منصب انھیں ملا۔ تو انھوں نے مریدوں کو جمع کر کے پہلے حاکم شرواں کو شکست دی اور تبریز پر قبضہ کر لیا۔ پھر عراق اور آس پاس کے علاقے لے لیے۔ اس کے بعد خراسان کی طرف رُخ کیا۔ ترکستان میں اس وقت ازبکوں کا بڑا زور ہو گیا تھا جن کا سردار شیبانی خاں تھا۔ اسی نے بابر اور دوسرے تیموریوں کو ترکستان

سے نکلا تھا وہ خراسان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ۱۵۱۰ء میں شاہ اسماعیل کی جنگ اوزبکوں سے ہوئی۔ اس میں اوزبک شکست کھا گئے اور شیبانی خاں مارا گیا۔ بابر اس وقت کابل پہنچ گیا تھا۔ مشترکہ دشمن کی اسی شکست نے بابر اور شاہ اسماعیل میں دوستی کا رشتہ پیدا کر دیا۔ اسی پرانی دوستی کے بھروسے پر ہمایوں ہندوستان سے شکست کھا کر ملک حاصل کرنے کے لیے ایران پہنچا تھا۔

جنگ چالدیراں

ہم عثمانی ترکوں کے حالات میں جنگ چالدیراں کا حال بیان کر چکے ہیں جو سلطان سلیم اور شاہ اسماعیل کے درمیان ۱۵۱۴ء میں ہوئی تھی۔ اس میں شاہ نے شکست کھائی اور تبریز عثمانیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ شکست کی اصل وجہ یہ نہ تھی کہ شاہ کی فوج نے بہادری اور جانبازی میں کمی کی، اصل وجہ یہ تھی کہ سلیم کے پاس بھاری توپ خانہ تھا اور شاہ کے پاس جنگ کے ایسے آلات نہ تھے۔ اس شکست نے شاہ کے دل کو بہت صدمہ پہنچایا۔ ۱۵۲۴ء میں وہ فوت ہو گیا۔

طہماسپ اور اس کے جانشین

اسماعیل کا جانشین طہماسپ ہوا۔ جو ۱۵۷۶ء تک حکمران رہا۔ اس کے عہد میں ایران کی عام حالت اچھی رہی ہمایوں اسی شاہ طہماسپ کے پاس مدد کے لیے گیا تھا اور بارہ ہزار آدمی لے کر اس نے قندھار و کابل کی سلطنت واپس لی تھی۔ پھر ہندوستان پر بڑھا تھا۔ طہماسپ فوت ہوا تو پھر ایران میں سخت بدنظمی پیدا ہو گئی۔ شاہ کی ایک بیگم پری خانم نے سارے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اور تمام شہزادوں کو قتل کرا دیا۔ شاہ کا ایک بیٹا محمد خدابندہ خراسان میں تھا۔ اس کی نظر کمزور تھی اور وہ کسی کام کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ صرف وہ بچا رہا۔ اس کے کمسن بیٹے عباس کے لیے بھی قتل کا حکم پہنچ چکا تھا۔ لیکن رمضان شریف کی وجہ سے اس حکم پر

عمل ملتوی رہا۔ پھر حکومت کا تختہ الٹ گیا اور عباس نہ صرف سزائے موت سے بچ گیا۔ بلکہ تخت حکومت بھی اسی کو مل گیا۔ یہ صفوی خاندان کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ اسی وجہ سے اسے عباس اعظم کہتے ہیں۔

عباس اعظم عباس اعظم ۱۵۸۷ء میں تخت نشین ہوا۔ وہ اپنی کمزوریوں سے آگاہ تھا اس لیے ترکوں کے ساتھ صلح کرلی اور خراسان کے حالات درست کرنے میں مشغول ہوگیا جس پر ہر سال ازبکوں کے حملے ہوتے رہتے تھے اور قتل و غارت کی وجہ سے رعایا کی حالت بہت ابتر ہوگئی تھی۔

عباس نے تیاری کے بعد ۱۵۹۷ء میں ازبکوں کو شکست دی۔ پھر اس کی زندگی میں ازبک سر اٹھا نہ سکے۔

شاہ نے فوج کو نئے طریقے پر منظم کیا توپخانہ بھی بنالیا۔ ۱۶۰۳ء میں ترکوں سے جنگ کی اور انھیں بھی شکست دے کر آذربائیجان سے نکال دیا۔ مدت کے بعد تبریز پھر صفویوں کے پاس آیا عباس نے قندھار بھی مغلوں سے چھین لیا۔ یہ جہانگیر کے آخری عہد کا واقعہ ہے۔

عباس کے زمانے میں ایران کی عظمت کمال پر پہنچ گئی۔ اس نے اصفہان کو مرکز بنایا اور اسے اتنا عظیم الشان شہر بنا دیا کہ اصفہان کو لوگ "آدھا جہان" کہنے لگے۔ ملک میں امن ہوگیا۔ تجارت خوب پھیلی صنعت و حرفت نے ترقی کی۔ مختلف حکومتوں کے نمایندے اور سفیر شاہ کے دربار میں جمع ہوگئے۔ بیالیس برس کی حکومت کے بعد اس نے ۱۶۲۹ء میں وفات پائی۔

افغانوں کا حملہ عباس کی وفات کے بعد صفوی سلطنت کی حالت آہستہ آہستہ بگڑتی گئی۔ شاہ صفی، عباس ثانی، سلیمان اور حسین یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے لیکن یہ سب کمزور حکمران تھے۔ حسین کے زمانے میں قندھار میں غزنی افغانوں کا زور ہوگیا۔ میر ویس نام ایک افغان سردار

نے ایرانی گورنر کو مار کر قندھار پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس کے بیٹے محمود نے ایران پر ہلہ بولا اور اصفہان جا پہنچا۔ صفوی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ یہ حالت دیکھ کر ایک طرف ترک ایرانی علاقوں میں گھس آئے۔ دوسری طرف روسیوں نے پیش قدمی شروع کر دی۔ بظاہر ایران کی تباہی میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی۔ اس اثنا میں قدرت نے ایک نادر آدمی پیدا کر دیا جس نے ملک کو نہ صرف ان مصیبتوں سے نجات دلائی بلکہ اس کی عظمت کو دوبارہ پہلی حالت پر پہنچا دیا۔ یہ نادر شاہ افشار تھا۔

نادر شاہ نادر بالکل معمولی حیثیت کا آدمی تھا۔ ملک میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ وہ کچھ آدمی اپنے گرد جمع کر کے ڈاکے مارنے لگا۔ جب کافی جمعیت ہو گئی تو حکومت کی داغ بیل ڈال دی۔ پہلے شاہ حسین کے بیٹے شہزادہ طہماسپ کے ساتھ مل کر لڑائیاں کرتا رہا۔ ایک طرف افغانوں کو شکست دے کر ملک سے نکالا۔ دوسری طرف ترکوں کو روکا اور تیسری طرف روسیوں پر ضرب لگائی۔ جب کوئی خطرہ نہ رہا تو خود نادر شاہ کے لقب سے بادشاہ بن گیا۔ پھر اُس نے افغانستان، ہندوستان، بخارا اور خیوا کو فتح کیا۔ ہر ملک کی دولت لوٹ کر ایران لے گیا۔ اس کے عہد میں مشہد مقدس دارالحکومت بنا رہا۔ آخری عمر میں اس کے دماغ میں فتور آ گیا تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر بڑے بڑے درباریوں کو قتل کرا دیتا۔ آخر اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھ سے ۱۷۴۷ء میں مارا گیا۔

کریم خاں زند نادر کی وفات پر پھر ایران کے نظم و نسق کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس عہد میں دو خاندانوں نے عروج حاصل کیا۔ ان میں سے پہلا زند خاندان ہے جس کے سردار کا نام کریم خاں تھا۔ اس نے شیراز کو مرکز بنایا اور حکمرانی شروع کی۔ لیکن بادشاہ کا لقب اختیار نہ کیا بلکہ

"وکیل" کہلاتا رہا۔ شیراز کی پرانی رونق کریم خاں کے عہد میں تازہ ہو گئی۔ وہ ۱۷۹۴ء میں فوت ہوا۔ اسے پورے ایران پر اقتدار حاصل نہ تھا۔

قاچار کریم خاں زند کا رقیب محمد خاں قاچار تھا۔ وہ پہلے مجبور ہو کر کریم خاں کے پاس رہا۔ جب کریم خاں فوت ہوا تو شیراز سے نکل کر اپنے قبیلے میں پہنچا اور آدمیوں کو جمع کر کے لڑائیاں شروع کر دیں۔ آہستہ آہستہ پورے ایران پر قابض ہو گیا۔ اور قاچار خاندان کی بنیاد رکھی جس کا مرکز طہران تھا۔ محمد خاں کے بعد اس کا بھتیجا فتح علی شاہ بادشاہ بنا۔ فتح علی شاہ کے بعد محمد شاہ پھر ناصر الدین شاہ۔ ان میں سے کوئی بھی اونچے درجے کا آدمی نہ تھا۔ ناصر الدین کے عہد میں اجنبیوں کے لیے مداخلت کا دروازہ کھل گیا۔ غیر ملکی کمپنیوں کو ٹھیکے ملنے لگے۔

سید جمال الدین افغانی ناصر الدین شاہ ... ولایت کی سیاحت کے لیے گیا۔ اس زمانے میں سید جمال الدین افغانی بھی ولایت پہنچے ہوئے تھے۔ وہ مصر میں قومی تحریک کا بیج بو چکے تھے اور ہر حلقے میں ان کی شہرت تھی۔ ناصر الدین شاہ انھیں وزیر بنانے کے لیے ساتھ لے آیا۔ سید نے ایران پہنچ کر ملک کی حالت بہت ابتر پائی۔ اس کی درستی میں مشغول ہو گئے۔ لیکن اصلاح کا جو پروگرام بنایا تھا وہ بادشاہ کو پسند نہ آیا اور نہ اس کے خوشامدی درباریوں کو اس سے اتفاق تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ درباریوں نے شاہ کو سید جمال الدین افغانی سے بدظن کر دیا۔ سیدؒ کی صحبت نے ایرانی نوجوانوں کے دلوں میں بھی قومیت کا چراغ روشن کر دیا۔ یہ روشنی پھیلنے لگی تو شاہ نے سید جمال الدین کو زبردستی ملک سے نکال دیا۔ تاہم سید کی جاری کی ہوئی تحریک نہ رکی۔ ۱۸۹۶ء میں ناصر الدین شاہ مارا گیا۔ اور اس کا بیٹا مظفر الدین شاہ تخت نشین ہوا۔

قاچاریوں کا خاتمہ مظفر الدین شاہ نے دستوری حکومت منظور کی۔

اس کے بیٹے محمد علی شاہ کی تربیت روسی اتالیقوں نے کی تھی۔ وہ بادشاہ بنا تو روسیوں ہی کے مشورے پر چلنے لگا۔ اسے روسیوں نے غلط مشورے دے دے کر قوم سے بدظن کر دیا۔ اسی اثنا میں انگریزوں اور روسیوں نے ایک خفیہ معاہدہ کر کے ایران کو دو حلقوں میں بانٹ لیا۔ ایک حلقہ روسیوں کا اور دوسرا انگریزوں کا۔ یہ خبر باہر نکلی تو ملک میں آگ لگ گئی۔ نہ صرف ایرانی مرد بلکہ ایرانی عورتیں بھی ملکی آزادی کو بچانے کے لیے جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر میدان میں نکل آئیں۔ محمد علی شاہ نے بھاگ کر روسیوں کے پاس پناہ لی، اس کے کمسن بیٹے احمد شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا اور دستوری حکومت اطمینان سے ملک کی اصلاح میں لگ گئی لیکن روسیوں نے شرارتیں برابر جاری رکھیں۔ دستوری حکومت نے ایک امریکی ماہر مالیات کو ملازم رکھا تھا کہ ملک کے مالی حالات سدھر جائیں۔ روسیوں نے اس کے کام میں اتنی رکاوٹیں ڈالیں کہ اسے کام چھوڑ کر واپس جانا پڑا۔

رضا شاہ پہلوی

کشمکش جاری رہی اس اثنا میں جنگ یورپ چھڑی جس میں زاروں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ بالشویکوں نے زاروں کے زمانے کے تمام عہد نامے منسوخ کر دیے۔ یعنی روس نے ایران کو اپنے زیر اثر لانے کے لیے جتنی تدبیریں کی تھیں وہ سب ختم ہو گئیں۔ انگریزوں کو بھی اپنی روش بدلنی پڑی۔ اس اثنا میں ایک نئی شخصیت میدان میں آگئی۔ یہ رضا شاہ پہلوی تھے۔

رضا شاہ ایک چھوٹے سے دستے کے کماندار تھے۔ سید ضیاء الدین طباطبائی کی حکومت میں قابلیت کی بنا پر وزیر جنگ رہے۔ انھوں نے فوج کی حالت بہتر بنا دی۔ ملک کا انتظام درست کر دیا۔ پھر وزیر اعظم بن گئے۔ احمد شاہ ولایت میں رہنے لگا تھا۔ ۱۹۲۵ء میں ایران

کی قومی مجلس نے اسے تخت سے اتار دیا اور رضا شاہ کو بادشاہ بنا لیا۔ ان سے پہلوی خاندان کی حکومت کا آغاز ہوا۔

محمد رضا شاہ پہلوی رضا شاہ پہلوی کے عہد میں ایران نے عزت مندانہ زندگی کی نئی کروٹ لی۔ انھیں کے زمانے میں ایران، افغانستان، عراق اور ترکی کے درمیان معاہدۂ اتحاد ہوا۔ اسے معاہدہ سعد آباد اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس پر دستخط شاہ ایران کے قصر سعد آباد میں ہوئے تھے۔ ایشیا کی آزاد اسلامی حکومتوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کی یہ پہلی کوشش تھی۔ دوسری جنگ یورپ میں انگریزوں اور روسیوں کو اس بات کی ضرورت پڑی کہ امریکہ اور انگلستان سے سامان جنگ بآسانی روس پہنچتا رہے۔ اس غرض کے لیے ایران کا راستہ بہت محفوظ و موزوں تھا۔ رضا شاہ اس بات کے روادار نہ تھے کہ ان کی غیر جانبداری کو نقصان پہنچے۔ انگریزوں اور روسیوں نے انھیں تخت سے اتار کر محمد رضا خاں ولی عہد کو بادشاہ بنا دیا۔ یہی محبوب شاہ ایران ہیں جو ۱۹۵۰ء میں پاکستان تشریف لائے تھے۔

سترھواں باب

افغانستان

درانی اور بارک زئی افغانستان کی جدید تاریخ ۱۷۴۷ء سے شروع ہوتی ہے۔ نادر شاہ ایرانی کے سالاروں میں ایک افغان احمد خاں ابدالی بھی تھا۔ شاہ کے قتل کے بعد جب اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوئی تو افغانستان بھی الگ ہو گیا۔ احمد خاں افغانستان واپس آ چکا تھا۔ قوم نے اسے بادشاہ بنا لیا اس طرح افغانستان میں مدت کے بعد ایک مستقل قومی حکومت بنی پھر احمد شاہ کا بیٹا اور پوتے حکمران رہے۔

ابدالیوں کے دو بڑے قبیلے ہیں: ایک درانی، دوسرا بارک زئی احمد شاہ کے پوتے زمان شاہ نے بارک زئیوں کے سردار پایندہ خاں کو قتل کرا دیا۔ اس کے بیٹے شاہ کے خلاف ہو گئے۔ زمان شاہ کی سلطنت جاتی رہی پھر اس کے بھائیوں محمود شاہ اور شاہ شجاع نے حالات کو سدھارنے کی کوشش کی لیکن نہ سدھار سکے اور درانیوں کی جگہ بارک زئی برسر اقتدار آ گئے۔ ان میں سے دوست محمد خاں پہلا حکمران تھا۔ اس کے مرنے کے بعد بیٹوں میں کشمکش شروع ہو گئی۔ جو لمبی مدت تک جاری رہی۔ پہلے شیر علی خاں بادشاہ بنا۔ پھر اس کا بھائی تخت نشین ہوا۔ شیر علی کے عہد میں انگریزوں سے جنگ چھڑ گئی۔ وہ کابل سے مزار شریف چلا گیا تو اس کا بیٹا یعقوب خاں بادشاہ بنا اسے انگریزوں نے نظر بند کر لیا۔ پھر دوست محمد خاں کے پوتے اور شیر علی کے بھتیجے عبدالرحمٰن کو حکومت ملی۔

امیر عبدالرحمٰن عبدالرحمٰن کی ابتدائی زندگی بڑی کشمکش میں گزری۔

خانہ جنگی نے اسے بخارا پہنچا دیا تھا۔ دوسری جنگ افغانستان کے خاتمے پر انگریزوں کو ملک کے انتظام کی کوئی اور اچھی صورت نظر نہ آئی تو ۱۸۸۰ئہ میں عبدالرحمٰن کو بخارا سے بلا کر امیر بنایا۔ اس وقت ملک کی حالت بڑی خراب تھی۔ عبدالرحمٰن نے سارا انتظام درست کیا۔ آہستہ آہستہ خودسر علاقوں کو مسخر کرنے لگا۔ ۱۸۹۱ئہ میں پورا افغانستان اس کے زیر اقتدار آیا۔ پھر اس نے مشرق میں وہ علاقہ بھی فتح کر لیا جو پہلے کافرستان کہلاتا تھا اور آج کل اسے نورستان کہتے ہیں۔ اس علاقے کے تمام لوگ امیر عبدالرحمٰن ہی کے زمانے میں مسلمان ہوئے۔ یہ بہت منتظم، مدبر اور زبردست حکمران تھا۔ بدنظمی کو بڑی سختی سے مٹایا۔ لوگوں پر ایسی ہیبت بٹھا دی کہ اس کا نام ہی سب کو راہِ راست پر رکھنے کے لیے کافی تھا۔ ڈاکے اور چوریاں بند ہو گئیں۔ راستوں میں امن ہو گیا۔ لوگ مالیہ باقاعدہ دینے لگے۔ اکتوبر ۱۹۰۱ئہ میں عبدالرحمٰن نے وفات پائی۔

حبیب اللہ خاں | پھر اس کا بیٹا حبیب اللہ خاں امیر بنا۔ اس کے عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں۔ البتہ انتظامات آہستہ آہستہ نئے اصول پر آتے رہے۔ عبدالرحمٰن کے زمانے ہی سے ملک کی خارجہ پالیسی انگریزوں کے ہاتھ میں آ چکی تھی یہ سلسلہ حبیب اللہ خاں کے زمانے میں بھی قائم رہا۔ ۱۹۰۷ئہ میں حبیب اللہ خاں نے ہندوستان کی سیاحت کی۔ پہلی جنگ یورپ میں جرمنی اور ترکی کی طرف سے ایک وفد افغانستان پہنچا اور امیر کو انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ پر آمادہ کیا۔ لیکن وفد کو کامیابی نہ ہوئی۔ فروری ۱۹۱۹ئہ میں امیر کو جلال آباد کے پاس کسی نے شہید کر دیا جبکہ وہ شکار پر نکلا ہوا تھا۔

امان اللہ خاں | جلال آباد میں حبیب اللہ خاں کے بھائی نصر اللہ خاں کے

ہاتھ پر بیعت ہوگئی - کابل میں امیر شہید کے تیسرے بیٹے امان اللہ خاں نے بادشاہی کا اعلان کردیا - آخر سب نے امان اللہ خاں ہی کو بادشاہ مان لیا۔

امان اللہ خاں نے سب سے پہلے اپنے استقلال کی کوشش کی - اس پر انگریزوں کے ساتھ جنگ چھڑ گئی جو تیسری جنگ افغانستان کہلاتی ہے انگریزوں نے لڑائی روک کر گفت وشنید کے بعد افغانستان کی آزادی تسلیم کرلی - اس موقعہ پر دھوم دھام سے جشن استقلال منایا گیا اور یہ جشن ہر سال منایا جاتا ہے - اس کی یاد تازہ رکھنے کے لیے کابل میں ایک مینارہ بھی تعمیر ہوا - امان اللہ خاں نے پارلیمنٹ بنائی - نئے علوم رائج کیے - مدرسے کھولے اور یورپی تہذیب وتمدن بھی اس کے زمانے میں پورے زور سے جاری ہوگیا اس پر پرانے خیال کے آدمیوں میں بے اطمینانی پھیل گئی -

بغاوت | ۱۹۲۸ء میں امان اللہ خاں نے یورپ کا سفر اختیار کیا - واپس آیا تو یورپی طور طریقوں کو زبردستی پھیلانا چاہا - شنواریوں کے ایک قبیلے نے بغاوت کی - پھر ایک ڈاکو، جس کا نام حبیب اللہ تھا لیکن اُسے عام لوگ بچہ سقا کہتے تھے، اپنے آدمیوں کو لے کر کابل پر چڑھ آیا - امان اللہ خاں نے تخت سے دستبرداری اختیار کرلی - اس کا بھائی عنایت اللہ خاں بادشاہ بنا، وہ بھی کابل چھوڑنے پر مجبور ہوگیا تو بچہ سقہ امیر حبیب اللہ خاں کے لقب سے بادشاہ بنا اور ملک میں افراتفری پھیل گئی

نادر شاہ افغان | اس افراتفری سے نادر خاں نے ملک کو نجات دلائی - نادر خاں امیر دوست محمد خاں کے بھائی سلطان محمد خاں کی اولاد میں سے تھا امیر حبیب اللہ خاں کے عہد میں فوج کے ایک دستے کا افسر

بنا اپنی صلاحیت کی بدولت سپہ سالار کے درجے پر پہنچا جنگ استقلال میں اس نے تھل پر انگریزی فوج کو شکست دی۔ امان اللہ خاں نے اسے وزیر جنگ بنایا۔ پھر امان اللہ خاں کے طرزِ عمل سے نادر خاں کو اختلاف پیدا ہو گیا تو اسے فرانس میں سفیر بنا دیا گیا۔ بیماری کے باعث سفارت چھوڑی اور فرانس میں علاج کرانے لگا ملک میں خانہ جنگی کی خبریں سنیں تو بیماری ہی کی حالت میں واپس آیا۔ لوگوں میں ہر دلعزیز تھا۔ امن قائم کرنے کی اپیل کی اور کہا کہ تفرقے اور لڑائیاں چھوڑ کر اطمینان سے بیٹھو اور اپنی مرضی کے مطابق اتفاق رائے سے حکومت کا انتظام کر لو۔ بچہ سقا نے اس کی مخالفت کی اور آٹھ مہینے لڑائی جاری رہی آخر نادر خاں کا لشکر کابل پہنچ گیا۔ بچہ سقا پکڑا گیا اور موت کی سزا پائی۔ قوم نے نادر خاں کو بادشاہ بنا لیا اس سے ایک نئے خاندان حکومت کی بنیاد پڑی۔

ظاہر شاہ بادشاہی کا بوجھ نادر نے سنبھالا تو ملک کی حالت بہت ابتر تھی۔ اس لیے کہ نصف صدی میں انتظام کے جو صیغے درست ہوئے تھے۔ وہ بچہ سقا کے زمانے میں فنا ہو چکے تھے۔ بڑی محنت و مشقت سے نادر نے سارے انتظامات درست کیے۔ بغاوت و سرکشی کے فتنے مٹائے۔ ترقی کی سکیمیں جاری کیں اور ملک پھر اونچے پیمانے پر پہنچنے لگا۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں ایک نوجوان نے جو مخالف گروہ کا کارندہ تھا بادشاہ کو اچانک شہید کر دیا۔ پھر اس کا اکلوتا بیٹا ظاہر خاں ظاہر شاہ کے لقب سے بادشاہ بنا اس کے عہد میں ملک نے زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت میں شاندار ترقی کی کئی بے آباد ضلعوں میں بڑے بڑے شہر بن گئے اور وہاں کارخانے قائم ہو گئے

مسلمانانِ ہندوستان کی سرگزشت ہم یہاں بیان نہیں کریں گے۔ ان کے حالات کے لیے پاک ہند کی تاریخ دیکھنی چاہیے۔

اٹھارھواں باب

وسط ایشیا کی جمہوریتیں

وسط ایشیا وسط ایشیا کی اسلامی جمہوریتیں بالشویکوں کے عہد اقتدار میں بنیں۔ ان جمہوریتوں کے علاقے وہی ہیں جو بالشویکوں سے پہلے سمرقند، بخارا اور روسی ترکستان کہلاتے تھے۔ یہ چار ہیں:
بحیرۂ قزوین کے مشرقی کناروں سے لے کر افغانستان کی شمالی ومغربی سرحد تک جمہوریہ ترکمانستان۔ اس سے ملی ہوئی مشرقی سمت میں بحیرۂ خوارزم شاہ (ارال) تک جمہوریہ ازبکستان۔ ازبکستان کے جنوب مشرق میں جمہوریہ تاجیکستان، تاجیکستان کے مشرق میں جمہوریہ کرغزستان۔ ان سب کا نظام حکومت جمہوری وشورائی ہے۔ یہ سب داخلی معاملات میں آزاد ہیں اور جمہوریہ شورائیہ روس کی یونین میں شامل ہیں۔ ان کے مفصل حالات ذیل میں درج ہیں۔

ترکمانستان ترکمانستان کی جمہوریت اکتوبر ۱۹۲۴ء میں بنی۔ اس کا رقبہ ۱۸۹۳۷۰ مربع میل ہے اور آبادی ۱۹۳۹ء کی مردم شماری کے مطابق بارہ لاکھ باون ہزار تھی۔ عشق آباد اس جمہوریت کا مرکز حکومت ہے۔ سلجوقیوں کا پایۂ تخت مرو بھی اسی جمہوریت میں واقع ہے۔

یہاں زراعت اچھی ہوتی ہے۔ زمینوں کی سیرابی کے انتظامات پر بہت توجہ دی جا رہی ہے۔ وسط ایشیا کے صحرا قرہ قم کا بڑا حصہ اسی جمہوریت میں ہے۔ اسے سیراب کر کے قابل کاشت بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ روئی اور گندم یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ ترانوے فیصدی کسانوں نے مشترکہ زراعت کا طریقہ اختیار کر لیا ہے بہت سے کارخانے

بھی جاری ہو گئے

ایک ہزار دو سو تیس پرائمری اور ثانوی مدرسے ہیں۔ جن میں دو لاکھ بچے تعلیم پاتے ہیں۔ اٹھارہ ہزار اساتذہ ہیں۔ اعلےٰ تعلیم کے لیے سات ادارے بن چکے ہیں۔ انتالیس ٹکنیکل سکول ہیں۔ موٹر کی کئی سڑکیں بن گئی ہیں۔ ریل بھی موجود ہے۔

اوزبکستان | جمہوریہ اوزبکستان کا رقبہ ۱۵۹۱۷۰ مربع میل ہے اور آبادی باسٹھ لاکھ بیاسی ہزار۔ تاشکند اس کا مرکزِ حکومت ہے۔ بخارا، خیوا اور سمرقند اسی جمہوریت میں واقع ہیں۔ زراعت کو ترقی دینے پر یہاں بھی خاص توجہ مبذول ہے۔ صرف ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۰ء تک چھ لاکھ ایکڑ نئی زمین قابلِ کاشت بنائی گئی۔ ۱۹۳۹ء میں اس جمہوریت نے سولہ لاکھ ٹن روئی پیدا کی تھی۔ ریشم کے کیڑے بھی بہ کثرت پالے جاتے ہیں۔ ۱۹۴۱ء میں تقریباً پونے گیارہ ہزار ٹن ریشم حاصل کیا گیا تھا۔ یہاں سوا لاکھ ایکڑ میں جنگلات ہیں صحرائے قزل قم میں بھی جنگل لگانے کی کوشش ہو رہی ہے۔

ساڑھے چار ہزار پرائمری اور ثانوی مدارس ہیں۔ ان میں ۱۹۴۹ء میں دس لاکھ اڑسٹھ ہزار بچے تعلیم پا رہے تھے۔ چونتیس کالج ہیں اور بانوے ٹکنیکل سکول۔ ان کے طلبہ کی تعداد پینتالیس ہزار سے کم نہ ہوگی۔

تاجکستان | تاجیک جمہوریت دسمبر ۱۹۲۹ء میں جمہوریہ شورائیہ روس کی یونین میں شامل ہوئی تھی۔ اس کا رقبہ ۵۵،۷۰۰ مربع میل ہے اور آبادی چودہ لاکھ پچاسی ہزار۔ ۱۹۳۹ء میں سوا سات لاکھ ایکڑ بنجر زمین قابلِ کاشت بنائی گئی۔ یہاں غلے اور روئی کی پیداوار خاصی ہے۔ جانور بھی بہ کثرت پالے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اس

جمہوریت میں چراگاہیں بڑی اچھی ہیں۔ سٹالن آباد اس جمہوریت کا مرکزِ حکومت ہے۔

صنعت و حرفت کی ترقی پر بھی خاص توجہ ہے۔ تین ہزار پرائمری اور ثانوی مدارس ہیں، جن میں تین لاکھ سے زیادہ بچے تعلیم پاتے ہیں۔ سات کالج، ستائیس ٹکنیکل سکول اور چھ تحقیقاتی ادارے ہیں۔ اس جمہوریت میں چونسٹھ اخبار جاری ہیں، جن کی مجموعی اشاعت دو لاکھ ستر ہزار سے کم نہ ہو گی۔ ایک سو بیس ہسپتال ہیں۔

کرغستان کرغستان کی الگ جمہوریت فروری ۱۹۲۲ء میں بنی۔ اس کا رقبہ ۷۶۹۰۰ مربع میل اور آبادی چودہ لاکھ ساٹھ ہزار ہے۔ فرنز[1] اس کا مرکزِ حکومت ہے۔ اس جمہوریت میں ایک ہزار چھ سو پینتالیس پرائمری اور ثانوی درسگاہیں ہیں، جن میں تین لاکھ اٹھائیس ہزار بچے تعلیم پاتے ہیں۔ چھ کالج اور چونتیس ٹکنیکل سکول ہیں۔ یہاں سائنس کی ایک اکاڈیمی بھی ۱۹۴۳ء میں بن گئی تھی۔ تینتیس تحقیقاتی انسٹی ٹیوٹ ہیں۔ زراعت ترقی پر ہے۔ میوے بھی بہ کثرت پیدا ہوتے ہیں۔ روئی اور اون کی صفائی، تمباکو، پارچہ بافی کے کارخانے موجود ہیں۔

چاروں جمہوریتوں میں معدنیات کی بھی کمی نہیں۔ مثلاً کوئلے اور تیل کی کانیں ہیں۔ سونا اور چاندی بھی ملتا ہے، قیمتی جواہرات بھی۔ بعض دوسری قیمتی دھاتوں کا سراغ بھی ملا ہے۔

---

[1] FRUNZE

انیسواں باب

سرزمینِ عرب

محمد بن عبدالوہاب کی تحریک اصلاح

عباسیوں کے بعد عرب کی حالت خراب ہو گئی، یہاں تک کہ اس میں پھر پہلے کی طرح کئی چھوٹی چھوٹی حکومتیں بن گئیں۔ لوگوں کے مذہبی اطوار بھی بہت بگڑ گئے۔ اٹھارھویں صدی کے آغاز میں نجد میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نے مذہبی اصلاح کی تحریک جاری کی۔ نجد کے ایک مقام درعیہ کا رئیس محمد بن سعود اس کا علمبردار بن گیا۔ تھوڑی ہی مدت میں یہ تحریک پھیل گئی، لیکن مختلف رئیس اس کی مخالفت میں بھی سرگرم ہو گئے۔ ۱۷۶۵ء میں محمد ابن سعود فوت ہوا، تو بہت سے لوگ شیخ محمد ابن عبدالوہاب کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اسلامی احکام کے پابند بن چکے تھے اور محمد بن سعود کی حکومت کا دائرہ خاص وسیع ہو چکا تھا۔

امیر عبدالعزیز اوّل

محمد بن سعود کے فرزند امیر عبدالعزیز کے عہد میں محمد بن عبدالوہاب کا جاری کیا ہوا اصلاحی کام بہت پھیلا، ساتھ ساتھ خاندان سعود کی سلطنت بھی پھیلتی رہی۔ عبدالعزیز نے الحسا اور قطیف لے لیے۔ پادشاہِ بغداد نے اس سے صلح کر لی۔ شریف مکہ نے اہلِ نجد پر حج کا دروازہ بند کر رکھا تھا، امیر عبدالعزیز نے یہ دروازہ بھی کھلوا لیا۔ ۱۸۰۳ء میں امیر موصوف طائف پر قابض ہو گیا۔

سعود بن عبدالعزیز

عبدالعزیز کو ایک شخص نے نماز کی حالت میں

قتل کر دیا۔ اس کے بیٹے سعود نے ۱۸۰۵ئہ میں مکّہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اب نجدیوں کو ترکوں سے جنگ پیش آ گئی۔ جس میں ترک نجدیوں کو مٹانے پر تلے رہے۔ محمد علی پاشا خدیو مصر کو حکم ملا کہ فوج لے کر جائے اور نجدیوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دے۔

نجدیوں کی شکست اس اثنا میں سعود کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا عبد اللہ جانشین بنا۔ وہ اپنے پیشرووں کے برابر قابل نہ تھا۔ محمد علی پاشا کے بیٹے طوسون پاشا کے مقابلے میں شکست کھائی اور گرفتار ہو گیا۔ محمد علی نے عبد اللہ کو قسطنطنیہ بھیج دیا، جہاں سلطان محمود ثانی نے اسے موت کی سزا دی۔ اس طرح نجدی حکومت تباہ ہو گئی۔ درعیہ کو برباد کر ڈالا گیا۔

عبد العزیز ثانی عبد اللہ کا ایک فرزند ترکی بچ گیا تھا۔ اس نے نئے سرے سے حکومت کی بنیاد رکھی۔ لیکن خاندان کے لوگ آپس میں لڑنے لگے۔ آخر ترکی کا بیٹا فیصل حکمران بنا اور لمبی مدت تک حکمران رہا۔ اس کی وفات پر پھر خانہ جنگی شروع ہو گئی اور نجدیوں کے ملک پر پڑوس کا ایک قبیلہ قابض ہو گیا۔ اس زمانے میں فیصل کے بیٹے عبد الرحمٰن نے شیخ کویت کے پاس پناہ لی۔ عبد العزیز ثانی اسی عبد الرحمٰن کا فرزند ہے، جس نے تیسری مرتبہ سعودی خاندان کی عظمت بحال کی بلکہ اس کی شان بہت بڑھا دی۔

فتح ریاض درعیہ کی بربادی کے بعد اس کے قریب ہی ریاض نام ایک مقام سعودیوں کا مرکز بن گیا تھا، وہی آج کل مرکز ہے۔ عبد العزیز ثانی ۱۹۰۱ئہ میں صرف دس آدمیوں کو لے کر رات کی تاریکی میں ریاض پہنچا۔ ایک مکان میں رات گزاری۔ صبح ہوتے ہی ریاض کے حاکم کو قتل کر کے شہر کا مالک بن گیا۔ پھر اپنی ہمت و جوانمردی سے سارا آبادئ


نقشۂ ملکِ عرب
وہمسایہ ممالک
بحیرۂ روم
فلسطین
شرقِ اردن
عراق
ایران
افغانستان
پاکستان
کویت
خلیج فارس
ٹروشل عمان
عمان
کراچی سے
ریاض
مدینہ منورہ
مکہ معظمہ
جدہ
سعودی عرب
حجاز
بحیرۂ قلزم
عرب
حضر موت
یمن
بحیرۂ عرب
افریقہ

ملک غیروں سے واپس لے لیا بلکہ حائل پر بھی قبضہ کر لیا۔ جہاں کے رئیسوں نے نجد کی حکومت سنبھال لی تھی۔

شریف حسین کی سازش جنگ یورپ کے بعد شریف حسین حجاز کا بادشاہ بن گیا تھا۔ اس کا ایک بیٹا عبد اللہ شرق اردن کا حاکم تھا۔ دوسرا بیٹا فیصل عراق کا بادشاہ تھا۔ شریف حسین سارے عرب حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اسے صرف ایک رکاوٹ نظر آتی تھی اور وہ نجد کا امیر عبد العزیز ثانی تھا۔ اسی وجہ سے شریف اس کا جانی دشمن بن گیا۔

فتح حجاز عبد العزیز ابن سعود کے خلاف شریف نے سازشیں شروع کر دیں۔ پھر دو سرحدی مقامات کے متعلق جھگڑا کھڑا کر دیا۔ شریف کہتا تھا کہ یہ حجاز کے ہیں۔ ابن سعود کا دعوےٰ تھا کہ یہ نجد کے ہیں اور یہ پہلے سے نجد کے ماتحت تھے۔ شریف نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو ان مقامات پر حملے کا حکم دے دیا۔ ایک مرتبہ انگریزوں نے بیچ بچاؤ کر کے لڑائی روکی۔ پھر ابن سعود کی فوج بڑھی اور ایک ہی ہلّے میں طائف و مکّہ پر قبضہ کر لیا۔ بعد میں سارا حجاز ابن سعود کے قبضے میں آگیا۔ کچھ مدّت بعد عسیر بھی سعودی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ ان تمام علاقوں کو ملا کر نئی سلطنت کو دولت عربیہ سعودیہ کا نام دے دیا گیا۔ نجد، حجاز۔ حائل عسیر الحسا سب شامل ہیں اور امیر ابن سعود دولت سعودیہ کے بادشاہ بن گئے۔ یہ سرزمین عرب کے سب سے بڑے اور سب سے طاقتور فرمانروا ہیں۔ دولتِ سعودیہ کا رقبہ ساڑھے چار لاکھ مربع میل ہے اور آبادی پچاس لاکھ ہے۔

یمن یمن عرب کے جنوب میں مشہور ملک ہے۔ یہاں زیدی مذہب کے لوگوں کی کثرت ہے۔ جو حضرت زید بن امام زین العابدین کو امام

مانتے ہیں - یمن کی موجودہ حکومت نے امام یحییٰ بن حمید الدین کے عہد میں زیادہ شہرت حاصل کی جو ۱۹۰۲ء میں مسند نشین ہوئے تھے - ان کی حکومت بالکل پرانی وضع کی تھی - ایک دفعہ دولت عربیہ سعودیہ سے یمن کی جنگ چھڑ گئی - تھوڑے ہی دنوں میں یمن نے ہتھیار ڈال دیے - ابن سعود نے ساری مملکت امام یمن کو واپس کر دی اور دونوں حکمرانوں کے تعلقات اچھے ہو گئے - لمبی مدت تک حکمران رہنے کے بعد حال ہی میں امام یحییٰ فوت ہوئے اور اب ان کا بیٹا یمن کا حاکم ہے - یمن کا رقبہ پچھتر ہزار مربع میل ہے اور آبادی پینتیس لاکھ -

کویت | کویت ایک چھوٹی سی عربی ریاست خلیج فارس کے کنارے کنارے نجد کے صوبے الحسا سے لے کر عراق تک پھیلی ہوئی ہے - یہاں آلِ صباح کی حکومت ہے - انگریز ۱۷۵۰ء میں وہاں پہنچے تھے اس وقت سے کویت انھیں کے زیر اثر چلا آتا ہے - یہ چھوٹی سی ریاست ہے اس کا رقبہ چھ ہزار مربع میل اور آبادی پچاس ہزار ہے -

شریفی خاندان | ترکوں کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ ایک شخص کو وہ حجاز کا گورنر بنا دیتے، اس کے ساتھ خاندان سادات میں سے ایک فرد کو سردار مکہ مقرر کر دیتے اس کا لقب ان کے زمانے میں "شریف" تھا - اسے بھی محدود پیمانے پر اختیارات حاصل ہوتے تھے - قبائل حجاز کے معاملات زیادہ تر اسی کے مشورے سے انجام پاتے - گویا یہ شخص عوام اور حکومت کے درمیان ایک واسطہ تھا -

حسین بن علی ۱۹۰۸ء میں شریف مکہ بنا تھا - ۱۹۱۶ء میں اس نے انگریزوں کے ایماء پر ترکوں سے بغاوت کی اور شاہ حجاز بن گیا -

شریف کے بیٹے | اس کے چار بیٹے تھے: علی، عبداللہ - فیصل اور زید ان میں سے علی کو شریف نے اپنا ولی عہد بنایا - عبداللہ کو جنگِ یورپ

کے بعد انگریزوں نے شرق اردن کا امیر بنا دیا - آجکل وہ شاہ شرق[1] اردن کہلاتا ہے - فیصل کو پہلے شام کا بادشاہ بنانے کی تجویز تھی اور زید کو عراق کا حکمران بنانے کا فیصلہ کیا گیا لیکن فیصل نے شام کے بارے میں فرانسیسیوں کی پالیسی کو قبول نہ کیا اس لیے اُسے نکلنا پڑا، انگریزوں نے اسے عراق کی بادشاہی دے دی اور زید کو کوئی حکومت نہ ملی -

فیصل ۱۹۳۲ء میں فوت ہوا تو اس کا بیٹا "غازی" بادشاہ بنا - وہ موٹر کے حادثے میں اچانک مارا گیا - پھر اس کے کمسن بیٹے کو فیصل ثانی کے لقب سے بادشاہ بنا دیا گیا اور غازی کے چچیرے بھائی اور سالے کو امیر عبداللہ کو نائب السلطنت کا عہدہ دے دیا گیا - عراق کا رقبہ ایک ایک لاکھ سولہ ہزار مربع میل ہے اور آبادی پینتیس لاکھ ہے -

شریف حسین اور امیر علی | شریف حسین نے ۱۹۲۵ء میں عبدالعزیز ثانی آل سعود فرمانروائے نجد سے جنگ چھیڑ دی - ابن سعود کی فوجیں طائف پہنچ گئیں - حجاز کے بزرگوں نے یہ صلاح دی کہ شریف حسین بادشاہی سے دست بردار ہو جائے اور امیر علی کو جانشین بنا دے تاکہ ابن سعود کے ساتھ صلح کی بات چیت ہو سکے - شریف حسین اس تجویز کو مان کر قبرص چلا گیا - امیر علی بادشاہ بن گیا - لیکن جنگ نہ رُکی - آخر امیر علی کے پاس صرف جدّہ رہ گیا جنوری ۱۹۲۶ء میں اس نے صلح کر لی - اور جدہ بھی ابن سعود کے حوالے کر دیا - شریف حسین نے قبرص ہی میں وفات پائی اور اسے قدس شریف میں دفن کیا گیا - امیر علی بھی فوت ہو چکا ہے

---

[1] شرق اردن سے مراد عرب کا وہ علاقہ ہے جو دریائے اردن کے مشرق میں، حجاز اور شام کے درمیان واقع ہے - اس کا رقبہ پچیس ہزار مربع میل اور آبادی چار لاکھ ہے -

امیر عبداللہ نائب السلطنت عراق اسی کا فرزند ہے۔

شام و لبنان شام کو پہلی جنگ یورپ کے بعد فرانسیسیوں نے اپنی نگرانی میں لے لیا تھا وہاں قومی تحریک بڑے زور سے جاری ہوئی۔ کئی مرتبہ قومی کارکنوں کو حکومت سے ٹکرانا پڑا۔ دوسری جنگ یورپ میں فرانس نے ہتھیار ڈال دیے تو انگریزوں نے حریت پسند فرانسیسیوں کے مشورے سے شام کو حکومت فرانس سے الگ کر لیا تاکہ جرمن شام میں بھی نہ پہنچ جائیں۔ شامیوں کے ساتھ آزادی کا وعدہ کر لیا گیا تھا۔ اُنھیں آزادی دے دی گئی لیکن ملک کے دو ٹکڑے کر دیے گئے۔ شام کی حکومت الگ بنی جس کا مرکز دمشق ہے۔ لبنان کی حکومت الگ بنی اس کا مرکز بیروت ہے۔ لبنان کا رقبہ تین ہزار آٹھ سو مربع میل ہے اور آبادی سوا گیارہ لاکھ۔ شام کا رقبہ اٹھاون ہزار مربع میل ہے اور آبادی بیس لاکھ۔

فلسطین انگریزوں اور فرانسیسیوں کی حکمت عملی عرب کے متعلق یہ تھی کہ اس کے زیادہ سے زیادہ ٹکڑے ہو جائیں تاکہ عربوں کی قوت بکھری رہے اور وہ جمع نہ ہو سکیں۔ چنانچہ پہلی جنگ یورپ کے بعد شرق اردن کو حجاز سے اور فلسطین کو شام سے الگ کیا گیا۔ پھر شام کے دو ٹکڑے کیے گئے فلسطین کو انگریزوں نے اپنی نگرانی میں لے کر پہلے اُسے یہودیوں کا وطن بنانا چاہا اور ہر ملک سے یہودیوں کو بہ کثرت فلسطین پہنچایا گیا۔ عربوں میں شور اُٹھا، تو انگریزوں نے یہودیوں کی درآمد نہ روکی البتہ اس کی سالانہ تعداد مقرر کر دی، لیکن یہودی بدستور آتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد چھ لاکھ پر پہنچ گئی۔ پھر فلسطین کے تین ٹکڑے کر دینے کی تجویز منظور ہوئی۔ چونکہ انگریز اور امریکہ دونوں اس کے حامی تھے اس لیے اس کو جاری کر دیا گیا۔

ان میں سے ایک ٹکڑا عربوں کا ہے، دوسرا یہودیوں کا جس کا نام ریاست بنی اسرائیل قرار پایا۔ شہر قدس (یروشلم) کو دونوں سے الگ کر کے بین الاقوامی شہر بنا دیا گیا۔ اس پر جھگڑے اُٹھے۔ لڑائیاں ہوئیں۔ یہودیوں نے اپنے علاقے کے عربوں کو گھروں سے نکال دیا اور وہ بیچارے پریشان حال بیٹھے ہیں۔ ابھی تک معاملہ یکسو نہیں ہوا۔

پورے فلسطین کا رقبہ دس ہزار پانسو مربع میل ہے اور آبادی اٹھارہ لاکھ۔

عمان عرب کے جنوبی و مغربی گوشے میں خلیج فارس کے دہانے پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۸۲ ہزار مربع میل اور آبادی ۵½ لاکھ ہے۔ مسقط پایۂ تخت ہے۔ سید سعید بن تیمور عمان کے سلطان ہیں۔ ملک میں کھجور کی پیداوار بہت ہے۔ لوگ اونٹ بھی پالتے ہیں۔ پانی کا انتظام ہو جائے تو زراعت بھی خوب ہو سکتی ہے۔

جمعیۃ اقوام عرب یہاں جمعیۃ اقوام عرب (عرب لیگ) کے متعلق ذکر کر دینا چاہیے۔ اس کی بنیاد مارچ ۱۹۴۵ء میں پڑی تھی۔ مقصد یہ قرار پایا تھا کہ آزاد عرب ملک اقتصادی و مالی امور کے متعلق ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ مثلاً کرنسی، مسائل زراعت و صنعت۔ نیز مل جل کر وسائل آمد و رفت اور حمل و نقل کو ترقی دیں۔ ثقافتی (کلچرل) تعلقات بڑھائیں۔ حفظانِ صحت اور معاشرت کے معاملات میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔ اس لیگ میں مصر، عراق، شام، لبنان شرق اردن۔ دولتِ سعودیہ اور یمن شامل ہیں۔ مصر کے پرانے قومی کارکن عبدالرحمٰن عزام پاشا اس کے سکرٹری ہیں۔

عرب کی معدنیات عرب میں تیل کی بہت سی کانیں دریافت ہوئی ہیں۔ مثلاً سعودیہ، کویت اور بحرین۔ حجاز اور بعض دوسرے حصوں میں سونے اور چاندی کی کانیں بھی ہیں۔

بیسواں باب

شمالی افریقہ کے اسلامی خطّے

رقبے اور آبادیاں شمالی افریقہ میں مصر کے علاوہ چار مشہور اسلامی خطے ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہے:

ملک	رقبہ	آبادی
مراکش	دو لاکھ پندرہ ہزار مربع میل	۷۵ لاکھ
الجزائر	آٹھ لاکھ پینتالیس ہزار "	۷۵ لاکھ
ٹیونس	اڑتالیس ہزار "	۲۸ لاکھ
لیبیا	چھ لاکھ پچاس ہزار "	½۷ لاکھ

ظاہر ہے کہ رقبوں کے مقابلے میں ان کی آبادیاں بہت کم ہیں، لیکن ان خطوں کی پرانی سرگزشت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ میں ان کا درجہ بہت اونچا رہا۔ انھیں کم آباد زمینوں سے وہ فاتح اُٹھے، جنھوں نے شرق و غرب میں نعرۂ تکبیر سے گونج پیدا کی۔

مراکش مراکش۔ یوسف ابن تاشفین اور عبدالمومن جیسے فاتحین کا وطن — آج کل تین حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک حصّہ جسے فرانسیسی حلقہ کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ فرانسیسیوں کے زیر اثر ہے۔ دوسرا حصّہ ہسپانیہ کے زیر اثر ہے اس وجہ سے ہسپانوی حلقہ کہلاتا ہے۔ تیسرا حلقہ طنجہ[1] کا ہے، جسے بین الاقوامی حلقہ بنا دیا گیا ہے۔

---

[1] اسے انگریزی میں TAGIER لکھتے ہیں۔ یہ مراکش کے انتہائی شمالی و مغربی گوشے میں ہے۔

پورے مراکش کا فرمانروا سدی محمد ہے لیکن اس کی بادشاہی محض برائے نام ہے۔ یوسف ابن تاشفین نے شہر مراکش کی بنیاد رکھی تھی اور اسے اپنی حکومت کا مرکز بنایا تھا۔ عبدالمومن کے عہد میں فاس نے اہمیت حاصل کر لی۔ آج کل رباط مرکز حکومت ہے۔ سدی محمد رباط ہی میں رہتا ہے ہسپانوی علاقے میں اس کی طرف سے خلیفہ مقرر ہے۔

مراکش کے مسلمانوں میں آزادی کا جوش پہلے دن سے موجزن ہے ۱۹۲۴ء میں ہسپانوی مراکش (ریف) کے مجاہد اعظم غازی محمد بن عبدالکریم نے علم جہاد بلند کیا۔ تین برس تک ہسپانیہ کے چھکے چھڑائے رکھے۔ پھر فرانس و ہسپانیہ دونوں نے مل کر غازی محمد بن عبدالکریم کو زیر کیا اور گرفتار کر کے ایک جزیرے میں بھیج دیا۔ وہاں سے پچھلے سال واپس آئے۔ آجکل قاہرہ میں مقیم ہیں۔

۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۷ء میں تحریک آزادی بڑے زوروں پر آئی فرانس نے قوت کے زور سے اسے دبایا۔ آج کل آزادی کے لیے جہاد جاری ہے

الجزائر | الجزائر پر فرانس نے ۱۸۳۰ء میں قبضہ کیا تھا۔ اس وقت امیر عبدالقادر نے فرانس کے خلاف جنگ چھیڑ دی تھی وہ پندرہ سولہ برس تک پورے جوش سے لڑتے رہے۔ آخر انھیں ہتھیار ڈالنے پڑے پھر فرانسیسی امیر کو پیرس لے گئے اور اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ الجزائر میں نہ رہیں۔ چنانچہ امیر مرحوم نے دمشق میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ ان کا خاندان دمشق ہی میں رہتا ہے امیر عبدالقادر ہی کی وجہ سے عہد حاضر میں الجزائر کا نام ساری دنیا میں مشہور ہوا۔ اس سے پہلے خیر الدین باربروسا نے اس نام کا ڈنکہ بجایا تھا۔

الجزائر میں بھی آزادی کی تحریک برابر جاری ہے۔ اہل جزائر کی ایک مستقل سیاسی مجلس ہے جو عرب لیگ کے ساتھ ملحق ہے ۱۹۴۵ء میں قومی تحریک کے کارکنوں نے آزادی کی جو تحریک اٹھائی تھی۔ اسے ڈی گال کی فرانسیسی حکومت نے بزور دبا دیا تھا آج کل پھر آزادی کا نعرہ بلند ہے

ٹیونس ٹیونس میں مدت سے ایک مستقل حکومت بنی ہوئی تھی۔ فرانس نے آہستہ آہستہ اس میں اپنا اثر پھیلایا۔ ۱۸۷۸ء میں یورپی طاقتوں نے فرانس کو اجازت دے دی کہ ٹیونس کے ساتھ جو سلوک چاہے کرے۔ برطانیہ میں قبرص میں ویسے ہی حقوق لے لیے۔ ۱۸۸۱ء میں فرانسیسیوں نے ٹیونس پر قبضہ جما لیا۔ وہاں کا موجودہ حکمران آج کل فرانس میں نظربند ہے۔ حکومت ایک فرانسیسی حاکم کے ہاتھ میں ہے اس کے گیارہ مشیروں میں سے آٹھ فرانسیسی ہیں۔ یہاں بھی مدت سے آزادی کی تحریک جاری ہے اس کے پہلے مشہور رہنما عبدالعزیز الثعالبی تھے وہ جلاوطنی کی حالت میں فوت ہو گئے۔ اہل ٹیونس کی قومی مجلس کا نام "دستور" ہے۔ اس کے موجودہ رہنما بھی جلاوطن ہیں۔ اپریل ۱۹۳۸ء میں فرانس نے بڑی بے دردی سے قومی تحریک کو دبایا تھا۔ اس سلسلے میں کئی قومی مجاہد شہید ہو گئے۔

لیبیا لیبیا نے چالیس برس تک سخت مصیبتیں کاٹیں۔ اٹلی نے اس ملک پر ۱۹۱۱ء میں حملہ کیا تھا۔ اس وقت سے برابر اہل لیبیا پر ظلم و ستم کا طوفان بپا کیے رکھا۔ آزادی کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی خاطر سیکڑوں مجاہدوں نے جانیں قربان کیں۔ ان میں سب سے بڑھ کر قابل عزت سید عمر مختار تھے جو عمر بھر اٹلی والوں سے لڑتے رہے۔ اتفاقیہ گرفتار ہو گئے، تو سنگ دل دشمنوں نے انھیں پھانسی دے دی۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ اٹلی کے ظالم آزادی کے مجاہدوں کو ہوائی جہاز میں سوار کرتے، پھر نیچے گرا دیتے۔

دوسری جنگ یورپ میں اتحادی فوجوں نے لیبیا کو اٹلی کے قبضے سے نجات دلائی۔ اس میں عربوں نے اتحادیوں کو گراں بہا مدد دی۔ اب سید ادریس سنوسی کو لیبیا کا بادشاہ بنا دیا گیا ہے۔ لیبیا سنوسی تحریک کا بہت بڑا مرکز ہے۔


انڈونیشیا
پیمانہ
میل
۱۰۰
۲۰۰
۳۰۰
۴۰۰
۵۰۰
۶۰۰
بحیرہ جنوبی چین
بحیرہ سیلیبز
بحر ہند
بحیرہ جاوا
بحیرہ باندا
بحیرہ تیمور
آسٹریلیا
نیوگنی
ہلمہرا
سیلیبز
بورنیو
سراوک
شمالی بورنیو
برونی
پونتیانگ
بانکا
بیلیتون
پالمبانگ
سنگاپور
ملایا
میدان
نیاس
سبارات
بٹاویا
سمرنگ
سورابایا
جاوا
بالی
لمبک
سمباوا
فلورس
الور
تیمور
سمبا
مکسر
برو
اوبی

اکیسواں باب

جمہوریہ انڈونیشیا

جغرافیائی حالات انڈونیشیا[1]، جسے پہلے جزائر شرق الہند کہتے تھے، ایک بڑی دولت ہے جو حال ہی میں آزادی کی برکات سے مشرف ہوئی ہے۔ یہ ہزاروں جزیروں کا مجموعہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چھوٹے بڑے تین ہزار جزیرے ہیں۔ جن میں سے بڑے جزیرے جاوا، سماٹرا اور بورنیو ہیں۔ جمہوریت کا رقبہ سات لاکھ نوے ہزار مربع میل ہے اور آبادی سات کروڑ سے کم نہ ہوگی۔ زیادہ تر باشندے مسلمان ہیں۔ یہ اُن عرب تاجروں کے جوشِ تبلیغ کا ایک زندہ کرشمہ ہے جو اسلام کے آغاز میں اپنا مال لے کر عرب سے چین تک جایا کرتے تھے راستے کے تمام جزیروں میں اُنھوں نے تجارتی کوٹھیاں بنا لی تھیں۔ جاوا کا رقبہ اگرچہ کم ہے لیکن اس کی آبادی چھ کروڑ کے قریب ہے۔

انڈونیشیا زراعت کے لیے بے حد زرخیز اور معدنیات کی دولت سے مالا مال ہے۔

فرنگیوں کا دور فرنگیوں میں سے پہلے پہل پرتگیز انڈونیشیا پہنچے۔ پھر ولندیزوں نے ایک ایسٹ انڈیا کمپنی بنا لی اور سترھویں صدی کے آغاز میں وہ پہنچ گئے۔ اس وقت تک پرتگیزوں کی حالت بہت

[1] انڈونیشی زبان میں "نیشیا" کے معنی "جزائر" ہیں۔ اس لیے سمجھنا چاہیے کہ انڈونیشیا "شرق الہند" کا انڈونیشی ترجمہ ہے۔

کمزور ہو گئی تھی۔ ولندیز تمام جزیروں کے مالک و مختار بن گئے۔ ۱۷۹۸ء میں ولندیزی ایسٹ انڈیا کمپنی ٹوٹ گئی تو انڈونیشیا کا نظم و نسق براہ راست حکومت ہالینڈ کے قبضے میں آگیا۔ اس وقت سے لے کر عملاً ۱۹۴۲ء تک اور برائے نام ۱۹۴۹ء تک ولندیزی حکومت باقی رہی۔

آزادی کی تحریک انڈونیشیا میں بہت پہلے سے جاری تھی دوسری جنگ یورپ میں ہالینڈ پر جرمنی کا قبضہ ہو گیا۔ ملکہ ہالینڈ انگلستان میں پناہ گزین ہوئی وہاں سے ملکہ نے ۷۔ دسمبر ۱۹۴۲ء کو اعلان کیا کہ آیندہ کے لیے ہالینڈ کے تمام مقبوضات کو ہالینڈ کے برابر درجہ حاصل رہے گا۔ یہ گویا انڈونیشیا کی آزادی کا پہلا اعتراف تھا۔

جمہوریت کا قیام | جب جاپان جنگ میں شامل ہوا، تو اس کی فوجیں انڈونیشیا پر قابض ہو گئیں اور جاپان کی شکست تک بدستور قابض رہیں۔ وطنی آزادی کے مجاہد اس زمانے میں بھی اپنی کوششوں میں لگے رہے۔ جب جاپان نے ہتھیار ڈالے تو ۱۷۔ اگست ۱۹۴۵ء کو انڈونیشیا کے رہنماؤں نے آزاد جمہوریت کا اعلان کر دیا اور ڈاکٹر سوکارنو اس کے پہلے صدر قرار پائے۔

جنگ ختم ہوئی۔ ہالینڈ کی ملکہ اپنے وطن واپس گئی اور حکومت کا نقشہ نئے سرے سے درست ہوا تو ہالینڈ کی نیت بدل گئی۔ اس پر کشمکش شروع ہو گئی۔

آزادی حاصل ہو گئی | بڑی بحثیں ہوئیں۔ لڑائیاں بھی چھڑیں۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ حکومت ہالینڈ اور انڈونیشیا کے نمایندوں کی گول میز کانفرنس منعقد ہو۔ یہ کانفرنس ۲۳۔ اگست ۱۹۴۹ء سے ۲۔ نومبر ۱۹۴۹ء تک جاری رہی۔ اس کے خاتمے پر اعلان ہو گیا کہ انڈونیشیا کی تقدیر کے مالک خود اہلِ انڈونیشیا ہیں اور ریاستہائے متحدہ

انڈونیشیا کو حکمرانی کے تمام اختیارات سونپ دیے گئے۔
انڈونیشیا میں پاکستان کا سفر موجود ہے اور انڈونیشیا کا سفیر پاکستان میں رہتا ہے۔ مشرق بعید میں انڈونیشیا سب سے بڑی اسلامی جمہوریت ہے۔

بائیسواں باب

تازہ حالات

تمہید کتاب کے مرتب اور چھپنے کے دوران میں دُنیائے اسلام کے اندر جو تبدیلیاں ہوئیں، ان کا ذکر کتاب میں نہ آسکتا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے اسلامی ملکوں کے حالات سرسری طور پر یکجا بیان کر دیے جائیں تاکہ کتاب پڑھنے والے کو اب تک کے حالات کا پورا علم ہو جائے۔

ترکی جمہوریۂ ترکیہ نے ۱۹۲۵ء میں رُوس سے معاہدہ کیا تھا اور تعلّقات اچھے رہے۔ ۱۹۴۵ء میں رُوس نے یہ معاہدہ ختم کر دیا۔ اس کے بعد ترکی نے مندرجہ ذیل اہم معاہدے کیے۔

(۱) اکتوبر ۱۹۳۹ء میں برطانیہ اور فرانس سے معاہدۂ دوستی۔

(۲) جولائی ۱۹۴۷ء میں جمہوریہ امریکہ سے مالی امداد کا معاہدہ

(۳) فروری ۱۹۵۲ء میں ترکی مغربی طاقتوں کے دفاعی معاہدے میں شامل ہو گیا۔

(۴) فروری ۱۹۵۳ء میں یونان اور یوگوسلافیہ سے معاہدہ دوستی۔

ان کے علاوہ ترکی نے پاکستان اور عراق سے معاہدے کیے۔ اس کی صنعتی اور زرعی ترقیات کا دائرہ وسیع ہوا۔ اس کی جنگی قوّت بہت بڑھ گئی اور آج وہ ان طاقتوں میں شمار ہوتا ہے، جنھیں بین الاقوامی دائرے میں خاص عزّت حاصل ہے۔

مصر مصر میں شاہ فاروق کی بادشاہی میں ملک کے انتظامات اچھّے نہ رہے۔ حق یہ ہے کہ شاہ فاروق کو مُلکی انتظامات سے چنداں دلچسپی ہی نہ تھی۔ اس وجہ سے وہ عام باشندوں اور فوجی حلقوں میں خاصا غیر دِل عزیز ہوگیا۔ آہستہ آہستہ ایک انقلابی تحریک جاری ہوئی نوجوان فوجیوں کے ایک گروہ نے جنرل نجیب کی سرکردگی میں شاہِ فاروق کو ملک سے نِکال دیا اور تمام انتظامات خوُد سنبھال لیے۔ کچھ مدّت تک جنرل نجیب ملکی حکومت کے صدر رہے۔ پھر کرنل جمال عبدالنّاصر نے نظم ونسق کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ وہی آج کل کاروباری حکومت چلا رہے ہیں۔ انھوں نے بہت سی اصلاحات کی ہیں، جن میں سے اراضی کی اصلاحات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ چنانچہ انھوں نے بہت سی بنجر اراضی کاشت کاروں میں تقسیم کردی ؎

اس انقلابی جماعت کے زمانے کا خاص طور پر قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ انگریزوں سے نہر سویز کا حلقہ خالی کرالیا گیا اور مصر کی آزادی مکمّل ہوگئی ؎

ایران محمد رضا شاہ پہلوی نے اپنی بہت سی زمینیں کاشت کاروں میں تقسیم کردیں۔ ان کے عہد میں اینگلو ایرانی کمپنی کا جھگڑا پیدا ہُوا۔ ڈاکٹر مصدّق وزیرِاعظم کی خواہش تھی کہ کمپنی حکومتِ ایران کی شرطیں قبول کرلے۔ کمپنی نے کاروبار بند کردیا۔ مدّت تک یہ جھگڑا چلتا رہا۔ آخر ڈاکٹر مصدّق اور محمد رضا شاہ کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے۔ شاہ نے جنرل فضل اللہ زاہدی کو وزیرِ اعظم بنا دیا۔ ڈاکٹر مصدّق پر مقدمہ چلا اور انھیں قید کی سزا دی گئی۔ جنرل زاہدی نے تیل کے متعلّق ایسے انتظامات کرلیے کہ اینگلو ایرانی

کمپنی کا کاروبار پھر جاری ہوگیا - جس کے بند ہونے کے باعث ایران کی مالی حالت پر بہت بُرا اثر پڑا تھا - پچھلے دنوں جنرل زاہدی بھی بیماری کے باعث وزارت چھوڑ کر علاج کی غرض سے یورپ چلے گئے ؛

محمد رضا شاہ پہلوی نے یورپی ملکوں کے علاوہ امریکہ کا بھی دورہ کیا - خاص طور پر قابلِ ذکر دورہ پاکستان کا ہے، جہاں ان کا شاہانہ خیر مقدم ہُوا اور یہ واقعہ پاکستان و ایران میں مدت تک خوشگوار یادیں تازہ کرتا رہے گا ؛

دولت عربیہ سعودیہ دولت عربیہ سعودیہ کے مشہور فرماں روا سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن نومبر ۱۹۵۳ء میں وفات پا گئے اور ان کے فرزند اکبر سعود بن عبدالعزیز جانشین ہوئے - دوسرے فرزند امیر فیصل کو ولی عہد بنا دیا گیا - سعود بن عبدالعزیز ۱۹۵۴ء میں پاکستان تشریف لائے اور پاکستان کے گورنر جنرل دو تین مرتبہ مکّہ معظمہ تشریف لے گئے - اسی سال حج کے موقع پر ایک خاص مجلس ترتیب دی گئی، جس کا مدّعا یہ تھا کہ اسلامی ممالک کے نمائندے ہر سال مکّہ معظمہ میں جمع ہو کر مشترکہ فائدے کی تجویزوں پر غور کریں ؛

مختلف عربی ممالک (۱) عراق کے بادشاہ فیصل اور ان کے ماموں امیر عبداللہ پاکستان تشریف لائے نیز عراق نے ترکی سے فوجی معاہدہ کر لیا ؛

(۲) شرق اردن کے فرماں روا شاہ حسین اور ان کی والدۂ ماجدہ پاکستان تشریف لائے ؛

(۳) شام میں کئی مرتبہ انقلابات آئے ؛

(۴) یمن میں بادشاہ کے خلاف ایک فوجی تحریک جاری ہوئی لیکن ولی عہد کی کوششوں سے تحریک ناکام رہی۔ اب وہاں انتظامات کے لیے ایک وزارت بن گئی ہے جو نظم و نسق میں موجودہ زمانے کی ضرورتوں کے متعلق تبدیلیاں کرے گی۔

افغانستان افغانستان میں محمد ظاہر شاہ کی حکومت جاری ہے۔ شاہ محمود خاں کی جگہ سردار محمد داؤد خاں وزیراعظم بن گئے۔

شمالی افریقہ شمالی افریقہ کے اسلامی ملکوں میں سے لیبیا میں سید ادریس سنوسی کی حکومت جاری ہے اور تمام انتظامی صیغوں میں اصلاحات کی جارہی ہیں۔ ٹیونس کو اندرونی خود مختاری مل گئی ہے۔ فرانسیسی مراکش کے لیے بھی خود مختاری کا وعدہ ہو چکا ہے لیکن الجزائر کی قومی تحریک کو فرانس فوجی قوت کے بل پر دبانے کی کوشش کر رہا ہے۔

انڈونیشیا ڈاکٹر احمد سوکارنو بدستور جمہوریۂ انڈونیشیا کے صدر ہیں اور ڈاکٹر علی وزیر اعظم۔

جنوبی و جنوبی و مشرقی ایشیا میں جو ملک واقع ہیں، ان کی اقتصادی ترقی کے لیے ایک دوسرے کی امداد کی اسکیم نومبر ۱۹۵۰ء میں بنی تھی جو عام طور پر کولمبو کی سکیم کہلاتی ہے۔ اس میں جو بڑے بڑے ایشیائی ملک شامل ہیں ان کے نام یہ ہیں:- ہندوستان، پاکستان، سیلون، برما اور انڈونیشیا۔

بندونگ کانفرنس انڈونیشیا کے سلسلے میں بندونگ کانفرنس خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ کولمبو سکیم کے پانچ بڑے ممبران نے جن کے نام اوپر آ چکے ہیں۔ باہم مل کر فیصلہ کیا تھا کہ ایشیا اور افریقہ کے تمام آزاد ملکوں کی ایک کانفرنس بلائی جائے یہ کانفرنس اپریل ۱۹۵۵ء میں بندونگ (انڈونیشیا) میں منعقد ہوئی اور بہت کامیاب رہی چین بھی اس میں شامل ہوا تھا یہ کانفرنس مستقل حیثیت اختیار کر گئی تو امن عالم کے لیے مفید ہوگی۔